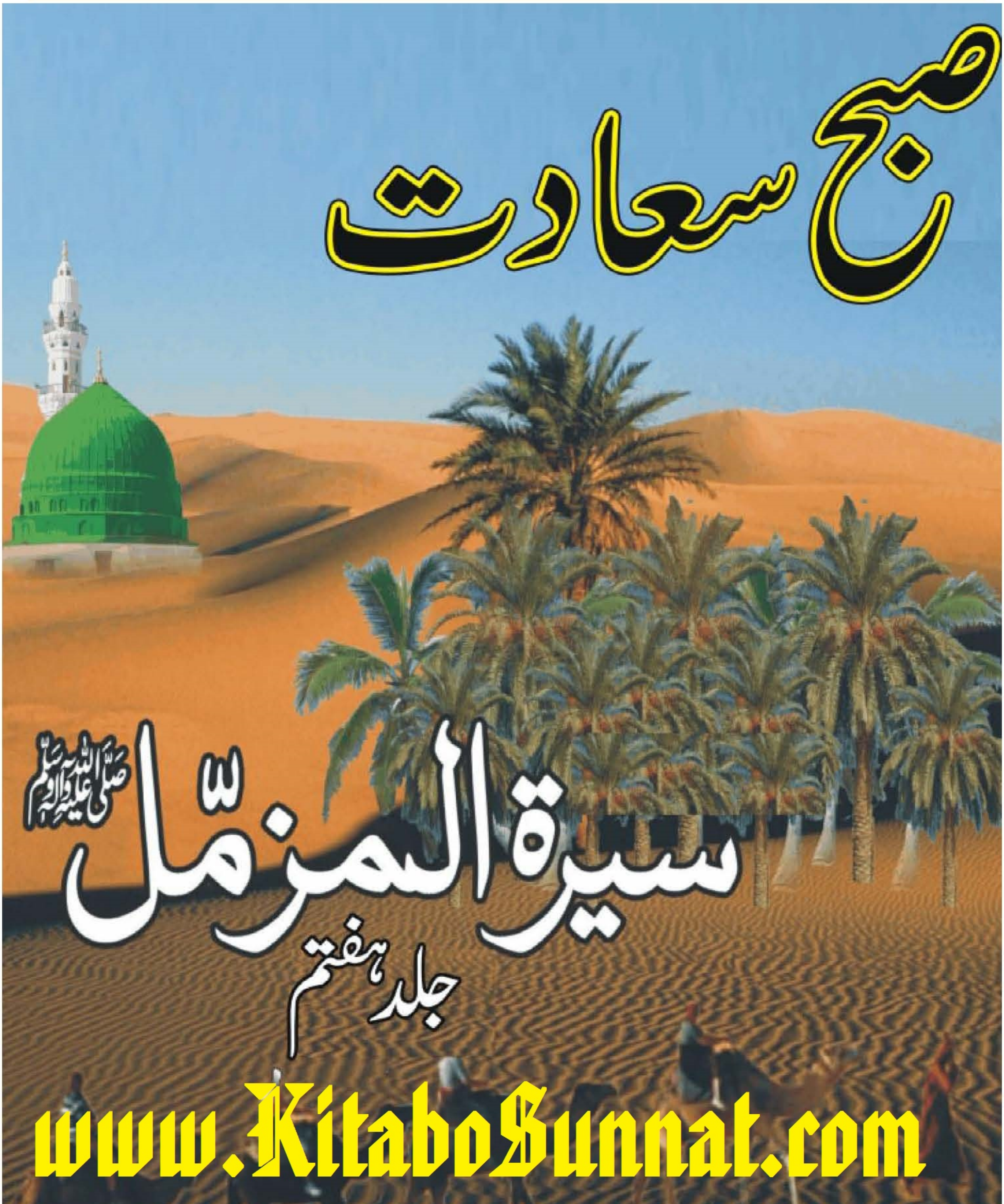
صبح سعادت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سیرۃ المزمل
جلد ہفتم
www.KitaboSunnat.com
افتخار احمد افتخار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

افتخار احمد افتخار

رہائش؛ ڈنگہ ضلع گجرات تحصیل کھاریاں

فون ؛ 03006281898

میل ایڈریس ؛ ift1167@gmail.com

نام کتاب؛ سیرۃ المزمل ﷺ

جلد نمبر؛ جلد ہفتم (صبح سعادت)

سنہ تحریر؛ دسمبر 2009ء

کمپوزر و ڈیزائنر؛ افتخار احمد افتخار

اہتمام؛ کتاب وسنت ڈاٹ کام

مطالعہ کے لیے؛ https://kitabosunnat.com

ڈاؤنلوڈ کے لیے؛ (محدث لائبریری) https://kitabosunnat.com

صحرائے عرب کے سلگتے ریگذاروں سے، قبائل عرب کی باھمی منافرت اور اُن کی تلواروں کے چنگاڑتے سائے سے، راہ سے بھٹکے قافلوں کے ساربانوں کی آھوں سے، عربوں کی باھمی مفاخرت کے نظائر سے، عربوں کی جاھلیت اور وحشت کے مناظر سے، عربوں کی بے مثل سخاوت اور بے پناہ شجاعت کے تذکرے سے، عربوں میں بت پرستی اور بیت اللہ میں سجے بتوں کے مناظر سے، عرب کی لوك داستانوں اور اُن کے شعرا کے تذکرہ بسیط سے، بے گناہ بچیوں کی قبروں سے اٹھتی آھوں سے، تجارتی قافلوں کی صدائے جرس سے، بیت اللہ میں برھنہ طواف کرتے انسانوں کی جاھلیت سے، بتوں کے

آگے قربان ہوتے اونٹوں کی تند آوازوں سے، عربوں کی معاشی بد حالی سے، اور بادشاہوں سے اُن کی بے اعتنائی سے، درصحراراتوں کو قصہ گوئی کی محفلوں سے، شدید قحط سے اجڑے قبائل کے احوال سے، خشک سالی اور بدحالی کی داستانوں سے، عربوں کے قبائلی فخر اور اُن کی لوٹ مار کی مہموں سے، شہر مکہ کی تاریخ اور شہر مدینہ کی آبادانی کے تذکرے سے، عربوں کے متفرق ادیان کے ذکر سے، اور عربوں کی یمن غسان اور حیرہ میں لازوال بادشاہتوں کے تذکرے سے، امراؤ القیس، ظہیر، نابغہ ذبیانی، امیہ بن ابی صلت، مہلہل بن ربیعہ، عنترہ بن شداد، عمرو بن کلثوم، قس بن ساعدہ، عروۃ الورود، عامر بن طفیل، الاعشی اور لبید بن ربیعہ کے شعروں کی غنائیت سے ہوتے ہوئے اللہ کا شکر ہے کہ ہم اس جلد میں نبی اکرم ﷺ کے آباؤ اجداد اور خود نبی اکرم ﷺ کی پیدائش مبارک کے احوال بیان کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ یہ ایک طویل سفر تھا جس میں ہم کو نبی اکرم ﷺ کی قوم اور اس کے اُن حالات کو تفصیلاً سمجھنے کا موقع ملا جس میں نبی اکرم ﷺ پیدا ہوئے اور جس میں انہوں نے اپنی قوم کو نبوت ملنے کے بعد راہ حق کی طرف دعوت دی۔ یاد رہے کہ ہم عجمی مسلمانوں میں عشق رسول کا تو بہت چرچا ہے مگر ہم اپنے محبوب کی اداؤں اور اس کے مطالبات کو چنداں اہمیت نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عشق کوئی رنگ نہیں لاتا کہ اس راہ کے آزار تو اس قدر دشوار ہیں کہ اُن کی تکلیف کو کوئی بلال ؓ سے

پوچھے ، صہیبؓ سے پوچھے ، یاسرؓ سے پوچھے یا پھر اُس ماں سے پوچھے جس کے بیٹے اور اس کا شوھر روز احد شھادت کا جام پیتے ھیں۔ حقیقت یہی ھے کہ ھم صرف اس بات پہ اکتفاء کئے بیٹھے ھیں کہ ھمیں نبی اکرم ﷺ سے محبت ھے مگر یہ محبت کیسی عجیب ھے کہ ھم اسوہ رسول ﷺ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کوئی تگ و دو نہیں کرتے۔ ھم میں سے کتنے ھیں جو نبی اکرم ﷺ کی محبت میں سرشار اٹھتے ھیں اور جاکر سیرت کی کوئی کتاب حاصل کرتے ھیں تاکہ وہ اس شخصیت کے متعلق کچھ جان سکیں جن سے اُن کو محبت کا دعوی ھے ۔حقیقت ھمیشہ کڑوی ھوتی ھے چنانچہ بری لگتی ھے اس لیے میں اس لفظ یعنی عشق رسول کی ماھیت پہ گفتگو کرنا چاھتا ھوں کہ میں اپنے قاری کو بتا سکوں کہ عشق کی بنیاد کیا ھوتی ھے اس کی راہ میں آتش و آھن کے کتنے سمندر ھیں جنھیں عبور کرنے کے بعد انسان اس درجے پہ پہنچتا ھے کہ وہ عاشق کہلا سکے اگرچہ یہ لفظ نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے مجھے پسند ھی نہیں اس لیے کہ اس کے بنیادی تصور میں ھرس و آزاور خالق سے بے اعتنائی پائی جاتی ھے جب کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے لیے اولین شرط پاکیزگی ھے ۔دوسری شرط علم ھے تیسری شرط عمل ھے۔ چنانچہ اگر ھم اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں تو ھمارے اس عشق کا پول جلد ھی کھل جائے گا کہ صرف نعت پڑھنے سے منزل نہیں ملتی اس کے لیے طائف کے بازاروں میں پتھر کھانے پڑتے ھیں صرف سجدہ کر لینے سے

خدا نہیں ملتا کہ خدا سے ملنے کے لیے پہلے اُس کے نبی سے دوستی کرنا پڑتی ہے اس سے وہ کتاب سمجھنا پڑتی ہے جس کے بعد یہ واقفیت کچھ تر و تازہ ہوتی ہے اور ہم علم سے اتنے دور ہیں کہ کتاب کھولے بغیر نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہجرت کی سختیوں میں اترے بغیر سیدھا عشق کا دعوہ کر دیتے ہیں ،،، اللہ پاک سیرۃ المزل کی اس کوشش کو ہمارے لیے نبی اکرم ﷺ سے دوستی اور محبت کی وجہ بنا دے کہ محب کو جانے بغیر محبت اور عشق کا دعوئ سفید جھوٹ ہے جس سے اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔

حقیر

(افتخار احمد افتخار)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسن ترتیب

اشک قلم	4
حسن ترتیب	9
مستشرق کی تعریف	16
قرونِ وسطیٰ میں یہود و نصاریٰ	29
تحریک استشراق ایک مطالعہ	38
دورِ جہالت	46
تحریک استشراق کا وسطی دور	51
تحریک استشراق، لامتناعی تسلسل	57
تحریک استشراق، انیسویں صدی میں	66

تحریک استشراق بیسویں صدی میں	78
تحریک استشراق، پس پردہ عوامل	93
تحریک استشراق، مسلمانوں کی بے اعتنائی	99
تحریک استشراق کل اور آج	106
مستشرق کی اقسام	118
متعصب مستشرقین	120
ملحد مستشرقین	125
علم پیشہ مستشرقین	129
اہل علم مستشرقین	131
معتدل مستشرقین	134
قافلہ نورِ حق	137
علی عمر کریم	138

ابوبکر سراج 140
عبداللہ بن عبداللہ 141
محترمہ مریم جمیل 143
علامہ محمد اسد 145
ڈاکٹر عبداللہ علاؤالدین 147
ڈاکٹر عرینیہ 149
ڈاکٹر خالد شیڈرک 151
پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ 153
لارڈ ہیڈلے فاروق 154
الفانسو اتیبین 156
زہر قلم 158
مبادیات التزام سیرت 180

علم کلام اور فن سیرت	185
محدثین اور اہل سیر میں تقابل	189
فن سیرت کی ابتدا	193
عکس نقش پاء	210
فن تاریخ نویسی اور مسلمان	217
تاریخ نویسی و دیگر علوم میں عروج امت	223
فن روایت کے اصول	232
فن درایت کے اصول	238
نبی اکرم ﷺ کی آمد، بشارتیں، پیش گوئیاں	247
بنی اسرائیل کی روایات	268
عیسائی عالموں کی پیش گوئیاں	310
مسافر عشق	319

حضرت ہاشم	336
حضرت عبدالمطلب	365
زم زم کی کھدائی	373
بنی خزاعہ سے معاہدہ	380
حکومت اور نبوت	383
خضاب کا استعمال	385
مفاخرت	387
قحط سالی میں دُعا	390
ابرہہ سے ملاقات	395
اولاد عبدالمطلب	400
حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب	422
فاطمہ بنت مرکی تمنا	433

حضرت عبداللہ کی وفات 439

سحر انقلاب 444

اشاریہ 457

ماخذ و مصادر و مراجع 467

اختتام 508

مستشرق کی تعریف

جس طرح لفظ سیکولر کی کوئی واضح تعریف آج تک سامنے نہیں آسکی بلکہ مختلف الخیال لوگ اس کو مختلف انداز میں بیان کرتے ہیں۔اسی طرح لفظ مستشرق کی بھی کئی تعریفیں سامنے آچکی ہیں اور مختلف لوگ اس کو مختلف طریق سے ہی بیان کرتے ہیں۔تاہم استشراق کی جو تعریف عام طور پہ بیان کی جاتی ہے وہ ہے ”غیر مشرقی لوگوں کا مشرقی زبانوں ،تہذیب، فلسفے ،ادب اور مذہب کے مطالعے میں مشغول ہونے کا نام استشراق ہے۔یعنی وہ غیر مشرقی عالم جو مشرقی علوم میں بے پناہ دلچسپی رکھتا ہو اور اس سلسلے میں اپنے اوقات اور توانائیاں خرچ کر رہا ہو اس کو مستشرق کہا جاسکتا ہے۔یا پھر اکسفورڈ ڈکشنری کی وہ جدید تعریف ہے جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے اور اس کے مطابق (Orientalis) یعنی استشراق کا اطلاق ہر اس شخص پہ کیا جاسکتا ہے جو مشرقی علوم و آداب میں مہارت حاصل کرے۔مگر حقیقت یہ ہے کہ استشراق کے حوالے سے بیان کی گئیں مندرجہ بالا تمام تعریفیں ایسی نہیں ہیں جو صدیوں سے جاری تحریکِ استشراق کے ہر پہلو پر روشنی ڈال سکیں۔ایک قابل حیرت بات یہ بھی ہے کہ مستشرقین کی صدیوں کی مساعی کے جو

علمی مصادر دستیاب ہیں ان میں بھی کہیں Orientalist یا Orientalism کی کوئی ایسی واضح تعریف موجود نہیں ہے جو تحریکِ استشراق یا مستشرق کی جامع تعریف کہلائے جانے کے قابل ہو۔ ان کے ہاں اگر اس کا کوئی ذکر ملتا بھی ہے تو وہ انتہائی مبہم اور باہم مختلف ہے۔ حتیٰ کہ یوحنا دمشقی (749ء) کو جس نے اسلام کے خلاف تحریر کے ابتدائی اسلوب وضع کیے اس کو محض اس لیے مستشرق ماننے سے انکار کیا جاتا ہے کہ اس کا تعلق دمشق سے تھا اور اس نے اپنے علمی مصادر فلسطین کے ایک گرجے میں بیٹھ کر تحریر کیے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ تحریکِ استشراق صدیوں سے جاری تھی مگر اس کے اغراض و مقاصد کے حقیقی پہلو منفی ہی تھے اس لیے مستشرقین اپنی اس تحریک کو زیرِ زمین ہی چلاتے رہے۔ وہ اپنے مقاصد کو پوشیدہ رکھنے کی پالیسی پر کاربند تھے۔ اس لیے کئی صدیوں تک یہ تحریک کسی باضابطہ نام کے بغیر جاری رہی۔ تاہم بہت سے مشاہیر اسلام نے تحریک استشراق کا تفصیلی جائزہ لیا اور اس تحریک کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اس تحریک کے مختلف نظریات اور مساعی کو پیش نظر رکھتے ہوئے مستشرق اور استشراق کی کئی جامع تعریفیں بھی کی ہیں جن کا مختصر جائزہ ہمارے پیش نظر ہے۔ ایک مغربی مورخ جس کا تعلق فرانس سے ہے کے مطابق استشراق یعنی (Orientalist) کا لفظ اول اول 1630ء میں ایک یونانی پادری کے لیے استعمال ہوا جو اسلام کے خلاف پر جوش خطابت کی وجہ سے مشہور تھا۔ پھر برطانیہ میں 1779ء اور فرانس میں 1838ء میں سنا گیا، مگر مشہور فرانسیسی مورخ (Rodenson) کے مطابق عملی طور پہ تحریکِ استشراق اس سے کئی صدیاں قبل ہی وجود میں آ چکی تھی اگرچہ اس کے اجزا منتشر اور مساعی انفرادی حد تک محدود تھی اس لیے اس کے اثرات کو بھی فوری طور پہ محسوس نہ کیا جا سکا۔ محقق اور تاریخ دان ڈاکٹر احمد غراب جن کا تعلق سعودی عرب سے ہے انھوں نے مستشرقین کا تفصیلی مطالعہ بیان کیا ہے اور لفظ مستشرق پہ بھی اپنی تحقیق پیش کی ہے۔ ان کے مطابق تحریک ِاستشراق کی بنیاد اہل مغرب کی نسلی برتری کے اس دعویٰ پر رکھی گئی ہے کہ اہل مغرب نسلی اور تہذیبی طور پر اہل مشرق سے ممتاز و برتر ہیں۔ نسلی تقسیم کے اس فارمولے کو مغربی اسلوبِ فکر کی نفسیاتی پیچیدگی قرار دیا جائے یا اسے ان بیمار ذہنوں کا شاخسانہ کہا جائے جنھوں نے اپنی اقوام میں اس احساسِ برتری کو جنم دے کر دنیا کی ہولناک جنگوں کو جنم دیا۔ یاد رہے کہ دوسری جنگ عظیم میں جرمن قوم کا ایک ہی نعرہ تھا کہ وہ دنیا

کی سب سے برتر قوم ہے اس لیے اسے دوسری تمام اقوام پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ آج اگرچہ مغرب کئی حوالوں سے واقعتاً دوسری دنیا سے ممتاز مقام حاصل کر چکا ہے مگر متشرقین نے نسلی تقسیم کا یہ دعویٰ اس وقت کیا تھا جب دنیا کی تعمیر و ترقی میں اہل مغرب کا کوئی حصہ نہ تھا۔ اس لیے جب یورپ اور امریکہ نے صنعتی، معاشی اور عسکری ترقی حاصل کر لی تو مستشرقین کا خواب حقیقت کا روپ دھار کے سامنے آ گیا۔

چنانچہ آج تقریباً ہر مغربی شہری اسی انداز میں سوچنے لگا ہے کہ وہ تہذیبی، لسانی، عسکری معاشی، سماجی اور اخلاقی طور پہ باقی ساری دنیا سے ممتاز و منفرد حیثیت کا حامل ہے اس لیے اسے دوسری تمام اقوام پہ حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔ مگر ان کی راہ میں اگر کوئی حقیقی رکاوٹ کسی پہاڑ کی طرح کھڑی نظر آتی ہے تو وہ اسلام کا لازوال اور آفاقی نظام ہے جس کا توڑ کرنے کے لیے ہی تحریکِ استشراق کا آغاز ہوا اور آج تک یہ تحریک پورے جوش عزم اور بھرپور وسائل کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ چنانچہ ان استعماری ممالک کے علماء اپنی نسلی برتری کو ذہن میں رکھتے ہوئے مشرقی اقوام پہ غلبے کی پوشیدہ خواہش کے عملی اظہار کے طور پر اہل مشرق کی تاریخ، تہذیب، ادیان اور زبانوں کے علاوہ ان کے سیاسی اور اجتماعی نظامات پہ بھی بھرپور نظر رکھتے ہیں۔

وہ ان کے وسائل اور قوت مزاحمت کو مدنظر رکھتے ہوئے حالات کا تحقیقی مطالعہ پیش کرتے ہیں جو ان قوتوں کا پشت پناہ ثابت ہوتا ہے جو عملی طور پہ مشرق کی تہذیبوں کی فکری اور سیاسی اساس کو بدلنے کی سعی میں مصروف عمل ہوں۔ چنانچہ استشراق دراصل اس اسلوبِ فکر کو کہا جائے گا جس کے تحت اہل مغرب اپنی تہذیبی اور اخلاقی روایات کو اہل مشرق پر منضبط کر سکیں اور اس کے لیے ضروری قرار پائے گا کہ وہ مشرق میں پہلے سے قائم تہذیبی، اخلاقی اور سیاسی اقدار کو پست ثابت کرتے ہوئے اس کی تشکیل نو کا طویل سفر جاری رکھ سکیں۔ چنانچہ اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے اہل مغرب میں ہمیشہ سے ایک گروہ موجود رہا ہے جس نے اپنی تہذیبی برتری کا واویلہ جاری رکھا۔ انھوں نے ہمیشہ اس بات کا اہتمام کیا کہ اُن کے سینے میں چھپے ہوئے بغض کو محسوس نہ کیا جا سکے مگر خالق کی نگاہ سے مخلوق کی کوئی حرکت کبھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ ہمارے ربِ قدیر نے ان کی اس ذہنیت کا پردہ پندرہ سو سال قبل ہی چاک کر دیا تھا۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَدَّت طَّآئِفَتہ مِّن اَھلِ الکِتَابِ لَو یُضِلُّونَکُم وَمَا یُضِلُّونَ اِلَّآ اَنفُسِھُم

وَمَایَشعُرُونَ O

(القرآن الحکیم)

ترجمہ:

''دل سے چاہتا ہے ایک گروہ اہل کتاب سے کہ وہ کسی طرح تمھیں گمراہ کردیں مگر اپنے آپ کو اور وہ (اس حقیقت) کو نہیں سمجھتے''۔

****

مسلمانوں پر اہل مغرب کا دکھ قدیمی ہے کہ جب بنی اسماعیل کو ایک مدت کے بعد نبوت کے اعلیٰ منصب سے سرفراز کیا گیا تو دنیا بھر کے یہود و نصاریٰ ششدر رہ گئے کہ یہ کیا ہو گیا۔ کتنی ہی صدیاں بیت گئیں نبوت بنی اسحاق کے خاندان میں ہی چلی آ رہی تھی مگر اب کے نبیوں کے سردار ﷺ کا چناؤ بنی اسماعیل سے کر لیا گیا۔ جذبہ حسد سوچ کو مفلوج کر دیتا ہے مگر یہ بات تو بالکل سادہ تھی کہ معاملہ خالق اور اس کی مخلوق کے درمیان تھا اور اختیار تو سارے کا سارا خالق ہی کے پاس ہوتا ہے وہ جس کو چاہے منصبِ نبوت سے سرفراز کر دے کہ وہی بہتر جاننے والا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بتایا کرتے کہ مدینہ کے یہودی انھیں ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں مگر ان کے اندر کا بغض انھیں مجھ پہ ایمان لانے سے روکتا ہے۔ روایات میں آتا ہے جب نبی کریم ﷺ کی ولادت کا وقت قریب تھا تو مدینہ کے یہودی کفار کو یہ کہہ کر ڈرایا کرتے ایک نبی عنقریب ہی آیا چاہتا ہے اور وہ اس پہ ایمان لا کر کفار یعنی عربوں پر غالب آ جائیں گے۔ علاوہ ازیں ان کی کتابوں میں بھی نبی کریم ﷺ کی آمد کے متعلق پیشین گوئیاں پوری تفصیل سے موجود تھیں اور وہ آپ ﷺ کو بہت سی نشانیوں کے ذریعے بھی پہچانتے تھے۔ درا صل تو تحریکِ استشراق کا آغاز یہودی قبائل کو مدینہ سے بے دخلی کا پروانہ ملنے کے ساتھ ہی ہو گیا تھا مگر اسلام نے اتنی تیزی سے قوت حاصل کی کہ دوسری اقوام کو اپنے منتشر اجزاء اکٹھے کرتے کرتے چھ سات صدیاں بیت گئیں۔ صلیبی جنگوں کی تفصیلات میں اس بات کا مشاہدہ بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ ان کے پیچھے

مذہبی جنوں کو اجاگر کرنے کے لیے پادریوں اور یہودی ربیوں نے کس قدر محنت کی اور جنگوں کے اس طویل سلسلے کو جنم دیا جس کا نتیجہ ان کی شکست کی صورت میں نکلا اور مسلمان قبلہ اول پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی تاریخ بہت خون آشام ہے یہ ایک دوسرے کے بدترین دشمن تھے۔ عیسائیوں اور یہودیوں نے ایک دوسرے کا بے دریغ خون بہایا تھا۔ مگر قبلہ اول پہ مسلمانوں کے قبضے کے بعد وہ کیا وجہ تھی کہ یہ دونوں اقوام ایک ہی صف میں کھڑی ہو گئیں اور مسلمانوں کے خلاف محاذ بنا لیا دراصل اس کے پیچھے بھی تحریک استشراق ہی کی انتھک کوشش تھی۔ پیر محمد کرم شاہ صاحبؒ اپنی شاندار سیرت "**ضیاالنبی**" میں مستشرقین کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

> "اہل مغرب بالعموم اور یہود و نصاریٰ بالخصوص جو مشرقی اقوام خصوصاً ملت اسلامیہ کے مذاہب، زبانوں تہذیب وتمدن، تاریخ، ادب، انسانی قدروں، ملی وسائل، حیات اور امکانات کا مطالعہ معروضی تحقیق کے لبادے میں اس غرض سے کرتے ہیں کہ ان اقوام کو اپنا ذہنی غلام بنا کر ان پر اپنا مذہب اور اپنی تہذیب مسلط کر سکیں اور ان پر سیاسی غلبہ حاصل کر کے ان کے وسائل حیات کا استحصال کر سکیں ان کو مستشرقین کہتے ہیں اور جس تحریک سے یہ لوگ وابستہ ہیں وہ تحریک استشراق کہلائے گی"۔ [*1]

****

اگرچہ مستشرق کی یہ ایک جامع تعریف ہے مگر دنیا کی تیزی سے بدلتی ہوئی صورت حال اس بات کی متقاضی ہے کہ عصری تقاضوں کے مطابق تحریکِ استشراق کا جائزہ لیا جائے۔ تحریک استشراق مدت ہوئی اب ان علماء کے ہاتھ سے نکل چکی ہے جن کا مقصد صرف تحریری اور فکری انتشار پھیلانا تھا جس کی وجہ سے یورپ میں اسلام کا عمومی تصور کچھ اس طرح کا تھا جس کا اسلام سے دور دور تک کوئی تعلق نہ تھا۔ دراصل اس دور کا مستشرق اسلام کی تیزی سے بڑھتی ہوئی قوت سے خائف تھا اور اپنی قوم کو اس سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا اور اپنے اس گھناؤنے فعل میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہا جس کا ثبوت یہ ہے کہ آٹھویں

صدی عیسوی کا ایک فرانسیسی مورخ 'ہنری دی کاستروؔ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ مستشرقین نے اسلام کے حقیقی تصور کو جس مسخ شدہ حالت میں اہل یورپ کے سامنے پیش کیا اسے دیکھ کے حیرت ہوتی ہے۔اول تو وہ اسلام کو کوئی علیحدہ دین ماننے کے لیے تیار ہی نہ تھے اور اسے بھی عیسائیت ہی کی ایک منحرف شدہ شاخ قرار دیتے تھے۔بعد کے مستشرقین نے اگر چہ اپنے دامن پہ لگے ان داغوں کو دھونے کی بے پناہ کوشش کی ہے مگر وہ اس میں جزوی کامیابی ہی حاصل کر سکے ہیں اسی کوشش کا ایک عکس ذیل میں دی گئی سطروں میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔

''وہ تمام قصص اور گیت جو اسلام کے متعلق یورپ میں قرونِ وسطیٰ میں رائج تھے ہم نہیں سمجھتے کہ مسلمان ان کو سن کر کیا کہیں گے۔ یہ تمام داستانیں اور نظمیں مسلمانوں کے مذہب سے ناواقفیت کی وجہ سے بغض وعداوت سے بھری ہوئی ہیں۔جو غلطیاں اور بدگمانیاں اسلام کے متعلق آج تک قائم ہیں ان کا باعث وہی قدیم روایات ہیں جو ہر مسیحی شاعر کی زبان پہ تھیں ،وہ مسلمانوں کو مشرک اور بت پرست کہتا اور حسبِ ترتیب ان کے تین خدا وضع کرتا ہے جن کو وہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ خود بعد کے مستشرقین کے سر شرم سے جھک گئے ہیں یعنی ماہوم یا ماہون یا مافومیڈ اور اپلس تیسرا اٹرا ما گان، وہ نبی کریم ﷺ کا تصور نہایت بھونڈے انداز سے پیش کرتے۔ انھوں نے کہا کہ محمد ﷺ نے اپنے مذہب کی بنیاد دعوائے الوہیت پہ رکھی ان کے ہاں اسلوب اتنا پست ہے کہ ان کے الفاظ درج کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔انھوں نے بت شکن محمد ﷺ کے اوپر یہ بہتان باندھا کہ آپ ﷺ (معاذ اللہ) لوگوں کو اپنے طلائی بت کی پرستش پر مجبور کیا کرتے تھے۔اسپین میں جب مسلمان عیسائیوں پر غالب آئے اور ان کو سرقوسطہ کی دیواروں تک ہٹا دیا تو مسلمان لوٹ کر آئے اور انھوں نے اپنے بتوں کو توڑ ڈالا ۔اسی عہد کا ایک اور شاعر کہتا ہے کہ مسلمانوں کا دیوتا ایک غار میں تھا اس پر وہ سب پل پڑے اور اس کے دونوں ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے ایک ستون سے لٹکا دیا اس سے قبل کسی دیوتا کی اتنی تحقیر نہیں کی گئی جتنی مسلمانوں کے دیوتا کی کی گئی۔ چنانچہ اس کے بعد مسلمانوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور از سر نو اپنے بتوں کو بنا لیا اسی لیے جب شہنشاہ چارلس سرقوسطہ میں

داخل ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ تمام شہر کا چکر لگائیں چنانچہ لوگ مسلمانوں کی مساجد میں گھس گئے اور لوہے اور ہتھوڑے سے ''ماہومیڈ'' کے تمام بتوں کو توڑ ڈالا''۔

****

ایک دوسرا مسیحی شاعر اپنے خدا سے دعا کرتا ہے کہ اللہ ماہوم کے بت کے پجاریوں کو شکست نصیب کرے، اس کے بعد وہ مسیحی امراء کو صلیبی جنگ کے لیے اس طرح ابھارتا ہے کہ اٹھو اور ماہومیڈ اور ٹراما گان کے بتوں کو اوندھا کر دو اور ان کو آگ میں ڈال دو ان کو اپنے خداوند کی نظر کر دو۔ ایک مدت تک اہل یورپ کے ہاں اسلام کا تصور کچھ اسی قسم کا تھا۔ دراصل اس دور کا مستشرق اس بات کا خواہش مند تھا کہ کسی طرح اسلام اور مسیحیت کا ادغام ہو جائے مگر کہاں اسلام کا وہ زندہ تصور جو قرآن وسنت کی روشنی سے مزین ہے اور کہاں عیسایت (پال) کا وہ تصورِ تثلیث جو پہلے قدم پہ ہی شرک کا ارتکاب کرتا ہے اور خالق کے مقابل اپنے نبی کو لا کھڑا کرتا ہے۔ اسلام تو مسیحیت کی ضد ہے وہ اپنی مضبوط تہذیبی بنیادوں اور اعلیٰ تاریخی روایات کی وجہ سے ہمیشہ ہی مذاہب کی صف اول میں کھڑا رہا ہے۔ تاریخ عالم میں مسلمان اگرچہ بہت دفعہ مغلوب ہوئے ہونگے مگر اسلام ہمیشہ سر بلند ہی رہا ہے۔

چنانچہ وقت کے بدلتے دھاروں میں تاریخ استشراق کے بھی بہت سے پہلوؤں نے جنم لیا ہے کہ کل کا مستشرق کسی گرجے میں بیٹھ کر تصورِ اسلام کے چمکتے وجود پہ راکھ کی پرتیں چڑھانے میں مصروف رہتا تھا مگر آج جب مغرب معاشی صنعتی اور عسکری رفعتوں پہ فائز ہے تو اس کا اندازِ استشراق بھی بدل چکا ہے۔

آج ناروے، سویڈن، فرانس، جرمنی، امریکہ اور ہالینڈ سے آنحضرت محمد ﷺ کے بیہودہ کارٹون شائع کیے جاتے ہیں فلمیں بنائی جاتی ہیں تو اس کے پیچھے بھی اسی مستشرق ذہن کام کر رہا ہے جو اسلام کی روشنی کو بجھانے میں ناکامی پر جھنجلاہٹ کا شکار ہے اور اوچھی حرکتوں پر اتر آیا ہے۔ آج وہ اسلام کی کوئی بھونڈی شکل پیش کرنے سے قاصر ہے اس لیے براہ راست عملی اقدام پر اتر آیا ہے۔ آج کا مستشرق وہ امریکی تھنک ٹینک ہے جو دنیا پہ اہل مغرب کی تہذیبی بالادستی کا خواب اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح کئی صدیاں قبل کا گرجے والا مستشرق دیکھا کرتا تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ کل کا مستشرق بے بس تھا مگر آج کا مستشرق

بے پناہ مادی وسائل سے لیس ہے اس لیے وہ اپنی اندر کی چبھن کو دور کرنے کے لیے دنیا کے چہرے کو لہو سے رنگ رہا ہے۔انھوں نے (Nato) کے نام سے ایک امت کو ترتیب دیا ہے جس کا واحد مقصد دنیا سے اسلام کے خطرے کو دور کرنا ہے۔ چنانچہ وہ عراق میں ایک ملین سے زیادہ لوگوں کو شہید کر دیتا ہے اور افغانستان میں تین لاکھ سے زیادہ لوگوں کا لہو زمین پہ گرا دیتا ہے مگر ساتھ ہی اس بات پہ ششدر بھی ہے کہ نہ اسلام کی سر بلندی میں کوئی فرق آتا ہے نہ مسلمان کے جذبہ ایمانی کا درجہ حرارت کم ہوتا ہے اور وہ ہر جگہ بے سروسامانی کے عالم میں اپنی اور اپنے نظریے کی بقاء کی جنگ میں مصروف ہے۔ مستشرقین کے طریق کار اور مقاصد پر تفصیلی بحث تو اپنے مقام پر آئے مگر حقیقت یہ ہے روز اول کے مستشرق اور آج کے جدید مغربی دانشور کی سوچ میں ایک ذرا سا فرق بھی محسوس نہیں کیا جا سکتا۔اہل مغرب نے اپنی ہزار سالہ غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے باوجود ایک متمدن تہذیب ہونے کا دعویٰ کرنے میں جلدی سے کام لیا ہے۔

عملاً وہ خود کو اخلاقی طور پر برتر ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں۔اہل مغرب نے جب کلیسا کے بے پناہ جبر کے رد عمل کے طور پہ اپنی زندگیوں کو الہامی تعلیمات اور مذہب سے الگ کیا تو چند جزوی اور پست فوائد کے علاوہ ان کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آیا۔آج ان کا معاشرہ جن کھوکھلی بنیادوں پر استوار ہے اور جس طرح وہ اپنی اگلی نسل کو خاندان کی عدم موجودگی کی وجہ سے کنڈوم میں لپیٹ کر کوڑے دان میں پھینک رہا ہے اس کے نتائج کا بھیانک اندازہ مغربی دانشور کی نظر میں بھی ہے اور وہ پکار پکار کر لوگوں کو واپسی کی دعوت بھی دے رہا ہے مگر اب وقت اس کے موافق نہیں رہا کہ انھوں اپنی زندگی کی رفتار کو جو بے پناہ تیزی فراہم کی تھی آج اسی تیزی میں ساری قوم ہانپ رہی ہے وہ مذہب کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں کہ انھوں نے مادیات کی آخری حدوں پہ جا کے دیکھ لیا ہے کہ وہاں سکون اطمینان اور روح کی شگفتگی جیسی کوئی نعمت نہیں ہے۔

چنانچہ آج کا مستشرق سفید قباؤں میں ملبوس مسیحائی کرنے کی بجائے ملٹی نیشنل کمپنیوں میں بیٹھ کر لوگوں کی رگوں سے لہو نچوڑ رہا ہے مگر زبان پہ دعویٰ وہی صدیوں پرانا ہے کہ وہ انسانیت کی بھلائی چاہتے ہیں۔اسی بھلائی کے عملاً نفاذ کے لیے امریکہ اور اس کے حواریوں کی فوجیں دنیا کے اسی سے زائد ممالک میں موجود ہیں جن میں سے بیشتر مسلمان ہیں کہ اہل مغرب کا دانشور جانتا ہے کہ کیمونزم کے خلاف سرد جنگ جیتنے کے بعد اب ان کی تہذیبی برتری کی راہ میں ایک ہی رکاوٹ ہے اور وہ ہے اسلام کی زندہ تہذیب، اس

لیے کہ انھوں نے اپنی کتاب اور اپنے پیغمبر ﷺ کی سنت کو اپنے سینے سے لگا رکھا ہے اور وہ کسی طور بھی اپنی اقدار سے انحراف کی راہ پر چلنے کو تیار نہیں۔ دوسرا بڑا خطرہ آج کے مستشرق کو خود اپنی داخلی صورت حال سے ہے کہ آج جب ترقی یافتہ دنیا کا ہر شہری اس قابل ہے کہ ادیانِ عالم کا تقابلی مطالعہ کر سکے تو وہ بہت جلد اس مشق کے منطقی نتیجے تک جا پہنچتا ہے اور اسلام قبول کر لیتا ہے۔ چنانچہ سارے مغرب میں ہی اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور آج کے مستشرق کی روح کا وبال بنتا جا رہا ہے۔ ایک عام مغربی آدمی اپنی پیاسی روح کی کسک سے مجبور ہو کر جب الہامیات کی طرف راغب ہوتا ہے تو اس کو اپنے تمام مسائل کا حل صرف اسلام میں نظر آتا ہے اس لیے وہ بغیر کسی جبر و اکراہ کے اسلام کے اس لازوال تصورِ زندگی کے آگے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔

اسی تیزی سے پھیلتی ہوئی لہر کا مقابلہ کرنے کے لیے 9/11 کا ڈرامہ اسٹیج کیا گیا کہ یہ نہ تو کوئی اتفاقی واقعہ تھا اور نہ ہی اس میں مسلمانوں کا کوئی عمل دخل تھا یہ تو آج کے مستشرق کی وہ چال تھی جو اس نے اپنے وسائل کی بنا پہ کھیلی۔ انھوں نے آئندہ کی دنیا کا جو تصوراتی نقشہ تیار کیا ہے اس میں ایک طرف تو مسلم دنیا ہے جو ذہنی طور پہ منتشر اور سیاسی طور پہ منقسم ہے جو سیاسی معاشی اور عسکری حوالوں سے اہلِ مغرب سے کوسوں پیچھے ہے مگر دوسری طرف اہلِ مغرب کا وہ مستشرق ہے جو آج گرجے کی بجائے پینٹاگون میں بیٹھتا ہے، سلامتی کونسل کے دفاتر کی رونق ہے اور نیٹو اقوام کی برتری کے لیے سیمناروں کو خطاب کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس گئی گزری حالت میں بھی اگر اسے آنے والے پچاس یا سو سالوں میں کسی تہذیبی جنگ کا سامنا ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ وہ جانتا ہے اسلام ایک تہذیبی اصول ایک توانا تحریک ایک متبادل قوت کی حیثیت سے اپنے اندر یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ کسی بھی وقت مغرب کی تہذیبی اساس کو چیلنج کر سکے۔ پھر وہ یہ بات بھی جانتا ہے کہ دنیا کی توانائی کے پیسنٹھ فیصد ذخائر انھیں ممالک میں پائے جاتے ہیں جہاں مسلمان بستے ہیں اور ان کا اندازہ اور سوچ کے زاویے تقریباً درست ہیں اس لیے کہ اسلامی ممالک میں بھی بیداری کی ایک لہر موجود ہے۔ جو اہلِ مغرب کے عزائم سے نہ صرف بخوبی واقف ہے بلکہ اس کے اظہار کی بہت سی عملی صورتیں بھی ان کے پیشِ نظر ہیں۔ چنانچہ 9/11 کے بعد اہلِ مغرب نے ایک نیا ہوّا دنیا کے سامنے لا کھڑا کیا اور ایک باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت ''دہشت گردی'' کی اصطلاح کو لانچ کیا گیا اور اس کا بنیادی ہدف اسلامی دنیا کو قرار دیا گیا۔ چنانچہ دہشت گردی کے خلاف اس نام نہاد جنگ

کی لپیٹ میں افغانستان ، پاکستان اور عراق آئے جہاں دہشت گردی کے خلاف اس جنگ نے ان ممالک کو داخلی اور معاشی حوالے سے تباہ کر کے رکھ دیا اور اصل میں یہی وہ حقیقی اہداف ہیں جو آج کے مستشرق کے پیش نظر ہیں۔اہل مغرب جہاں اپنا مفاد جمہوریت میں دیکھتے ہیں وہاں وہ جمہوریت کا راگ الاپنا شروع کر دیتے ہیں جب کسی اسلامی ملک میں جمہوریت اپنے قدم جمانے لگتی ہے اور مغرب کے مفادات سے ٹکرانا شروع کرتی ہے تو وہاں مغرب آمریت کی پشت پہ آ کھڑا ہوتا ہے۔ جہاں مذاکرات سے مخالف سرنگوں نہ ہو وہاں وہ طاقت کی زباں استعمال کر لیتا ہے کہ اسلامی دنیا میں موجود خلا اسے اس بات کی اجازت دیتا ہے۔

آج کا مستشرق بھی مسلمان کی تہذیب، عقیدہ، ثقافت، شریعت تاریخ اور نظام و وسائل میں اس خلا کی تلاش میں رہتا ہے کہ اسے جب بھی موقع ملے امت مسلمہ میں افتراق کو فروغ دے جو پہلے ہی عروج کی کافی منزلیں طے کر چکا ہے۔آج کا مسلمان کمزور نہیں بلکہ پنجہ استشر اق میں جکڑا ہوا ہے وہ اپنے عقائد اور تہذیب کے معاملے میں سمجھوتا کرنے پر تیار نہیں مگر اسے جبر کے اس نظام حکومت کے حوالے کر دیا گیا ہے جہاں وہ اپنی آرزوؤں کی قیمت ادا کرنے پر مجبور ہے۔اسلامی دنیا کے بیشتر ممالک آج اندرونی انتشار اور انارکی کا شکار ہیں جس کی وجہ محض یہ ہے کہ ان پہ وہ حکمران مسلط ہیں جن کا نام مسلمانوں سا اور عمل غیر مسلموں سے مماثل ہے۔تحریکِ استشر اق آج اس حوالے سے کامیاب نظر آتی ہے کہ بظاہر وہ بڑی خوبی سے اپنے اہداف کی طرف بڑھ رہی ہے اور دنیا کی زمام اقتدار بظاہر اہل مغرب کے ہاتھ ہے اور پوری دنیا میں نظامات عالم، نظریات عالم، معاشیاتِ عالم، سیاسیاتِ عالم، عسکریاتِ عالم، ترسیلاتِ عالم، ترجیحات عالم الغرض فکرو نظر کے ہر شعبہ میں اہل مغرب ہی کی اجارہ داری نظر آتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ آخری پردہ اُٹھنے پر ان کے ہاتھ سوائے ناکامی اور نامرادی کے کچھ بھی نہیں آئے گا۔یہ ہمارا ایمان ہے یہی ہمارا عقیدہ ہے اور یہی ہمارے نبی مکرم ﷺ کی تعلیمات ہیں کہ برائی کے مقابلے میں فتح ہمیشہ اچھائی ہی کی ہوتی ہے۔آج کے مستشرق کے سامنے کرنے کے لیے بہت کام ہے وہ اسلامی ممالک میں سیاسی عدم استحکام پھیلاتا ہے ان میں انارکی پیدا کرتا ہے، ان کو ملٹی نیشنل کمپنیوں کے اس نادیدہ جال میں الجھاتا ہے جو اُن کی معاشیات کو لے ڈوبتی ہیں اور وہ عالمی مالیاتی اداروں کے مقروض ہوجاتے ہیں اور پھر یہ لوگ مقروض ممالک کی داخلہ اور خارجہ پالیسیوں پہ اثر انداز ہوتے ہیں، اسلام پسند تحریکوں کو دبانا خواندگی کی شرح کو

ارادتاً پست رکھنا، آمریت کی پشت پناہی کرنا، بنیادی سہولتوں کی عدم فراہمی اوران ممالک کے اداروں کو کمزور کرنا، مذہبی تفرقے کو ہوا دینا بھی شامل ہیں۔ مسلم ممالک کو اس خوف میں مبتلا کرنا کہ ان کی بڑھتی ہوئی آبادی ان کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے دراصل کسی مسلمان کے ہاں پیدا ہونے والا ہر بچہ ان کے لیے ایک مسلمان کا اضافہ ہے اس لیے مسلمانوں کی آبادی کو کنٹرول کرنے کا بخار اقوام متحدہ کو اکثر چڑھا رہتا ہے اور مغربی ممالک اس کے لیے بے پناہ مادی وسائل پانی کی طرح بہانے پہ بھی آمادہ رہتے ہیں اس طرح کے کتنے ہی مختلف ہتھکنڈے ہیں جو آج کے مستشرق کے پیش نظر ہیں۔

اول اول جب تحریک استشراق مجتمع ہوئی تو اس کے مقاصد ہمہ پہلو تھے اور پردہ خیر میں پوشیدہ تھے۔انھوں نے تجارت، سیاست، ثقافت اور مسیحائی کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا تاہم ان کا ایک عزم روزِ اول سے مستحکم رہا کہ کسی طرح مسلمان کو اس کے آفاقی تصور سے دور کر دیا جائے۔ چنانچہ یہی آواز یہودیوں کے دل کی آواز تھی اس لیے انھوں ہر مرحلہ پر اس تحریک کی تقویت کے سامان کیے۔اُن کی اسلام دشمنی کو خود ربِ قدوس نے اپنے پاک کلام میں بیان کیا ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا O

(القرآن الحکیم)

ترجمہ:

"ضرور پائیں گے آپ سب لوگوں سے زیادہ مومنوں سے دشمنی رکھنے والے یہودیوں کو اور مشرکوں کو"۔

****

چنانچہ تاریخ عالم نے یہودیوں کو مسلمانوں کی مخالفت کے لیے ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کر دیا جو ان کے دشمن عیسائیوں نے وضع کیا تھا تو انھوں نے اسلام کے شجرہ طیبہ کی بیخ کنی کے لیے اپنے دشمنوں سے بھی تعاون میں گریز نہ کیا۔رسول پاک نے اگرچہ اس سے قبل ہی مسلمانوں کو آگاہ کر تھا کہ:

”کہ سارا عالم کفر ایک ہی ملت ہے“۔
(الحدیث)

وہ ایک دوسرے سے چاہے کتنے ہی متنفر ہوں مسلمان کے مقابلے میں ہمیشہ اکھٹے ہی ہوں گے۔اسلام دشمنی کے علاوہ یہودیوں کی تحریکِ استشراق میں شمولیت کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ یہودی خود کو خدا کی سب سے پسندیدہ قوم قرار دیتے ہیں اوران کے مذہب کے مطابق ان کے گناہ معاف ہو چکے ہیں اوراللہ نے تورات میں ان کو فلسطین سے لے کر وادی فرات تک کے سارے علاقے کا حکمران بنایا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ ساری دنیا انھی کے لیے تخلیق کی گئی ہے اوروہ خالق کی سب سے لاڈلی قوم ہیں اس لیے ان کا دعویٰ محض فلسطین تک محدود نہیں بلکہ ان کی نظریں خیبر اور مدینہ منورہ پر بھی ہیں جہاں سے ان کو ذلیل کر کے نکال دیا گیا تھا۔چنانچہ جب 1968ء میں بیت القدس پر اہل یہود قابض ہوئے تو انھوں نے برملا اپنے اس عزم کا اعادہ کیا کہ اب ان کے لیے بابل اور یثرب کی طرف جانے والے راستے کھل گئے ہیں۔ چنانچہ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی ممالک کی قیادت اپنے منصب کے حقیقی تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کو اس دائرے کے اندر رہتے ہوئے پورا کریں جو خالق نے ان کے لیے مقرر کیا ہے۔وہ خود کو حکمران جاننے کی بجائے اگر اقتدار کو خالق کی امانت تصور کریں تو مستشرقین کے عزائم اپنی موت آپ ہی مر جائیں گے۔تصورِ امہ کو زندہ کرنے کی کوشش کی جائے اور اہل مغرب کی طرح اگر مسلمان بھی کسی ایک پلیٹ فارم پہ متحد ہو کر دفاع اور تجارت کی ایسی پالیسی وضع کریں جو اغیار کے تعاون کی محتاج نہ ہو تو امت بہت جلد وہ دن دیکھے گی جس میں اسلامی تہذیب کے اصل خدو خال واضح ہونگے اور جو مستشرقین کے لیے کسی ڈراؤنے خواب سے کم نہ ہوگا۔اگرچہ تیونس،مصر،لیبیا،یمن شام اور ایران میں آنے والے اسلامی انقلاب نے مستشرقین کو مزید ذلیل کیا ہے۔

یہود و نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی تعلیمات کا جس خودسری سے انکار کیا اُس کا مطالعہ بھی اُن کی اخلاقی پستی پہ دلیل ہے۔ وہ اپنے انبیاء کو اذیت دیتے بلکہ بعض اوقات قتل کر دیتے، آئندہ صفحات میں ان کی سیاہ کاریوں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

اس بات سے انکار کرنا کافی دشوار ہے کہ آج تاریخ کا دھارا اہل مغرب کی تمنا کے تابع ہو چکا ہے اور وہاں دنیا جہان کے علوم پنپ رہے ہیں۔ ہزاروں درس گاہیں ہیں جن میں علم کے طالب اپنی پیاس بجھا رہے ہیں۔ رصدگاہوں کا اِک ہجوم ہے جہاں سے چاند کے بعد اب مریخ اور دوسرے سیاروں پر کمندیں ڈالی جا رہی ہیں۔ انسان نے اپنے تمدنی سفر میں جتنے بھی پڑاؤ دیکھے ہیں وہ آج کی جدید ٹیکنالوجی سے کوسوں دور ہیں۔ آج انسان نے علوم سائنس کی افادیت کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ محض ایک صدی قبل بھی جس کا تصور تک کیا جانا ممکن نہ تھا۔ اہل مغرب نے اپنی معاشی اور عسکری قوت کو اتنا فروغ دیا ہے کہ دنیا کی زمام کار حقیقتاً انھیں کے ہاتھ میں ہے اور مسلمان عہد رفتہ کی شان وشوکت اور اپنی عظیم تاریخی روایات سے تہی ایک تحیر سے ان کی طرف دیکھ رہا ہے۔ وہ اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ امت کی اس شکست وریخت کے پیچھے کسی مذہبی تخیل کو دخل ہے اور اہل مغرب نے ترقی کی وہ سب منزلیں اس لیے طے کر لی ہیں کہ انھوں نے اپنے مذہب کو گرجے میں ایک پادری سمیت قید کر رکھا ہے اور اپنی روزمرہ کی زندگی سے اسے

بے دخل کر دیا ہے بلکہ وہ ان معروضی حقائق کی تلاش میں سرگرداں ہے جنھوں نے اسے دوسرے درجے کی قوم بنا کے رکھ دیا ہے۔ اسے اپنی تاریخ کی روشن راہ گزر چین لینے دیتی ہے نہ اہلِ مغرب کی وہ برتری اسے ہضم ہوتی ہے جو نگاہ کو خیرہ کیے دیتی ہے۔ وہ اس دوراہے پہ کھڑا سوچ رہا ہے کہ وہ کتاب تو اس کے پاس ہے جو کامیابی کی کلید ہے، جو سحر کی نوید ہے، جو آزردہ روحوں کا سرور ہے جس پر اس کو کامل اعتماد ہے جو اس کے لیے متاعِ ناز ہے تو پھر اس زبوں حالی اور پستی کا جواز کہاں پنہاں ہے۔ زندگی کے مختلف اور رنگ بدلتے مناظر اسے اہلِ مغرب کی پہلو در پہلو برتری کا احساس تو دلاتے ہیں مگر اس کے من میں مچلتے ان سوالوں کے جواب دینے سے پہلو تہی کا رویہ اختیار کرتے ہیں جو اس کو کسی روگ کی طرح چمٹے جاتے ہیں۔ کبھی وہ اس دستِ نارسا کو دیکھتا ہے جو کل تک دنیا کی زمام کار تھامے ہوئے تھا تو اس کی دوسری نظر اپنے خالی دامن کی طرف اٹھتی ہے جہاں اسے نہ وہ اضطراب اور ندامت ملتی ہے جو اقتدار چھن جانے کا لازمی ردِعمل ہوا کرتی ہے اور نہ ہی دین کی وہ کسک اس کے پیشِ نظر ہے جو اس کی ملی زندگی کا ثبوت مہیا کرے۔

تاریخ کے دروازے اس پہ چوپٹ کھلے ہیں اور ان دریچوں پہ ابھی وقت کی زیادہ راکھ نہیں جمی جن سے گزر کے اہلِ مغرب آج کی متمدن تہذیب میں داخل ہوئے ہیں۔ وہ اندھیرے آج بھی کسی ضرب المثل کی طرح تاریخ کے بوسیدہ صفحات میں ایک گواہ کی طرح کھڑے پکار رہے ہیں کہ میں اس بات کا گواہ ہوں کہ اہلِ یورپ نے جہالت ظلمت اور مذہبی جبر کے وہ مناظر دیکھے اور سہے ہیں کہ تاریخ عالم میں شاید ہی کسی اور قوم اور معاشرے نے ان کا سامنا کیا ہو۔ یورپی مورخین نے اپنی تہذیب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے ان کا سب سے قدیم دور آٹھویں صدی قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے اور پانچویں صدی عیسوی پر ختم ہوتا ہے۔ اسی دور میں روم کی عظیم سلطنت قائم ہوئی تب یونان سے علم وفنون کے دریا بہتے تھے اور بنی اسرائیل کے پیغمبروں کو سلطنت اور فرمانروائی حاصل تھی۔ مگر پھر جب انھوں نے اپنے انبیاء کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا اور ان کو ایذا دینے سے بھی گریز نہ کیا تو عہد رفتہ کی شان وشوکت نے ان سے منہ موڑ لیا ۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ وہ ایک طوائف تک کی خواہش پہ اپنے انبیاء کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ چونکہ انھوں نے پستی کی یہ راہ اپنی مرضی سے اختیار کی تھی اس لیے اُن کو اِن راہوں کے منطقی نتائج کا بھی سامنا کرنا پڑا اور انھوں نے فراعین مصر کی غلامی میں انتہائی عزلت زدہ زندگی گزاری۔ تاہم جب تک ان میں

کسی حد تک خیر کا داعیہ باقی رہا خالق نے ان کو اپنی رحمت سے ڈھانپنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ان کا دوسرا دور 476ء سے شروع ہوکر یورپ کی نشاط ثانیہ پر منتج ہوتا ہے اور سولہویں صدی سے ان کے تیسرے دور کا آغاز ہوتا ہے جو آج بھی جاری ہے اور اہل مغرب کی برتری بہت سے میدانوں میں قائم ہے۔اگرچہ اب ان کے ہاں خاندانی نظام کی عدم موجودگی کی وجہ سے ایک ایسا خلا جنم لے چکا ہے جو ان کو پھر پستی کی طرف لے جا رہا ہے۔بظاہر مضبوط بنیادوں پر استوار مغربی معاشرہ دراصل اندر سے کافی حد تک کھوکھلا ہو چکا ہے اور اس کا نوجوان سماج سے بغاوت کی راہ پہ مائل نظر آتا ہے۔وہ منشیات کے بے تحاشہ استعمال اور سٹریٹ کرائم میں ملوث ہونے کی وجہ سے اپنے سماج کا آزار بنتا جا رہا ہے۔تاہم اہل مغرب کے آج کے سماجی اور اخلاقی مسائل کا ہمارے موضوع سے ذرا کم ہی تعلق ہے اس لیے ہم اپنا رخ اہل یورپ کے اس دور کی طرف موڑتے ہیں جس کو قرون وسطیٰ کہا جاتا ہے۔

اسی دور میں عرب سے اسلام کا پیام کسی آندھی کی طرح اٹھا اور اس نے عیسائیوں سمیت دنیا کی ہر قوم کا نظام تلپٹ کر کے رکھ دیا کہ ہر دور میں یہی روایت رہی ہے کہ نظریات اسی قوم کے تسلیم کیے جاتے ہیں جو غالب اور طاقتور ہو۔چنانچہ اس عہد میں مسلمانوں اور اہل مغرب کا بہت سے محاذوں پہ ٹکراؤ ہوا جو مسلمانوں کی فتح اور عیسائیوں کی شکست پر منتج ہوا۔دراصل اہل رومہ کی متمدن ریاست کے قیام سے پہلے عیسائیوں نے تاریخ کا تاریک ترین دور دیکھا ہے۔ایک برطانوی مورخ (DR Dreaper) اپنی اس کتاب میں لکھتا ہے جو 1882ء کو رائل لندن سے شائع ہوئی کہ قرون وسطیٰ میں یورپ کا بیشتر حصہ لق ودق بیاباں یا پھر بے راہ جنگل تھا۔کہیں کہیں راہبوں کی خانقاہیں تھیں یا ان سے منسلک چھوٹی چھوٹی انسانی آبادیاں تھیں،جا بجا دلدلیں اور غلیظ جوہڑ تھے۔لندن اور پیرس جیسے شہروں میں لکڑی کے ایسے مکانات تھے کہ جن کی چھتیں گھاس کی تھیں چمنیاں روشندان اور کھڑکیوں کا رواج ہی نہ تھا۔آسودہ حال امراء کا یہ حال تھا کہ وہ گھاس کے فرش پر سوتے اور بھینس کے سینگ میں شراب ڈال کر پیتے۔ان کے ہاں صفائی کا کوئی تصور نہ تھا بلکہ وہ اس سے طبعاً نفرت کرتے تھے۔ان کے ہاں گندے پانی کی نکاسی کا کوئی نظام موجود نہ تھا اس لیے ان کے گھروں کے سامنے ہی گندگی کے ڈھیر پڑے رہتے اور ان پر مکھیاں اور مچھر پرورش پاتے رہتے جو ان کے لیے بیماریوں کی سوغات لے کر آتے مگر ان کو اپنے اس آزار کا ادراک ہی نہ تھا۔لندن اور پیرس کی سڑکیں بارہ مہینے کیچڑ سے لت پت رہتیں اور روشنی کا مناسب انتظام نہ ہونے کی

وجہ سے جو شخص بھی کسی ضرورت کے تحت اپنے گھر سے نکلتا وہ کیچڑ سے لت پت ہو جاتا۔معاشی حالات اتنے دِگرگوں تھے کہ پوری قوم پتھر کے دور کے انسانوں پر مشتمل نظر آتی۔تنگی رہائش کا یہ عالم تھا کہ گھر کے تمام افراد اوران کے مویشی ایک ہی چھت کے نیچے زندگی گزارتے تھے۔عام لوگ کئی کئی سال تک لباس تبدیل کرنے کا تکلف نہ کرتے تھے اور نہ ہی اس کو دھوتے تھے جس کے نتیجے میں ان کے جسم کی بو دور دور تک جاتی تھی۔ان کے ہاں نہانا اتنا بڑا گناہ تھا کہ پاپائے روم نے سسلی اور جرمنی کے بادشاہ فریڈرک ثانی پہ کفر کا فتویٰ لگایا تو الزامات کی فہرست میں یہ بھی درج تھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کی طرح روز غسل کرتے ہیں۔

آگے چل کے (DR DReaper) ان کے مزید حالات بیان کرتے ہیں کہ اس دور میں اہل مغرب کے فقروفاقہ کا یہ عالم تھا کہ عام لوگ سبزیاں پتے اور درختوں کی چھال ابال کر کھاتے تھے۔متوسط طبقہ کے ہاں ہفتہ میں ایک مرتبہ گوشت کھانے کو عیاشی سمجھا جاتا تھا۔1030ء کے قحط میں لندن کے بازاروں میں انسانی گوشت بھی بکتا رہا۔امراء کی تعداد بہت ہی کم ہوتی تھی۔عام انسان غربت کی اس غلاظت میں پس رہا تھا جو انسانی تاریخ کا پست ترین معیار تھا۔جو لوگ معاشرے میں کسی قدر آسودہ تھے ان کے شب و روز بدکاری شراب نوشی اور جوئے میں گزرتے تھے۔جاگیرداروں کے قلعے دراصل ڈاکوؤں کے اڈے تھے جو راہگیروں کو لوٹتے اور قتل کرتے تھے وہ قافلوں کے قافلے لوٹ لیتے اور مسافروں کو اغوا کر کے زر فدیہ وصول کرنے کے لیے حبس بے جا میں رکھتے۔حصول زر کے لیے وہ مختلف طریقے استعمال کرتے مثلاً آدمی کے پاؤں کے انگوٹھوں کو رسی سے باندھ کر اسے لٹکا دیتے یا گرم سلاخوں سے اس کے جسم کو داغتے یا گرہ دار رسی کو گردن کے گرد لپیٹ کر پوری طاقت سے مروڑتے۔یورپ میں سڑکیں نہ ہونے کے برابر تھیں اور ذرائع نقل وحمل کے طور پر بیل گاڑیاں خچر اور گدھے تھے۔جنگلوں اور پہاڑوں میں ایسے ڈاکو رہتے تھے جو آدم خوری بھی کرتے تھے۔بیماریاں اور وبائیں عام تھیں۔صرف دسویں صدی میں دس تباہ کن قحط اور تیرہ وبائیں آئیں جن سے لوگ مکھیوں کی طرح ہلاک ہوئے۔ان کی مذہبی حالت انتہائی عجیب تھی وہ کسی خاص سماجی ڈھانچے اور مذہبی عقائد کے تحت زندگی نہیں گزارتے تھے بلکہ ان کے ہاں مذہب کی تمام تر پونجی فریبی پادریوں کے تھیلے میں مقید تھی جو اتنے جعلساز تھے کہ انھوں نے تمام کا تمام دین اپنی مرضی اور مفادات کے حوالے سے وضع کیا ہوا تھا۔پوپ جنت کی راہداریاں اور گناہ کے اجازت

نامے فروخت کرتے تھے۔عوام کے لیے سود لینا حرام تھا مگر پوپ کا بینک لوگوں کو بھاری سود پہ قرضے دیا کرتا۔عوام کا ایک طبقہ مجسمہ ساز تھا تو دوسرا طبقہ قبر پرستی میں ملوث تھا۔ان کے علماء اور عشائے ربانی کراماتِ اولیاء رہبانیت اور تصرفاتِ روح کی بحثوں میں الجھے ہوئے تھے۔یورپ کا مشہور مورخ (Gubben) لکھتا ہے کہ اتنے طویل زمانے تک بدی کی یہ کثرت اور نیکی کی یہ قلت تاریخ عالم میں کہیں نظر نہیں آئی جو عہدِ قرون وسطیٰ کا خاصہ رہی۔اس دور کے لوگ بنیادی انسانی اخلاقیات سے اس حد تک عاری تھے کہ ان کے احوال جان کر روح لرز اٹھتی ہے اور دل میں ان کے خلاف بغض جنم لیتا ہے اور کراہت کی لہر طبع کو مکدر کر کے رکھ دیتی ہے۔یہ لوگ اپنے مخالفین کی آنکھیں نکال دیتے ان کی زبانیں کاٹ دیتے۔ان کی کھال کھینچ دیتے یا پھر ان کو زندہ جلا دیتے۔

کہتے ہیں ایک دفعہ جب اہل رومہ نے روسیوں کو شکست دی تو انھوں نے قیدیوں کے ہاتھ کاٹ کر ان کے ہار بنائے اور ان سے قسطنطنیہ کی فصیل کو سجا دیا۔ایک اور موقع پر جب ان کے ہاتھوں اسلامی فوج کا ایک گروہ مغلوب ہوا تو رومیوں نے مسلم اسیرانِ جنگ کو سمندر کے کنارے لٹا کر ان کے پیٹ میں لوہے کے بڑے بڑے کیل ٹھونک دیئے تا کہ بچے کھچے مسلمان جب جہازوں پر واپس آ ہیں تو اس منظر کو دیکھیں۔روم کے حکمران قیصر باسل دوم نے جب بلغاریہ پر فتح حاصل کی تو پندرہ ہزار اسیرانِ جنگ کی آنکھیں نکال دیں اور ہر سو قیدیوں کے بعد ایک قیدی کی ایک آنکھ رہنے دی تا کہ وہ باقی ننانوے اندھوں کو ان کے گھروں تک پہنچا سکے۔اس دور میں غلاموں کی تجارت اتنے زوروں پر تھی کہ غلاموں سے بھرے جہاز برطانیہ آتے اور وہاں سے یورپ منتقل کر دیئے جاتے اور یہ غلام عموماً پانچ شلنگ فی کس کے حساب سے فروخت ہوا کرتے۔سترھویں صدی کے یورپ کے متعلق معروف برطانوی مورخ (Brefalet) لکھتا ہے کہ لوگ ان دنوں اپنی ہر بدی کو نیکی سے بدل دیتے۔ان کے سفیروں کا کام بس یہی تھا کہ وہ وحشی سرداروں کی نفس پرستی اور برائی کو ایسے مغلوف انداز میں پیش کریں کہ وہ ان کی خوبی نظر آئے۔منافقت ،جھوٹ، دھوکہ اور ریاکاری ایک لطیف فن بن کے رہ گیا تھا جس میں ہر شخص کو کافی مہارت حاصل تھی تاہم ”میکاولی“ کو اس فن کا امام سمجھا جاتا تھا۔اہل یورپ کے عمومی رویے کے بارے میں جاننے کے بعد اس بات کا کوئی امکان نہیں رہتا کہ اس طرح کی کوئی قوم علم دوستی کی طرف بھی راغب ہو سکتی ہے چنانچہ اندازے کے عین مطابق ان کا جہل اور علم دشمنی بھی کسی تاریک رات کی مثل تھی جس کی صبح کو کئی حوالوں

سے آج تک مغربی اقوام کھوج رہی ہیں۔اہل رومہ کی عظیم سلطنت کے زوال 476ء کے بعد ان پر پاپائیت حکمران ہوگئی جو 1546ء تک بلاشرکت غیرے سیاہ وسفید کی مالک رہی۔پوپ کی طاقت جونہی مجتمع ہوئی تو اس نے مذہبی ادب کے علاوہ تمام اصناف ادب پر پابندی عائد کردی۔پوپ اور اس کے حواری پرلے درجے کے متعصب جاہل اور بے راہ رو تھے جس کا منطقی نتیجہ فکری جمود کی شکل میں سامنے آیا اور پورا یورپ اس فکری ظلمت میں گھر گیا جس کی پرچھائیوں نے آج تک اہل مغرب کا پیچھا کیا ہے۔پوپ نے لاکھوں کی تعداد میں کتابیں نظر آتش کرائیں اور علماء کو قتل کیے جانے کی بنا ڈالی۔اس نے طاقت کے زور پہ تمام علمی اداروں کو بند کرا دیا اور ان کی عمارتوں میں گھوڑے اور گدھے باندھے جانے لگے۔پوپ کی عملداری میں جہاں کوئی فلسفی مفکر یا عالم سر اٹھاتا اس کو قتل کر دیا جاتا اور اس گھناؤنے قدم پر عوام قطعاً کوئی اعتراض نہ کرتے بلکہ اس پہ خوشیاں مناتے جو ان کی جہالت اور بے حسی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

پوپ سلویسٹر دوم نے جب یورپ میں چند درسگاہیں کھولنا چاہیں تو عام لوگوں نے اس کی شدید مخالفت کی اور مشہور کر دیا کہ پوپ سلویسٹر پہ شیطان مسلط ہو گیا ہے۔اسی طرح فریڈرک ثانی نے اٹلی کے مختلف شہروں میں مدارس قائم کیے تو پوپ نے اسے دجال قرار دے دیا اور ریاست سے نکل جانے کا حکم جاری کر دیا۔مشہور مورخ (BrafalT) لکھتا ہے کہ اُن دِنوں پوپ کے حواری اور راہب یونانی اور رومی فلاسفہ کی کتابیں جلا کر ان کی جگہ مسیحی اولیاء کی مبالغہ آمیز داستانیں لکھ دیتے۔چونکہ اس زمانے میں کاغذ ناپید تھا اور لکھائی کا کام عام طور پہ چرمی جھلی پہ کیا جاتا تھا جس سے سابقہ نقوش مٹا کر نئی تحریر درج کی جاسکتی تھی۔پاپائے اعظم (Greagoree) کی علم دشمنی تو ضرب المثل کی صورت اختیار کر چکی ہے گریگوری کا عہد (540-604) سائنس، تاریخ، ادب شعر اور دیگر علوم سے بے پناہ دشمنی کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔وہ دینیات یا مذہبی دعاؤں کے علاوہ ہر صنفِ ادب کا سخت دشمن تھا۔اس نے رومی علماء اور علم سیاسیات کے مشہور مورخ (Sosereo) کی سب تصنیفات کو آگ میں ڈلوا دیا اور مورخ (Lavei) کو اس کی تصنیفات سمیت آگ میں زندہ جلا دیا۔انگلستان کا مورخ (Hachson Sterling) بیان کرتا ہے کہ پوپ کے حواری اور راہب گروہ در گروہ جا بجا گھومتے نظر آتے اور ان کو جہاں کہیں کوئی ادب پارہ کتاب یا آرٹ کا نمونہ نظر آتا تو وہ اسے بے دریغ آگ لگا دیتے۔چوتھی صلیبی جنگ میں جب صلیبیوں کا

مقدس لشکر قسطنطنیہ پہنچا تو انھوں نے مقامی عیسائیوں کا تمام علمی اثاثہ آگ کی نظر کر دیا۔طرابلس میں اس دور کی عظیم ترین لائبریری قائم تھی جس میں کتابوں کی تعداد تیس لاکھ سے زیادہ بتائی جاتی ہے جو مسلمانوں کی علم دوستی کا ثبوت پیش کرتی ہے صلیبی لشکر نے جب اس شہر کو فتح کیا تو انھوں نے اس لائبریری کو نہایت بہیمت کے ساتھ نظر آتش کر دیا۔لائبریری کئی دن تک جلتی رہی اور اس کے شعلے دور سے دکھائی دیتے تھے۔انھوں نے اپنی جہالت سے نہ صرف دنیا کا تہذیبی اثاثہ جلا دیا بلکہ مسلمانوں کی کئی صدیوں کی محنت کو بھی تباہ کر دیا۔اسپین کی ایک مذہبی عدالت نے محض ایک حکم کے ذریعے عربی علوم پہ یہودی علماء کی لکھی ہوئی چھ ہزار کتابیں جلادیں۔

ایک برطانوی فلسفی جس نے اول اول مذہب اور فلسفہ کے انضمام کی بنیاد رکھی وہ مشہور مسلمان فلسفی ابن رشد کا شاگرد تھا پادریوں نے اس کی بیشتر تصنیفات کو جلا دیا اور اسے یعنی(Joun erejna) کو بھی سخت اذیت سے دوچار کر دیا۔مسلمانوں نے اسپین میں ہر جگہ عظیم کتب خانے قائم کیے تھے مگر جب عیسائیوں نے سات صدیوں بعد ان علاقوں پہ دوبارہ قبضہ کیا تو اپنی علم دشمنی اور جہالت کی وجہ سے انھوں نے مسلمانوں کے تمام علمی و ادبی اثاثوں کو نظر آتش کر دیا۔صرف طلیطلہ کے بشپ(Xminese) نے اسی ہزار سے زائد کتابیں نظر آتش کیں جو ان کی بہیمت اور جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔اگرچہ آج اہل مغرب نے بہت سے میدانوں میں دوسری دنیا کو پیچھے چھوڑ دیا ہے مگر آج بھی وہ متمدن کہلانے کے قطعی لائق نہیں اس لیے کہ شراب ان کا مشروب عام سود ان کا طرز معیشت ہے اور زنا ان کا طرزِ زیست ہے۔اور اتنے بڑے خبائث کی موجودگی میں کسی معاشرے کو کبھی بھی متمدن قرار نہیں جا سکتا۔ایسے معاشرے کے افراد اپنی بیمار ذہنی سوچ کو جب پوری دنیا پر مسلط کرنے کا اعادہ کرتے ہیں تو پھر زمین کا چہرہ یقیناً لہو رنگ اختیار کرتا ہے۔اپنے اردگرد کی دنیا پہ ایک نظر دوڑاہیں تو اس کے عملی مظاہر تلاش کرنے میں کسی کو ذرا برابر دقت پیش نہ آئے گی۔انھوں نے علم وادب وسائنس کے میدان میں ترقی کی راہوں پہ چلنے والے ہر مسافر کی راہ کو کانٹوں سے بھر دیا۔انھوں نے کولمبس جیسے عالمی سیاح کو فقیروں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور دیا۔انھوں نے دوربین ایجاد کرنے والے گلیلیو کو جیل کی اس تاریک کوٹھری کی نظر کر دیا جہاں تازہ ہوا اور سورج کی روشنی کا گزر نہ تھا۔اس مشہور اطالوی ہیت دان کا قصور محض اتنا تھا کہ اس نے نظام شمسی کے متعلق کوپرنیکس کے نظریات کو تائید کی تھی۔1632ء میں اس کی مشہور زمانی تصنیف ''نظام عالم''

شائع ہوئی مگراس کے بعداس کی ساری عمرکلیسا کے جبر کے سائے میں بسر ہوئی بالآخر وہ ظلم وستم سہنے کے قابل نہ رہااورجیل میں دس سال کی اذیت ناک قید کے شب وروز گزارنے کے بعد 1642ء میں زندگی کی قید سے آزادہوا۔اس کے علاوہ اٹلی کے مشہورفلسفی برونوکوایک مذہبی عدالت کے حکم پرزندہ جلادیا گیا۔ الغرض اہل مغرب کی جہالت اورعلم دشمنی کی داستان اتنی طویل ہے کہ اس پہ بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔اہل مغرب کا حال ان کے ماضی کی ذہنی پستی کاوہ عکس پیش کررہاہے جوکسی سے بھی چھپاہوانہیں[2*]۔

مستشرقین کے ارادے ،مقاصد، تحریک استشراق کے آغاز کا احوال ، تحریک استشراق میں مغربی علماء اور حکمرانوں کی دلچسپی کے احوال، تحریک استشراق کے وسطی دور کا مطالعہ اور بہت سے دیگر پہلوؤں سے اس علمی تحریک کا ایک مطالعہ ذیل میں پیش کیا گیا ہے۔

اس تحریک کے آغاز کے بارے میں کسی متفقہ رائے کی عدم موجودگی میں ٹھوس دلائل کے ساتھ یہ بات کہنا کہ یہ تحریک فلاں سنہ کو فلاں جگہ سے شروع ہوئی مشکل ہے۔ لوگ اس کے بارے میں متضاد اور متفرق رائے رکھتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس تحریک کا آغاز بارہویں صدی عیسوی میں ہوا جب دیر کلونی کے متعصب رئیس پطرس محترم کے ایما پر قرآنِ حکیم کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا۔ پطرس محترم مسلمانوں کا سخت دشمن تھا اور اسلام کے خلاف بغض سے بھرا ہوا تھا۔ وہ عیسائیوں میں اسلام کے خلاف نفرت پھیلانے اور مسلمانوں کے ساتھ معاندانہ سلوک کرنے کی طرف لوگوں کو بلایا کرتا۔ پطرس نے اپنے وقت کے بہت سے اہل علم کو اکھٹا کر کے ایک جماعت تشکیل دی جس کا کام اسلامی علوم میں مہارت حاصل کر کے اس کا توڑ کرنا تھا۔ چنانچہ اس جماعت نے بہت سی عربی تصنیفات کے تراجم کیے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تحریک استشراق کا آغاز 1312ء میں ہوا جب فینا میں کلیسا کی کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں عربی زبان کی تدریس کے لیے خصوصی اہتمام کیا جائے

۔ایک رائے یہ بھی ہے کہ سسلی کے سربراہ فریڈرک ثانی کے حکم پر تیرہویں صدی عیسوی میں مائیکل سکاٹ نامی ایک شخص نے ایک بہت بڑا ادارہ تشکیل دیا جہاں علوم اسلامیہ کو مغربی زبانوں میں منتقل کرنے کا بڑے پیمانے پر اہتمام کیا گیا۔پھر ان تراجم کو یورپ کی مختلف جامعات مدارس اور دیگر علمی اداروں میں تقسیم کر دیا گیا تا کہ اس سے استفادہ کیا جا سکے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ دسویں صدی عیسوی میں جب پاپائے روم سلسفر ثانی کو پاپ کا منصب حاصل ہوا تو اس نے تحریکِ استشراق کی بنا رکھی اس لیے کہ وہ اشبیلیہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں میں علم حاصل کر چکا تھا اور عربی زبان وادب اور ثقافت کے متعلق وسیع علم رکھتا تھا۔

عربی قواعد کی رو سے استشراق ،ثلاثی مزید کا بابِ استفعال ہے جس کا مادہ ش۔ر۔ق شرق ہے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس باب کے جملہ خصائص ولوازم یعنی اتخاذ وطلب وجدان وحسان اور تحول وتکلف وغیرہ کی جلوہ نمائی،صاحبان استشراق کے احوال وشخصیات سے،اور اُن کی تحقیقات وتخلیقات میں بہت نمایاں نظر آتی ہے۔گویا الفاظ کا پیکر بجائے خود اس بات کا مظہر ہے کہ مستشرقین کا علم تمام تر اکتسابی ہے جسے انھوں نے بڑی محنت وریاضت سے اور طلب وجستجو سے حاصل کیا۔اُس کی خاطر سفر وحضر،تمکن وتوطن اختیار کیا پھر اپنی تحقیقات کو دنیا کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ اُن میں تخمین وظن اور تخیل سے زیادہ کام لیا گیا۔زبان وبیان اور اصول لغت کی اس بحث سے قطع نظر یہ حقیقت ظاہر ہے کہ تحریک استشراق السنہ المشرقیہ کی واقفیت اور اسلامی علوم وآداب سے کے مطالعے سے آگے بڑھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام سے بغض وعناد تک جا پہنچی اور یہی اِس تحریک کی حقیقی منزل تھی۔ابتداء میں اس تحریک کے پیروکار نے اِن متعین مقاصد کے حصول کے لیے مختلف چولے اوڑھے،چنانچہ پہلے پہل تو یہ تحریک مشنری جذباتیت کا آئینہ دار رہی ۔مگر دوسرے مرحلے میں تحریک استشراق نے ایک مستقل رویہ اور سلوک (Discipline) کی شکل اختیار کر لی اور اسی رویہ اور سلوک کو دائرہ عمل جان کر تمام ضروری مباحث کو موضوع سخن بنایا گیا۔یعنی اسلام اور اس کی تعلیمات کو مجبوراً یا تکلفاً غلط طور پر پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ زمانے کے عہد بہ عہد ارتقاء کے ساتھ اسلامی تعلیمات ہم آہنگ نہیں ہو سکتیں۔ انھوں نے اپنا دائرہ کار بڑھا لیا تھا اور قدیم تہذیبوں،قدیم زبانوں کو پھر سے زندہ کرنے کے لیے مصر ،عراق،شمالی افریقہ اور دوسرے علاقوں میں استشراقی سرگرمیوں کو منظم کیا گیا تا کہ یہ تہذیبیں اسلامی

تہذیب وتمدن کے مقابل زندہ ہوسکیں۔ یہ عمل ایسے ہی تھا جیسے قبر سے کسی مردے کو نکال کر عمدہ سوٹ پہنایا جائے اور اسے زندوں کی مجلس میں اس طرح پیش کیا جائے گویا وہ بھی ایک حیثیت رکھتا ہے۔ مگر جلد ہی انھیں اپنی اس جہد وسعی کی لغویت کا احساس ہوگیا اور انھوں نے اپنا رخ موڑ لیا اب اُن کا ہدف وہ زبان تھی جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ انھوں نے کہا قرآن کی زبان عہد جدید کی ضروریات وحالات سے مطابقت پیدا نہیں کرسکتی اس لیے مقامی زبانوں اور مردہ لغات کو آگے بڑھانا چاہیے بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ عربی رسم الخط کو رومی رسم الخط میں بدل دینا چاہیے، اُن کا ایک اور دائرہ عمل یہ تھا جس میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت وکردار کے بارے میں اُن نکات کو اچھالا جن سے عام ذہن میں اسوہ رسول کا اچھا تاثر نہ جاسکے اور لوگ اُس مقصد کو سنجیدگی سے نہ لیں جو آنحضرت محمد ﷺ کے پیش نظر تھا۔ اُن کی سرتوڑ کوشش تھی کہ وہ اسلامی تہذیب وثقافت کی تعمیر وترکیب میں بیرونی عناصر کی کارفرمائی کو ثابت کرسکیں تاکہ اسلامی تہذیب وثقافت کو مجموعہ خرافات قرار دیا جاسکے۔

چنانچہ اُن کے تمام تر مطالعہ کا تعلق اپنے اہداف اور عزائم سے تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ حکمت عملی تبدیل ہوتی رہی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مستشرقین جذباتیت کے تنگ دائرہ سے نکل کر عقلیت علمیت اور استدلال کے اسلوب نظر سے آشنا ہوتے رہے۔ جس کی وجہ سے اُن کی گہری بدنیتی اور مخالفت ومخاصمت کا اظہار رفتہ رفتہ سلیقے سے کیا جانے لگا اور اسلام کے مقابل میں اُن کے تعصب وتظلم کا پھیلاؤ بھی نسبتاً کم ہوتا گیا۔ مختصر یہ کہ مستشرقین کا رویہ ہر زمانے میں یکساں نہیں رہا اور اسی لیے اُن کے ہاں علم، تجربہ، اندازِ استدلال، مذہبی حیثیت اور وابستگی کے مختلف نمونے نظر آتے ہیں اسی لحاظ سے اُن کے فکر وفن اور تحقیق وتالیف کا معیار بھی جدا جدا ہے۔ دراصل یہ بحث لایعنی ہے کہ تحریک استشراق کا آغاز کب ہوا اس لیے کہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ کے اسلام سے بغض وعناد کا آغاز ظہورِ اسلام کے ساتھ ہی ہوگیا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تحریک استشراق کے ایک باقاعدہ نظم اختیار کرنے سے قبل بھی اہل مغرب کی طرف سے اسلام کے خلاف بالعموم اور پیغمبر اسلام کے خلاف بالخصوص بغض وعداوات کا اظہار موقعہ بہ موقعہ تاریخ کے مختلف ادوار میں ظاہر ہوتا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ وفور جذبات سے سرشار رومی، بازنطینی، لاطینی، مسیحی اور یہودی روایتیں صدیوں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں، افواؤں کے دوش پہ سفر کرتی رہیں اور کبھی کبھار تحریر وتصنیف اور وقائع واسفار کے قالب میں ڈھلتی رہیں اور اُن کی

آئندہ نسلوں کا سرمایہ افتخار قرار پائیں۔ چنانچہ ظہورِ اسلام کے بعد کوئی چار ساڑھے چار سو سال تک اسلام اور بانی اسلام کے حوالے سے اُن کی مخالفت ومخاصمت کا عام انداز یہی رہا۔ اوراس تمام عرصہ میں بلکہ اس کے بعد بھی مغربی دنیا اس قابل نہ ہوسکی کہ وہ حقائق وواقعات کا صحیح ادراک حاصل کر سکے اور مسلمانوں کی تاریخ وثقافت کو علم کی روشنی میں جان سکے۔

اس کا بظاہر ایک ہی سبب نظر آتا ہے کہ اُن کے دلوں میں بھرا بغض اُن کو صحیح اسلامی معلومات اور پیغمبر اسلام کی حقیقی سیرت تک جانے ہی نہ دیتا تھا اور نہ ہی تاریخ کے اُس دور میں اصل اسلامی ماخذ تک رسائی اتنی آسان تھی۔ چنانچہ اُن کے دلی تعصب، سنی سنائی باتوں، غلط فہمیوں اور خود ساختہ مفروضات نے انھیں اس قابل ہی نہ رکھا تھا کہ وہ اسلام کی حقیقی اور اجلی تصویر کا سامنا کر سکتے۔ اُس پہ مستزاد وہ کشمکش تھی جو اِن اقوام اور اسلام کے مابین استوار ہوتی رہی۔ اور اُن کی شکستیں اُن کے دلوں کے بغض میں اضافہ کرتی رہیں۔ پھر آنے والی صدیوں میں صلیبی محاربات کا سلسلہ دشمنی اور عداوت کا ایسا نشہ اُن پر طاری کر گیا جو آج تک نہیں اترا۔ حتیٰ کہ 2001ء میں جب امریکی جڑواں ٹاورز کو جہازوں سے اڑا دیا گیا تو ردعمل میں خطاب کرتے ہوئے امریکی صدر جارج بش نے اس واقعہ کو پھر سے صلیبی جنگوں کا آغاز قرار دے دیا۔ امریکہ نے اپنی طرف سے تو صلیبی جنگ کا آغاز کر دیا مگر کوئی مسلمان ملک اس قدر طاقتور نہ تھا جو اُس کے مقابل کھڑا ہوتا۔

مگر یہ آج کی بات ہے اور ہم تاریخ کی بات کررہے ہیں جب صلیبی جنگوں کے ہر معرکے میں شکست ہی صلیبیوں کا مقدر تھی اور اسلام وہ مضبوط پتھر تھا جس سے سر ٹکراتے ٹکراتے صلیبی لشکر پاش پاش ہوگئے اور تاریخ کے صفحات میں صلیب کے سامنے ایک بدترین شکست کو لکھ دیا گیا۔ اور شاید اُن کی یہی شکست اس بات کا زبردست محرک بن گئی کہ تحریک استشراق کو بپا کیا جائے کیونکہ وہ جان چکے تھے میدان جنگ میں فی الوقت مسلمانوں کو شکست دینا مشکل ہے اس لیے انھوں نے مسلمانوں کے خلاف فکری محاذ کھول لیا جس کے تحت انھوں نے مسلمانوں کو ذہنی، فکری اور عقائدی شکست دینے کا عزم کیا۔ ذہنی اور فکری محاذ پر انھوں نے کچھ کامیابیاں ضرور حاصل کیں مگر قرآن وسنت کی موجودگی میں وہ اسلامی عقائد میں تحریف کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ حالانکہ وہ اپنی کتابوں کے ساتھ ایسا کر چکے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ ایک دن قرآن کو بھی بدل دیں گے مگر اُن بدقسمتوں کو شاید علم ہی نہ تھا کہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ تو خود خالق نے

اٹھا رکھا ہے اس لیے اِس محاذ پر اُن کو بدترین شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ تاہم جب کوئی برائی کی ٹھان ہی لے تو سنت اللہ یہی ہے کہ اُس کی رسی دراز کر دی جائے۔ چنانچہ جذبات اور بہیمت میں اندھے مغربی دانشور نے اسلام کے بارے میں وہ تصوراتی منظر وضع کرنا شروع کیا جو نہایت کریہہ تھا اور جس کا نہ تو اسلام کے ساتھ کوئی تعلق تھا اور نہ آنحضرت محمد ﷺ کی ذات مبارکہ سے ہی اُس کو کوئی نسبت تھی مگر صلیبی جنگوں میں کھائے زخموں سے رستے لہو اور مسلم تلواروں کے گہرے گھاؤ جب اُن کو اذیت دیتے تو وہ اپنی اس اذیت کو کم کرنے کے لیے چاند پر تھوکنے کی کوشش کرتے جس کے نتیجے میں دنیا کا سب سے پست ادب تخلیق ہونے لگا اور اُن کا ہدف رسول اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ تھی۔

اول تو اِن مستشرقین کے پاس رسول اللہ ﷺ کی زیست مبارکہ کے بارے میں حقیقی علم ہی نہ تھا مگر شاید انھیں اس علم کی ضرورت بھی نہ تھی اس لیے کہ اُن کے گندے ذہن کی غلاظت اُن کی تحریروں کا عکس بن کے سامنے آ رہی تھی۔ خیالی قیاسی، افسانوی، دیومالائی کہانیوں کے تانے بانے سے رسول پاک ﷺ کا جو عکس انھوں نے اپنی اقوام کے سامنے پیش کیا اِس کا اسلام کو تو کوئی نقصان نہ پہنچا بلکہ وہ آگے بڑھ کر خطہ ارض کا بہت بڑا دین بن گیا۔ مگر اِس افسانہ طرازی کا نقصان اُن کی اپنی اقوام کو اٹھانا پڑا کہ وہ کئی صدیوں تک اندھیرے میں چلی گئیں۔ اُس دور کا سارا مغربی ادب جس میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق کوئی بات کی گئی تھی وہ پست ذہنوں کی اختراع تھی، کذب و افتراء کا پلندہ تھا، بے حقیقت اور من گھڑت افسانے تھے جن کی کوئی اصل نہ تھی۔ دینے کو سینکڑوں مثالیں ہیں جو یہاں تحریر کی جا سکتی ہیں مگر قلم لرزتا اور دل ڈوبتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں وہ باتیں تحریر کی جائیں۔ وہ الزمات، وہ تخیلات، وہ اتہامات، وہ منکرات، وہ مکروہات، وہ امکانات وہ احساسات، وہ جذبات، وہ مقامات، وہ خیالات اس قابل نہیں کہ انھیں سیرۃ المزمّل میں جگہ دی جائے۔ بس یوں سمجھ لیں کہ کوئی پست اخلاق کسی بلند اخلاق کو گالیاں دے رہا ہے تو بلند اخلاق کا کیا بگڑتا ہے جو کچھ بھی بگڑتا ہے وہ پست اخلاق کا ہی بگڑتا ہے۔ اول اول جان آف دمشق نے اس روایت کا آغاز کیا وہ بازنطینی تھا اور پست اخلاقی میں حد سے بڑھا ہوا تھا۔ یورپ میں (Guillaume postal) کو مستشرقین کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ پوسٹل نے پہلے تو تحریک استشراق پر خوب تنقید کی اور اس کے بعد اُن کے لیے نئی راہ عمل تجویز کی جسے بہت سے لوگوں نے اپنا لیا یوں یہ غلیظ قافلہ بننے لگا۔ رائمنڈ لل (Rayomond lull) نے بھی اپنی قوم کو مشرقی علوم حاصل کرنے کی

طرف متوجہ کیا۔اور بہت سے لوگ طالب علموں کا چولا پہن کر اندلس وصقیلہ کی عظیم الشان درسگاہوں میں داخلہ لینے لگے۔کیونکہ وہ جان چکے تھے کہ اپنے مقاصد میں اُس وقت تک کامیابی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ عربی زبان میں مہارت حاصل نہ کرلیں۔(Guillaume postal) خاص لغت و زبان کا ماہر تھا اُس نے پینتالیس سال تک اپنی قوم کی خدمت کی اُس کے بعد اُس کے ایک لائق شاگرد (Josepgh Scaliger) نے اُس سلسلے کو رکنے نہ دیا اور اپنی زندگی اس امر کے لیے وقف کردی کہ تحریک استشراق سے منسلک لوگ عربی زبان میں مہارت پیدا کریں تا کہ مسلمانوں کے خزانے میں نقب لگائی جاسکے۔یہ تحریک چلتی رہی مگر اُس کا کوئی مرکزی نظم موجود نہ تھا۔

پھر سولہویں صدی عیسوی میں عیسائیوں کے مختلف فرقوں نے باہم الحاق کر لیا تب تحریک استشراق کو بھی از سرِ نو منظّم کیا گیا اور اب وہ ایک مرکزی نظم کے تحت کام کر رہی تھی۔تحریک استشراق کو مرکزی نظم فراہم کرنے میں ڈیوک آف تسکانی (Duke of Tuscany) نے اہم کردار ادا کیا اور یہ تحریک اپنے مذموم مقاصد کے حصول میں کوشاں ہوگئی۔ یہ وہ مختلف آرا تھیں جو اوراقِ تاریخ سے ہم تک پہنچیں مگر حقیقت یہ ہے کہ تحریکِ استشراق کا آغاز دسویں صدی سے بہت پہلے ہو چکا تھا اور اس بات کے بہت سے ثبوت مہیا کیے جاسکتے ہیں۔مگر اس علمی اور قلمی تحریک کو جس بری طرح سے تصورِ اسلام کو مسخ کرنے کے لیے استعمال کیا گیا وہ اہل مغرب کی ذہنی پستی کا ثبوت ہے۔دراصل اس تحریک کا آغاز ساتویں صدی عیسوی سے ہی ہو گیا تھا جب اکثر عیسائی پادری اور راہب اس راز کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے جو مسلمانوں کی طاقت کا محور تھا۔جس کے سامنے قیصر وکسریٰ جیسی عظیم سلطنتیں ریت کے گھروندے ثابت ہوئیں وہ اس تہذیب وثقافت کی ترقی کے اسباب معلوم کرنا چاہتے تھے جس نے کئی تہذیبوں اور ثقافتوں کو دیکھتے ہی دیکھتے نگل لیا تھا۔جب اندلس پہ مسلمانوں کا قبضہ مستحکم ہوگیا اور انھوں نے وہاں علوم وفنون کو رواج دیا تو راہبوں اور پادریوں کی ایک بڑی تعداد بھی اس سے مستفید ہونے لگی۔ان کو دراصل کوئی علمی پیاس نہ تھی بلکہ ان کے سینوں میں اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نفرت کا ایک آلاؤ دہک رہا تھا جس کو بجھانے لیے ہی وہ یہ مصنوعی علمی چولا اوڑھے ہوئے تھے۔انھوں نے مسلمانوں کی کمزوریاں جاننے اور اس برتر تہذیب کو نیچا دکھانے کے لیے نجانے کیا کیا بھیس بدلے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگیاں اسلام کے علوم حاصل کرنے اور پھر اسلام کی تردید کرنے کے لیے وقف کر

رکھی تھیں۔مستشرقین کی اکثریت اپنے مقاصد پر محکم یقین رکھتی ہے۔ان کے مقاصد میں وقت کے تقاضوں کے ساتھ تبدیلی آتی رہتی ہے مگر اسلام دشمنی کا بنیادی مقصد کبھی ان کی آنکھ سے اوجھل نہیں ہوتا ۔یہ لوگ کبھی مصر پر حملے کے وقت نپولین بونا پارٹ کے ہمراہ نظر آتے ہیں تو کبھی اسلامی ممالک میں مغربی استعمار کی راہ ہموار کرتے نظر آتے ہیں اور کبھی استعمار کے خلاف اٹھنے والی آزادی کی تحریکوں میں استعماری حکومتوں کے مشیر بن کر حق نمک ادا کرتے نظر آتے ہیں۔متعصب مستشرقین کا یہ طبقہ مسلمانوں کے خلاف صیہونی تحریک سے بھی الحاق کر لیتا ہے اور ضرورت پڑنے پر اسے الحادی طاقتیں بھی اسلام کے مقابلے میں کم خطرناک نظر آتی ہیں۔مستشرقین کے اس طبقے کا پھیلایا ہوا زہر ملت اسلامیہ کی اجتماعی زندگی کے ہر شعبے میں سرایت کر چکا ہے۔ملت اسلامیہ جتنی جلدی اس حقیقی خطرے کا سدِ باب کر لے اتنا ہی اس کے حق میں بہتر ہوگا۔تحریک استشراق بارہ سو سال سے جتنی محنت اور مشقت سے اپنے عزائم کی طرف گامزن رہی ہے آج اس کے نتائج بھی دیکھنے کو مل رہے ہیں۔

توانائی کے تمام بنیادی اثاثہ جات کی ملکیت کے باوجود جس طرح آج کا مسلمان مغربی استعمار کے آگے جھکا ہوا نظر آتا ہے یہ دراصل تحریک استشراق کا ہی ثمر ہے جو نہ صرف یہ کہ ایک علمی اور قلمی تحریک تھی بلکہ وہ اب ایک ہمہ پہلو تحریک کی شکل اختیار کر چکی ہے اور اب اس کی پشت پر نہ صرف کہ یہ ان کا قدیمی نصب العین موجود ہے بلکہ وسائل کی وہ بے پناہ قوت بھی اب ان کو حاصل ہے جو کل تک مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔مگر آج کا ہر مسلمان حکمران اپنی الگ حکومت کا مفاد ہی دیکھ سکتا ہے اور اس کے پیش نظر امت کی تجدید نو کا کوئی تصور ہی سرے سے موجود نہیں ہے۔آج امت مسلمہ کو تحریک استشراق جیسی کسی بڑی اور منظّم علمی تحریک کی ضرورت پہلے سے بہت بڑھ چکی ہے کہ ایک آفاقی نظام و نظریہ کی موجودگی میں امت کی پستی کا کوئی علمی جواز تو بہر حال موجود نہیں اگر کہیں کوئی بگاڑ ہے تو وہ یقیناً مسلمان کے عمل اور کردار میں ہے کہ اس نے اسوہ رسول ﷺ سے منہ موڑ کر اپنی ذلت خریدی ہے اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد میں وقار سے عاری زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔صلیبی جنگوں میں پے در پے شکستوں کے بعد تحریکِ استشراق نے جہاں اپنی قوم کے حوصلوں کو پست نہیں ہونے دیا وہیں اس نے اسلام دشمنی کے بہت سے نئے اسلوب بھی دریافت کیے جو بعد میں استعماری اور استبدادی نظام حکومت کی بنیاد بنے اور دنیا ایک نئے نظام جبر کے زیر تسلط آگئی۔مستشرقین کی اس تحریک کو وقت کے مورخ نے کئی ادوار میں تقسیم کیا ہے جو

اس تحریک کی شدت اور تعصب کو ظاہر کرتے ہیں۔ ذیل میں ہم تحریک استشراق کے ارتقائی ادوار کا تفصیلی جائزہ لیں گے تا کہ آج کا نوجوان مسلمان اس تحریک کے مقاصد اور پس پردہ عوامل تک رسائی حاصل کر سکے اور یہ جان سکے کہ آج کے متمدن دور میں بھی ایسے لوگ بستے ہیں جو بظاہر تو مہذب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر جن کا طریق چاند پر تھوکنے جیسا ہے اگرچہ ایسی گری ہوئی حرکات سے چاند کی عظمت اور رفعت میں کوئی بھی فرق پڑنے والا نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسد جیسی شدید بیماریوں میں ملوث کچھ لوگ آج بھی اسی طرزِ فکر پہ گامزن ہیں ذیل کی سطور میں انھی لوگوں کی نارسائیوں کے فسانے پنہاں ہیں۔

دور جہالت

تحریکِ استشراق کا دورِ اول ان تاریکیوں کا غماز ہے جن میں اہل مغرب ٹھوکریں کھاتے پھرے۔سارا یورپ اس وقت ظلم جبرو جہالت اور کلیسا کے اس وحشیانہ تسلط کے تحت سسک رہا تھا جس کی مثل انسانی بہیمت کے کسی اور دور میں تلاش کرنی مشکل ہے۔دوسری طرف انھی ایام میں مسلمانوں نے یورپ اور افریقہ کے کئی علاقوں میں علم وحکمت کے چراغ روشن کردیئے تھے جن کی روشنی اہل مغرب کو دعوتِ نظارہ دینے لگی تھی اور وہ کھلی آنکھوں سے اُس انقلاب کے ثمرات کا مشاہدہ کررہے تھے جو سسلی سے لے کر اندلس تک پھیلا ہوا تھا۔چنانچہ اہل مغرب اور کلیسا نے بھی اپنے رویوں میں بنیادی تبدیلیاں کیں۔عیسائی پوپ اور راہب جوق در جوق اندلس کے ان علمی مراکز کا رخ کرنے لگے جو اندلس میں علم کی روشنی بکھیر رہے تھے۔انھوں نے اپنی علمی کم مائیگی کا ادراک حاصل کیا اور درست سمت میں قدم اٹھائے سب سے پہلے انھوں نے مسلمانوں کے علوم کو اپنی زبانوں میں منتقل کرنے کا اہتمام کیا۔تراجم کے اس کام میں ہر قسم کا مواد شامل تھا۔چنانچہ فلسفہ، ریاضی، طب، علم ہیت اور دیگر علوم عقلیہ کی بہت سی کتابیں یورپی زبانوں میں منتقل ہوگئیں۔مگر بہت سے مستشرق جن کی منزل اور مقصد صرف اور صرف اسلام دشمنی تھی انھوں نے خاص اسلامی علوم کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھی۔یہی وجہ ہے کہ اس دور میں قرآنِ حکیم اور سنت مطہرہ سمیت بہت سے دوسرے اسلامی علوم اہل مغرب کی توجہ کا مرکز رہے اور ان عیسائی مبلغین نے علوم اسلامیہ میں کافی بلند درجہ حاصل کرلیا تھا۔انھوں نے دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ مسلمانوں کی تقلید میں جا

بجا علمی ادارے قائم کیے۔اس دور کے عیسائیوں اور چرچ نے اپنی علم دشمنی کی روش کو بھول کر جب اس راز کا کھوج لگا لیا کہ مسلمانوں کی تہذیبی معاشی سماجی اور اخلاقی برتری کا راز علم میں پنہاں ہے تو انھوں نے یورپ اور اسپین کے شہریوں کو علم کی دولت سے آراستہ کرنے کا اہتمام کیا اور بڑے پیمانے پر ایسے اداروں کا قیام عمل میں لایا گیا جہاں علمی تحقیق و جستجو کی نئی تاریخ رقم ہونا شروع ہوئی۔ تب اہل مغرب میں بھی بہت بڑے بڑے علماء سامنے آئے جن کی جہد وسعی سے جدید اور متمدن یورپ کی بنا رکھی جا سکی۔تفصیل میں جائے بغیر ہم ذیل میں ان بڑی شخصیات اور اداروں کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں جنھوں نے بعد کے آنے والے ادوار پر دور رس علمی اور عملی اثرات مرتب کیے۔

طلیطلہ یونیورسٹی:

۱۱۳۰ء میں طلیطلہ کے حکمران نے کثیر خرچ سے علاقے میں اس دارالترجمہ کی بنیاد رکھی جس نے بعد میں کئی سو سال تک اسپین، برطانیہ، اٹلی اور جرمنی کے طلبا کی علمی ضروریات کو پورا کیا۔وہ طلیطلہ آتے اور عربی تہذیب و ثقافت سے متعلقہ علوم سیکھتے اور واپس اپنے ممالک میں جا کر اس علمی نور کو پھیلانے میں مصروف ہو جاتے۔

”Don Ramond“ نے اس ادارے کی بنا رکھی۔اس بڑے ادارے میں مسلمان عیسائی اور یہودی علماء مل جل کر باہمی محبت کے ساتھ ارتقاء علم میں مصروف رہتے۔انھوں نے ریاضی، علم فلکیات، طب، کیمیا، طبعیات، تاریخ، نفسیات، سماجیات اور سیاسیات جیسے جدید علوم پر بنیادی کام کیے اور اسی ڈھانچے پر آج کی متمدن اور جدید دنیا کی بنا رکھی ہے۔

****

کلینہ فرانس:

اس ادارے کی بنیاد 1539ء میں رکھی گئی۔ گیام پوسٹل (Guillaume postal) کو اس ادارے کی سربراہی سونپی گئی۔ بنیادی طور پر اس ادارے کا مقصد مسلمانوں کے عظیم الشان علمی کام کو یورپی زبانوں میں منتقل کرنا تھا۔ گیام فرانسیسی مستشرق تھا اُسے اپنی زبان دانی پر اس قدر ناز تھا کہ وہ کہتا کہ میں ایشیا سے لے کر چین تک بغیر کسی مترجم کے سفر کرسکتا ہوں۔ عربی کے علاوہ اُسے بہت سی دیگر زبانوں میں بھی مہارت حاصل تھی۔ چنانچہ کلینہ فرانس میں اُسے عربی کی چئیر عطا کی گئی۔ اس ادارے کے لیے اخراجات ڈیوک آف تسکانی نے ادا کیے۔ مغرب کی انھی کوششوں نے اُس فضا کو جنم دیا جس میں کئی صدیوں تک اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں مہمل خیالات، بے سروپا قصے کہانیاں، بیہودہ الزامات واتہامات اور تشکیک وتذبذب کے بیج بو کر خرافات کا ایسا جنگل اُگا دیا گیا جسے کاٹنا آسان نہ تھا برسہابرس کے اس پروپیگنڈے نے مغربی ذہن کو اسلام دشمنی کے بارے میں اس قدر راسخ کر دیا کہ آج تک مغرب اسلام کے مقابل خم ٹھونکے کھڑا ہے۔ یہی حسد و بغض تھا جو انھیں اُس سماجی نظام تک لے گیا جہاں اسلام کو نقصان پہنچاتے پہنچاتے وہ خود اپنے دین سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔

****

پطرس محترم:

اس کو محترم لکھتے ہوئے اچھا تو نہیں لگتا کہ اوراقِ تاریخ نے اس کے متعلق جو معلومات مہیا کی ہیں اس کی بنا پر وہ قطعاً کسی احترام کے ہرگز لائق نہیں مگر اس ستم ظریف مستشرق نے اپنا نام ہی کچھ ایسا رکھا ہے جس کو پورا لکھنا قواعد تحریر کی مجبوری ہے۔ پطرس محترم کا تعلق فرانس سے تھا اور وہ ایک راہب تھا۔ پھر اس نے ایک اصلاحی تحریک کا آغاز کیا جس نے یورپ بھر کی عیسائیت پر گہرے

اثرات مرتب کیے۔اس نے اپنے گرد بہت سے اہل علم کو جمع کیا اور ایک ایسی تنظیم کی بنیاد رکھی جس نے علوم مشرقیہ اور اسلامی علوم کو مغربی زبانوں میں منتقل کرنے کا اہتمام کیا۔ ”Robret Tesster“ بھی اسی کے گروہ میں شامل تھا جس نے قرآنِ حکیم کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا۔اس کے علاوہ بھی اس تنظیم نے بہت سی کتابوں کے تراجم کیے جنھوں نے ”مجموعہ کلونی“ کے نام سے شہرت پائی۔ پطرس اپنے لوگوں سے کہا کرتا کہ وہ عام آدمی نہیں ہے بلکہ قدرت نے اسے خاص مشن پر اس دنیا میں بھیجا ہے جس کے بنیادی اجزا یہ ہیں۔

اول یہ کہ دنیا سے عیسائیت کے سوا تمام مذاہب کا خاتمہ کرنا خاص طور پہ اسلام اور یہودیت کا مکمل خاتمہ اس کے پیش نظر تھا۔

دوم یہ کہ یورپ میں بیداری کی اس لہر کا مقابلہ کرنا جس نے کلیسا کو فکری اضطراب اور انتشار میں مبتلا کر رکھا تھا۔

سوم یہ کہ کلیسا کے نظام کو اتنا مستحکم بنانا کہ وہ ہر قسم کے خطرات کا مقابلہ کر سکے۔

پطرس محترم اور اس کی جماعت نے ایک طرف تو قرآنِ حکیم اور دوسرے عربی علوم کے ترجمے کا کام شروع کر رکھا تھا تو دوسری طرف وہ اپنی قوم کو صلیبی حملوں کی دعوت بھی دے رہے تھے۔ پطرس اور اس کی جماعت ایسی پالیسی پر کاربند رہے جس کے نتائج دیر سے نکلتے ہیں مگر زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ پطرس خود اس کا اظہار بھی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اے اہل قوم اگرچہ تم کو میری کوششیں بے فائدہ نظر آتی ہیں کیونکہ اس طرح کے اسلحہ (یعنی کتابوں اور تراجم) سے دشمن کو بظاہر کوئی نقصان نہیں پہنچتا مگر میرا موقف یہ ہے کہ جس طرح ایک عظیم بادشاہ اپنے ملک میں جو چیزیں جمع کرتا ہے ان میں سے کچھ دفاع کے لیے ہوتی ہیں اور کچھ زیب و زینت کے مگر کچھ چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو یہ دونوں مقاصد پورے کرتی ہیں۔ گو اُن میں سے ضروری نہیں کہ ہر چیز ہر زمانے میں استعمال ہو۔چنانچہ میری اِن کوششوں کی مثال بھی کچھ ایسی ہی ہے کہ میں یہ جانتا ہوں کہ ان کوششوں سے مسلمانوں کو عیسائی نہیں بنایا جا سکتا مگر ان کے عقائد میں تذبذب کی کیفیت تو پیدا کی جا سکتی ہے۔ اس لیے ایک عالم کا کم از کم یہ فرض تو بنتا ہی ہے کہ وہ اپنے ان ہم مذہب بھائیوں کی مدد کے لیے کچھ کرے جو کمزور ہیں اور انھیں تھوڑی سی کوشش سے ان کے دین سے بدظن کیا جا سکتا ہے۔ یہ تھے

پطرس کے خیالات جس کی بنا اس تعصب پر رکھی تھی جس پہ آج کا مغربی عالم بھی اسی ذوق وشوق سے قائم ہے جو صدیوں سے اُن کی روایت رہی ہے۔ پطرس محترم کے بارے میں اس کا اپنا ہی ایک ساتھی اس کے متعلق یوں اظہارِ خیال کرتا ہے کہ پطرس ایک خردماغ فوجی تھا۔ بعض وجوہات کی بنا پر اس کی روحانی زندگی اضطراب کا شکار تھی وہ ایک متعصب راہب تھا جس کو تاریخ نے پطرس محترم بنا دیا۔ اگرچہ تاریخ نے اُس کے تعصب کو پوشیدہ نہیں رکھا مگر ایک عالم جانتا ہے کہ بارہویں صدی عیسوی سے لے کر زمانہ حال تک مسلمانوں پر مصائب کے جو پہاڑ نازل ہوئے ہیں، ہزاروں کلمہ گو صلیبی جنگوں کی نظر ہوئے یا ان کے دلوں سے اپنے دین کی لگن اور محبت کمزور ہوئی اور وہ اپنی بنیادی اساس سے دور ہو کر ملحد تہذیبوں کی تقلیدی روش پہ جا نکلے تو اس کے پیچھے پطرس محترم جیسے کتنے ہی لوگوں کی مساعی تھی۔ پطرس محترم اور اس کے ساتھیوں نے قرآن مجید کا جو ترجمہ کیا وہ علمی بددیانتی کی بدترین مثال ہے جس میں قرآن کے پیغام کو اس حد تک مسخ کرنے کی کوشش کی گئی کہ بعد کے آنے والے علماء اس کو ترجمہ قرآن قرار دینے پر بھی رضامند نہ تھے۔ مستشرقین کا یہ قافلہ اپنے مقاصد سے لگن کی بنیاد پر اپنی توانائیاں خرچ کرتا رہا اور ان میں کتنے ہی ایسے نام ہیں جو تاریخ کے صفات نے محفوظ رکھے، جیری دی اورلیاک، ڈان ریمنڈ دیر کلونی، جیرار دی کریمون، رابرٹ آف تشتر، ایڈلر آف باتھ، ھرمان الدماطی، مائیکل سکاٹ راجر بیکن، ریمنڈ لل، فریڈرک ثانی، الفانسو دہم، وغیرہ تحریکِ استشراق کے ہراول دستے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان کے بعد بھی تحریک استشراق اپنے مقاصد کے حصول میں گامزن رہی اور آج تک ان کی یہ مساعی جاری ہے۔ اس کی صورتیں اور طریقہ کار میں بدلتے وقت کے ساتھ تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں مگر دین اسلام سے ان کا تعصب آج بھی اسی معیار کا ہے جس کی مثالوں سے تاریخ کے صفحات سیاہی مائل ہیں۔

روزِ اول سے تحریکِ استشراق کا بنیادی مقصد دین اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کرنا ہی رہا ہے۔مگر اس وسطی دور میں مستشرقین نے جو غیر اخلاقی اور غیر انسانی رویہ اپنایا وہ ان کی اخلاقی پستی پہ ہمیشہ کے لیے ایک دلیل کے طور پہ ثبت ہو کے رہ گیا۔اس لیے کہ اب کی بار انھوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو علمی تحقیق کا ہدف نہیں بنایا بلکہ ان پہ الزام تراشیوں اور ان کی کردار کشی کا رویہ اپنایا۔دراصل وہ صلیبی جنگوں میں پے در پے شکستوں کی وجہ سے انتہائی ذلت محسوس کر رہے تھے اور اس اخلاقی تنزل پہ اتر آئے تھے جو کسی بھی علمی تحریک کو زیب نہیں دیتا۔اگرچہ روزِ اول سے ہی ان کے پیشِ نظر اسلام کی روشن تعلیمات پہ اندھیرے اور غلط فہمی کی دبیز تہہ چڑھانا تھا مگر خاص اس دور میں انھوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات ہی کو نشانے پر رکھا اور فرضی تصویری کہانیوں افسانوں ،ناولوں اور ڈراموں کے ذریعے سے اپنے مقاصد کی تکمیل کی راہ اپنائی ۔انھوں نے آپ ﷺ کی ذات و کردار آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے پیروکاروں کی کردار کشی میں ہر اخلاقی جواز کو نظر انداز کرتے ہوئے محض اپنے مقاصد پر نظر رکھی۔ایک بات ہمیشہ ذہن میں رہنی چاہیے کہ اسلام دشمنی میں غیر علمی غیر اخلاقی اور متعصّبانہ رویہ صرف اسی دور کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مستشرقین کی اس علمی بد دیانتی اور اخلاقی تنزل کی جھلک ہر دور کے مستشرقین کے کام میں نظر آتی ہے۔بلکہ گزشتہ کئی سالوں سے اس میں شدت ریکارڈ کی جا رہی ہے جو مغرب کی علمی اور اخلاقی پستی کی دلیل ہے۔جیسا کہ ڈنمارک اور ناروے کے صحافیوں کی کارٹون مہم اور برطانوی و امریکی فلم نویسوں کی پردہ اسکرین پہ ہزرہ سرائی کی کوششیں۔چنانچہ تحریکِ استشراق کے اس

تاریخی موڑ پر مستشرق تحریر وتصویب کے وہ کہنہ اسلوب بھی بھول بیٹھا جو کسی علمی تحریک کا سرمایہ تصور کیے جاتے ہیں۔اگرچہ دورِاول کے مستشرقین کے ہاں بھی اسلام دشمنی کی اس بو کو بدرجہ اُتم محسوس کیا جاسکتا ہے کہ جب انھوں نے اسلامی علوم کو مغربی زبانوں میں منتقل کیا اور پھر ان علوم کو اپنے معاشروں میں پھیلانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تب بھی وہ اسلام کو اس انداز سے پیش کرتے جیسے وہ عیسائیت ہی کی ایک شاخ ہو اور مسلمان انھی کے دین کا کوئی بھٹکا ہوا گروہ ہو۔

اسی مقصد اور نظریے کو نظر میں رکھتے ہوئے یوحنا دمشقی نے اسلامی علوم پر کتابیں لکھیں اور پطرس محترم نے قرآنِ حکیم کا وہ ترجمہ کیا جسے علمی بددیانتی کی بدترین مثال قرار دیا جاسکتا ہے۔تاہم دورِاول کے مستشرقین اسلام پر اعتراض کرنے اور اس کی اصل ہیت کو متاثر کرنے کے لیے پہلے خود اسلامی علوم میں مہارت حاصل کرتے اور پھر اسی مہارت کی بنا پر وہ خود اسلام کی تاریخی روایات اور تعلیمات ہی سے مثال اخذ کر کے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کرتے مگر دوسرے دور کے مستشرقین نے نہ اسلامی علوم کی طرف توجہ کی نہ اس میں مہارت پیدا کی اور نہ ہی انھوں نے عربی زبان سیکھنے کی کوشش کی اس لیے انھوں نے اسلام اور نبی کریم ﷺ کی ذات کے حوالے سے جو بھی دعویٰ کیا اس کی بنیاد کسی اخلاقی اور علمی جواز پر نہ رکھی بلکہ صرف اپنے تخیل کی پرواز پر تکیہ کیا۔ان کے لیے بس یہی کافی تھا کہ اسلام ایک بڑی برائی ہے اور پیغمبر اسلام ﷺ کو وہ ہر برائی کا محور تصور کرتے۔اس لیے وہ اس بات کو اپنے عقیدہ کا حصہ تصور کرتے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جو چاہیں اور جس طرح چاہیں لکھیں۔چاہے اس سے خود ان کی جگ ہنسائی ہوئی اور بعد کے مستشرقین ان کی صفائیاں پیش کرتے پھریں۔یاد رہے کہ کسی بھی دور کے مستشرقین کے حوالے سے زمان ومکاں کا حقیقی تعین کافی مشکل ہے۔اس لیے کہ مشرق کی طرف سے مغرب کو علوم کی منتقلی کا سلسلہ بھی صدیوں جاری رہا اور صلیبی جنگیں بھی صدیوں پر محیط ہیں اس لیے یہ ممکن ہے کہ گیارھویں اور بارھویں صدی کے مستشرقین کے کام اور خیالات کا عکس نویں دسویں صدی کے مستشرقین کے ہاں بھی پایا جاتا ہو کہ دراصل اس پوری عمارت کی بنیاد ایک تسلیم شدہ اور معروف اصول یعنی اسلام دشمنی پر رکھی گئی تھی ۔چنانچہ اس دور کے مستشرقین نے اپنی تحریروں اور دوسری اصناف میں اسلام کے بنیادی تصور اور تعلیمات کو مسخ کرنے کی ارادی کوششیں کی ہیں۔اور وہ اس میں اتنے آگے بڑھے کہ بعد کے مستشرقین کو ان کے اس انداز سے خفت اٹھانی پڑی اور وہ اپنی تحریروں میں اس دور کے مستشرقین کو کذب بیان قرار دیتے

رہے۔مگر یاد رہے کہ بعد کے مستشرقین کے ہاں ندامت اور خفت کا جو اظہار کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ اسلام کے بارے میں منصفانہ رویے کو ضروری سمجھتے تھے بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ علمی ترقی کے اس دور میں اس قسم کی فرضی داستانیں اور الزام تراشیاں اسلام کی نسبت خود تحریکِ استشراق کے لیے نقصان کا باعث تھیں اور سابقہ دور کے مستشرقین کا غیر علمی اور غیر منطقی انداز خود تحریکِ استشراق کے لیے منفی تاثرات کو اجاگر کر رہا تھا۔چنانچہ اپنے زمانے کا مشہور مستشرق(Montgomery Watt) جس نے اگرچہ خود بھی تصورِ اسلام کو بھرپور طریقے سے مسخ کرنے کی کوششیں کی ہیں اپنی کتاب (Muhammad (PBUH) Prophet and Statesman) میں گزشتہ ادوار کے مستشرقین کے رویے پر تنقید کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو بدنام کرنے کی جتنی کوششیں کی گئی ہیں اتنی کوششیں تاریخِ انسانی کی دوسری عظیم شخصیت کو بدنام کرنے کے لیے نہیں کی گئیں۔صدیوں اسلام کو عیسائیت کا سب سے بڑا دشمن تصور کیا جاتا رہا اس کی وجہ یہ تھی کہ عیسائیت کو اسلام کے علاوہ کسی منظم طاقت سے واسطہ نہ پڑا تھا جو کہ اتنی ہی طاقتور ہو جتنے کہ مسلمان تھے۔عربوں کے ہاتھوں اپنے چند بہترین صوبوں سے ہاتھ دھونے کے بعد بیزنطینی حکومت کو ایشیائے کوچک اسپین اور سسلی میں بھی اسلام کا چیلنج درپیش تھا اور مسلمانوں کو ارض مقدس سے نکالنے کی صلیبی کوششوں سے پہلے ہی یورپ میں ''اسلام دشمن اعظم ہے'' کا تصور جڑ پکڑ چکا تھا۔بارہویں صدی عیسوی میں صلیبی فوجوں کے اذہان میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو تصورات تھے وہ بڑے مضحکہ خیز تھے جنھوں نے ان کے اخلاق پہ بھی منفی اثرات مرتب کیے''۔

****

مونٹ گمری واٹ ہو یا فلپ کے ہٹی اسی کوشش میں مصروف عمل نظر آتے ہیں کہ کسی طرح دورِ اول کے

مستشرقین کے دامن سے وہ داغ صاف کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو ان کی علمی بد یانتی کا مظہر ہیں ۔انھوں نے اپنے پیشروؤں کے غیر منطقی فلسفے کو غلط فہمی قرار دینے کی بے حد کوشش کی ہے مگر تاریخ کے آثار ان کی تمام کوششوں پر پانی پھر دیتے ہیں اس لیے کہ ہر کوئی جانتا ہے کہ اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہے ہر دور میں ان کی اکثریت مذہبی لوگوں پر مشتمل تھی اور اہل کتاب کا کوئی عام آدمی چاہے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی لاعلمی کی بنا پر اختلاف کرتا ہو مگر اہل کتاب کے علماء قطعاً کسی غلط فہمی کا شکار نہ تھے بلکہ ان کی مخالفت ارادی تھی جس پر قرآن حکیم بھی گواہ ہے اور اس نے صدیوں پہلے اس حقیقت کا اعلان فرما دیا تھا کہ ;

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ O وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَO

(القرآن الحکیم)

ترجمہ؛

”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ پہچانتے ہیں انھیں (محمد رسول اللہ ﷺ کو) جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بے شک ایک گروہ ان میں سے چھپاتا ہے حق کو جان بوجھ کر“۔

****

حقیقت یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے سامنے تب اس کے سوا اور کوئی رستہ ہی نہ بچا تھا کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف غیر انسانی اور متعصّبانہ رویہ اپنائیں کیونکہ اُن کو اِس حقیقت کا حتمی ادراک حاصل تھا کہ اسلام کی سورج کی طرح چمکتی تعلیمات کے مقابلے میں ان کی تحریف زدہ تعلیمات نہ ٹھہر سکیں گی اور لوگوں تک اگر تصورِ اسلام اپنی حقیقی روشنی کے ساتھ پہنچ گیا تو پھر کوئی قوت انھیں اسلام کے دامن میں پناہ لینے سے نہ روک سکے گی۔اس لیے انھوں نے تصورِ اسلام کو مسخ کرنے اور اس کی اصل ماہیت کو خراب کرنے پہ ہی اپنی تمام توانائیاں صرف کر دیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صدیوں اہل مغرب کے اذہان میں

مسلمان کا تصور عجیب سا تھا کہ آج بھی مغرب کے بعض لوگوں کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بھی اسی خدا کی پوجا کرتے ہیں جس کی پوجا یہودی اور عیسائی کرتے ہیں تو وہ حیران رہ جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے خدا کے بارے میں ان لوگوں کے ذہن میں مستشرقین کی جہدِ مسلسل نے کچھ اس طرح کا تصور قائم کیا تھا کہ وہ اس کو بت پرستوں کی کوئی دیوی یا دیوتا تصور کرتے تھے اور بعض لوگ خیال کرتے کہ مسلمان اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی مقام دیتے ہیں جو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیتے ہیں۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ مستشرقین کی تحریکِ استشراق کے حقیقی مقاصد اور ان کی ہمہ پہلو جدوجہد تک پہنچنے کے لیے بہت باریک نگاہ کی ضرورت ہے جس سے آج کا مسلم دانشور تساہل برت رہا ہے جس کے اثرات امت کی مجموعی ہیت اور نظام فکر کو گھن کی طرح چاٹ رہے ہیں اور اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ فکری طور پہ مغربی علوم کی یلغار کے مقابل کسی درجے میں احساس کمتری کا شکار ہے اور ملت اسلامیہ میں ایسے لوگوں کی بھی کوئی کمی نہیں جو مستشرقین کی مساعی کو بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ بظاہر شہد کی اِن گولیوں میں وہ زہر ہے جو مسلمان کے عقائد پہ اثر انداز ہوتا ہے جو اس کی کُل متاع ہے جس کی ایک مثال سلیمان رشدی بھی ہے۔

یہ ملعون ایک مسلمان کے گھر پیدا ہوتا ہے اس کا نام مسلمانوں سا ہے مگر جب تحریکِ استشراق نے اس کو کرایہ پہ حاصل کر لیا تو اُس نے اُن لوگوں کی مذموم خواہش کو پورا کیا۔ سلیمان رشدی غلیظ کے سیاہ کارنامے کو اس پہلو سے دیکھیں کہ اس نے چند بکواس کیے تو یورپ اور امریکہ کے میڈیا نے اس کو اتنا اچھالا کہ ناپاک سلیمان رشدی اور اس کے ناپاک الفاظ شہرت کی بلندیوں کو چھونے لگے۔ چنانچہ اس کی کتاب کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اہل مغرب آج بھی اسی طرح کی کتابیں پڑھنا چاہتے ہیں جس میں اسلام تصورِ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی گئی ہو۔ اگرچہ بہت سے اہل علم تحریکِ استشراق کو صلیبی جنگوں کا ردِ عمل قرار دیتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ تحریکِ استشراق کی جڑیں بہت گہری ہیں اور صلیبی جنگوں سے پہلے بھی ان کی سعی کے نشانات ملتے ہیں۔

اگرچہ اس دور میں وہ غیر منظم اور ناتواں تھے۔ صلیبی جنگوں نے البتہ اس طرزِ عمل کو بامِ عروج تک پہنچایا۔ بعد کی صدیوں میں گو اس طرزِ عمل کو ختم کر کے اسلام کے بارے میں مثبت رویہ اپنانے کی کوشش ضرور کی گئی مگر وہ قدیمی طرزِ فکر اور طرزِ عمل مکمل طور پہ ختم نہ ہو سکا بلکہ اس کے وجود کا ثبوت اہل مغرب کے ہاں

سے آتا ہی رہتا ہے کبھی وہ بنگلہ دیش کی کسی خاتون کو بے پناہ مالی وسائل کے عوض اس بات پہ راضی کر لیتے ہیں کہ وہ نظریہ اسلام پہ طعن کا فریضہ انجام دے تو کبھی ناروے ڈنمارک اور سویڈن کے صحافی آزادی اظہارِ رائے کے قانون کی حقیقی اساس کو روندتے ہوئے مکروہ افعال میں مصروف عمل نظر آتے ہیں۔

تحریک استشراق کے حوالے سے سترہویں اور اٹھارویں صدی عیسوی کو خاص اہمیت حاصل ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جب اس تحریک کے برگ و بار نے پھل دینا شروع کیا اور مسلمان زوال کی راہ کو چل دیئے۔ سترہویں صدی کو مورخین یورپ کے عصر جدید کا مطلع قرار دیتے ہیں۔ یورپ کی جدوجہد، سعی و کاوش اور حریت و آزادی کا آغاز اسی عہد سے ہوتا ہے۔ سترہویں صدی کو عروج استعمار کی صدی بھی کہا جاتا ہے جس نے رفتہ رفتہ عظیم الشان اسلامی ریاست کو نگل لیا۔ یورپ میں بیداری کی ایک بڑی لہر نے جنم لیا اور اُن عوام حکمرانوں سمیت اُس علم کی طرف متوجہ ہو گئے جو مسلمان علماء کی ہزار سالہ کاوشوں کا نتیجہ تھا۔ چونکہ علم کا یہ سارا ذخیرہ عام طور پر عربی زبان میں ہی تھا اس لیے اہل مغرب نے بڑی دلجمعی کے ساتھ مسلمانوں کی زبان سیکھی اور مسلمانوں کے علمی ورثے سے فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ اہل مغرب نے کئی ایسے عالم پیدا کیے جنھوں نے عربی زبان میں بے پناہ مہارت حاصل کی۔ انھی میں سے ایک کا نام (Erpenius 1554-1624) بیان کیا جاتا ہے۔ ارپی نیس نے عربی زبان کی پہلی لغت مرتب کی تا کہ اُس کی قوم کو

مسلمانوں کی زبان تک رسائی میں آسانی حاصل ہو سکے ۔ ایک اور ماہر زبان آسٹریا کے (Lorriunuer Franz) نے بھی عربی زبان کے قواعدولغت وترتیب کا گراں قدر کام کیا۔مزید براں (D,Herbelot) کی سربراہی میں 1680ء میں ایک ایسا ادارہ قائم کیا گیا جس کا مقصد اسلامی علوم اورتہذیب وتمدن کے بارے میں معلومات اکٹھا کرنا تھا۔سترہویں صدی کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس صدی میں جن مستشرقین نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت پہ کام کیا انھوں نے عامیانہ خیالات اور قصے کہانیوں کے بجائے قدرے سنجیدہ کام کیا۔اس صدی میں گویا مستشرقین کے رویہ اورسلوک میں اس تبدیلی اورفرق کی اصل وجہ گویا اُن کے ماخذ کے بدل جانے میں مضمر تھی کہ اب کے انھوں نے اہل عرب کی تاریخ کا مطالعہ کرلیا تھا۔

مگراس کا یہ مطلب ہرگزنہیں کہ سترہویں صدی کے مستشرقین کواسلام اورپیغمبراسلام سے کوئی ہمدردی پیدا ہوگئی تھی۔ بلکہ بات صرف اتنی تھی کہ وہ جانتے تھے کہ اب اُن کی خرافات کوتسلیم کرناممکن نہ رہا تھا۔تاہم اس کے باوجود مستشرقین موقع بہ موقع معلوماتِ سابقہ کے مصالحہ کے استعمال سے نہ چوکتے تھے۔چنانچہ ازمنہ وسطیٰ کے روایتی لاطینی اور بیزنطینی موادکی سیاہیوں میں اسلامی اورعربی مصادرنے روشنی پیدا کی اور انھوں نے اس تضادکو جان لیا تھا جو سیاحوں کے سفرناموں کے اندراجات،اُن کے تصورات اوراصل حقائق کے مابین پایا جاتا ہے۔اس عہد میں بھی حسب سابق مطبوعات اورتصنیفات بہت کم ہیں تاہم بالکل بھی مفقودنہیں۔سترہویں صدی کے معروف مستشرقین میں اِن لوگوں کوشامل کیا جاتا ہے۔

- ولیم بیڈل (Bedwell.w) ایک انگریز مستشرق تھا جس کا زمانہ (1632-1561ء) بیان کیا گیا ہے۔اُس کی بہت سی کتابیں اب نابودہوچکی ہیں تاہم اُس کی دوکتابوں کے نشان اب بھی ملتے ہیں۔اُن میں سے ایک تو عربی لغت ہے جوسات جلدوں پہ مشتمل تھی اورایک رسول اللہ ﷺ کی سیرت پہ کتاب تھی جس کودوبارہ سے (1965ء) میں لندن سے شائع کیا گیا۔سیرت رسول پہ یہ کتاب انتہائی گستاخانہ ہےاورولیم بیڈل (Bedwell.w) نہایت بدبخت اور گستاخ شخص تھا۔

****

☚ وائٹر (Vattiar p) ایک فرانسیسی مستشرق تھا۔ اُس کو عربی زبان میں بے پناہ مہارت حاصل تھی۔ پھر مستشرقین کے ایک بڑے ادارے نے اس کی خدمات حاصل کرلیں جس کے تحت وائٹر نے عربی علوم کے بہت کثرت سے فرانسیسی زبان میں ترجمے کیے۔

****

☚ ڈاکٹر ہنری اسٹب (Dr, Henry Stubbe) سترہویں صدی کا معروف مستشرق تھا۔ اُس نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت پہ ایک عمدہ کتاب لکھی جس کا نام(An Account of the rise and progress of Mohakmmetanism)بیان کیا گیا ہے۔ اگر اس کتاب کی کچھ تاریخی غلطیاں نظرانداز کردی جائیں تو اس کتاب کو قدرے معقول اور معتدل کتاب قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسٹب نے اپنی اسی کتاب میں اپنے پیشروؤں کی جہالت پہ شدید تنقید کی ہے۔ اُس نے مستشرقین کی اکثر و بیشتر تصنیفات کو مکروہ قرار دیا اور کہا کہ اس آسمان کے نیچے محمد ﷺ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو تمام دنیائے انسانیت کی توجہ کا مرکز بنی ہو۔ یہ کتاب گویا مغرب کی جانب سے سیرت رسول کے بارے میں اولین اعتذار تھا۔ مشرق میں اسٹب کی اس کتاب کو کافی شہرت حاصل ہوئی اگرچہ اہل مغرب نے اس کو چنداں اہمیت نہ دی۔ اسٹب کے کا زمانہ (1631- 1676ء) بیان کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت پہ اُس کی مشہور کتاب (1911ء) میں لندن سے شائع ہوئی۔

****

☚ ہاٹنجر (Hottinger J.H) سوئٹزرلینڈ کا ایک مستشرق تھا جو (1620ء) میں پیدا ہوا۔ اُس نے بھی اسلام اور پیغمبر اسلام کی حقانیت چھپانے کے لیے اپنی زندگی وقف کیے رکھی۔ اُس کی

کتابیں اگرچہ وقت کی راکھ میں گم ہوچکیں تاہم اس قدر ضرور معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی بدبختوں کے اُس قافلے سے متعلق تھا جنھوں نے سورج کی روشنی روکنے کی کوشش میں اپنی زندگیوں کو حسرت کا نشان بنالیا تھا کہ سورج کی روشنی بھلا کسی سے رُک سکتی ہے۔ ہانجز کی ایک کتاب ابھی تک مل جاتی ہے جسے (1958ء) میں ہائیڈل برگ نامی ادارے نے شائع کیا۔ یہ دراصل تو ایک شماریاتی تصنیف تھی جس میں مشرقی علماء کی تصانیف کی فہرست مرتب کی گئی تھی۔ وہ (1667ء) میں انتقال کر گیا۔

****

☚ جین بررڈ (Genebarad) کا زمانہ اگرچہ (1535ء) تھا مگر اُس کا موقف سترہویں صدی میں عام ہوا۔ وہ ایک مشہور کیتھولک مناظرہ باز تھا۔ جین برڈ کہتا ہے کہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) نے آخر قرآن عربی زبان میں ہی کیوں لکھا جبکہ اُس وقت کئی متمدن زبانیں جیسے کہ عبرانی یونانی اور لاطینی زبانیں موجود تھیں۔ پھر وہ کہتا ہے کہ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ محمد (ﷺ) ایک ہی زبان سے واقف تھے جو اُن کے مخصوص وحشیانہ ماحول سے مطابقت رکھتی تھی اس لیے انھوں نے اسی زبان میں قرآن لکھا۔ (1597ء) میں یہ بدزبان مر گیا۔

****

☚ الیگزینڈر روس (Alexander Ross) نے (1653ء) میں اپنی جو کتاب شائع کرائی وہ اگرچہ تقابل ادیان کے موضوع پہ ایک کتاب تھی مگر اسی کتاب میں ایک حصہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں بھی آ گیا۔ اس کتاب کا معیار قدرے بہتر تھا حالانکہ اسی الیگزینڈر کی اس سے قبل شائع ہونے والی ایک کتاب نہایت پست تھی جس میں روائتی قصے کہانیوں اور قرون وسطیٰ کے روائتی خرافاتی مواد پہ انحصار کیا گیا تھا۔

****

☚ لینسلوٹ ایڈیسن(Lanceiot Addison) بھی بدبختوں کے قبیلے سے تھا اور سخت گستاخ تھا۔اُس نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے نام سے جن خرافات سے دنیا کو آشنا کیا وہ خود اُس کے باطن کی عکاس تھیں۔(1667ء) میں اس کی یہ کتاب شائع ہوئی جس کا نام(The first State of Mohammentanism) رکھا گیا۔ یہ کتاب سراسر خرافات کا پلندہ تھی۔ اخلاقی پستی کا شاہکار تھی، مستشرقین کے بغض وعناد کا عکس تھی۔کچھ سالوں بعد لینسلوٹ ایڈیسن(Lanceiot Addison) نے اپنی اسی کتاب کو ایک نئے نام(The life and deth of Mohammad)سے شائع کیا۔

****

☚ اور دیکھیں کہ یہ مستشرق ہمفرے(Humpheey pr ideaux) کا رسول اللہ ﷺ سے سب سے بڑا شکوہ یہ ہے کہ انھوں نے قرآن کو اپنی زندگی میں ہی شائع کیوں نہ کرایا۔اب اِس لعنتی سے کوئی کیا کہے بلکہ اُس کو صاحب علم سمجھنے والوں کی عقل پہ کوئی کہاں تک ماتم کرے کہ اُس کی کتاب کو دو صدیوں تک معیاری کتاب مانا جاتا رہا۔ایک ہی سال میں اُس کے کئی کئی ایڈیشن نکلتے رہے۔اُس کی کتاب کا فرانسیسی میں بھی ترجمہ میں کیا گیا بدقسمتی سے اُس کی کتاب کا نام میں نہیں جانتا۔

****

اٹھارھویں صدی عیسوی کے دوران بھی تحریک استشراق ارتقاء کی منزلیں طے کرتی رہی۔البتہ سفر جیسے جیسے آگے بڑھتا رہا، رختِ سفر کم وبیش ہوتا رہا اور اپنے تمام تر مذہبی، مشنری، سیاسی اور استعماری عزائم کے علی الرغم مستشرقین کے رویہ میں لچک اور نرمی پیدا ہوتی گئی۔اس نرمی اور لچک کا مطلب صرف یہ ہے کہ

اِن میں سے چند کا رویہ رنگ و آہنگ اور آواز و انداز بدلا اور نسبتاً انصاف پسندی سے کام لیا۔ بلکہ دل و نگاہ میں گنجائش پیدا کر کے اثبات و معروضیت (Objectivity) سے آگے بڑھ کر توصیف و مدح (Admiration) اسلام و پیغمبر اسلام میں بھی بخل سے کام نہیں لیا۔ ورنہ پرانے خیالات اور اُن کے متقدمین کے قائم کیے ہوئے نظریات بہر حال گرم سفر رہے اور انھیں مقبولیت بھی حاصل رہی۔ تاہم اتنا ضرور ہوا کہ متعصّبانہ اور متشددانہ رویہ کے ساتھ ساتھ معقولیت اور انصاف پسندی کا رجحان بھی عام ہونے لگا۔ اس رجحانِ نو کا آغاز اٹھارہویں صدی کے پہلے عشرے میں ولندیزی مستشرق ریلان (H.Reland) سے ہوا جس نے 1704ء میں (De Religione Mohammadica) لکھی جس نے بہت سے مستشرقین کو آگ بگولا کر دیا کہ اس کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کے بارے میں کافی احتیاط اور احترام سے کام لیا گیا تھا۔

مزید براں اِس کتاب کو لکھتے وقت اصل عربی ماخذ سے رجوع کیا گیا جس کی وجہ سے یہ ایک معقول کتاب قرار پائی۔ ریلان (H.Reland) نے برملا کہا کہ ہم مشرق کو اُس کے اصل ماخذ کے ذریعہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ مورخ کا تعصب اُس کے کلام کو پست کر دیتا ہے اس لیے مورخ کو ہمیشہ غیر جانبدار رہنا چاہیے۔ اسی نظریے کے مطابق ہمیں اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق کچھ کہنا چاہیے۔ حسن اتفاق سے اُسی عہد کے کئی دیگر لوگ اسی نکتہ نظر کو اجاگر کرنے والے دستیاب ہوگئے جس کی وجہ سے مستشرقین کے حوالے سے اٹھارہویں صدی عیسوی کو اعتدال کی صدی قرار دیا جا سکتا ہے۔ ریلان (H.Reland) کے اس عدل پسند نظریہ کو پیری بائل (Pierye Bayle) اور بولین ولیرز (Boulainvilliers) نے آگے بڑھایا اور مستشرقین کے قبیلے کو عدل کی طرف بلایا۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ اٹھارہویں صدی میں ہی مستشرقین کی ذاتی و انفرادی کاوشوں سے ہٹ کر سرکاری اور اجتماعی سطح پر بھی کچھ ایسے اقدامات کیے گئے جو جھوٹے اور غلیظ مستشرقین کا راستہ روکتے تھے۔

اس سلسلے میں اہل مغرب کو بعض مجبوریوں کا سامنا بھی تھا اس لیے کہ اُن کی سیاسی و عسکری قوت اب انھیں اُن ممالک پہ قبضے کے لیے اکسا رہی تھی جہاں مسلمان بستے تھے اس لیے اہل مغرب یہ چاہتے تھے کہ مذہب کے حوالے سے اُن کو نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے اس لیے انھوں نے کچھ ایسے اقدامات کیے جن سے مسلمانوں اور مسیحی دنیا کے مابین پائی جانے والی وسیع خلیج کو کم کیا جا سکے۔ اُن اقدامات کے نتیجے

میں مشرقی ممالک میں السنہ المشرقیہ کے عنوان سے بہت سے ادارے قائم کیے گئے۔ مشرق میں کتب خانوں کی بنیاد رکھی گئی، ایشیاٹک سوسائٹیاں قائم کی گئیں، مشرقی تصنیفات کی طبع واشاعت کا اہتمام کیا گیا ،تعلیمی ادارے قائم کیے گئے ، بڑے بڑے خیراتی ہسپتال کھولے گئے ۔ چنانچہ مشرقی ممالک میں اورینٹلسٹ کی کثیر تعداد نے وہ جماعت پیدا جس نے مغربی اقوام کے مشرق پر مکمل تسلط میں ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں ہی استشراق اور مستشرق کی اصلاحات پہلی بار منظر عام پہ آئیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اٹھارہویں صدی کے کچھ مستشرقین کا احوال بیان کر دیا جائے۔

- سائمن اوکلے (Ocklay.S) ایک انگریز مستشرق تھا، مستشرقین اپنی اُن تحریروں کو جو کسی خاص موضوع پہ خالصتاً تحقیقی نقطہ نگاہ سے لکھی جائیں وہ اُن کو عام لوگوں کے لیے مشتہر نہ کرتے۔ بلکہ ایک خاص حلقے تک محدود رکھتے تاہم سائمن اوکلے نے مسلمانوں کی تاریخ پہ جو کتاب (History of the Saracens) لکھی وہ 1718ء میں شائع ہوئی اور پہلی بار مستشرقین کے تحقیقی نتائج کو عام لوگوں کی رسائی کے قابل بنایا گیا۔ یہ کتاب تین جلدوں میں تھی جس میں عام لوگوں کے لیے عمدہ تحقیقی مواد موجود تھا۔ سائمن اوکلے (Ocklay.S) کا زمانہ 1678ء تا 1720ء ہے۔

****

- ایڈورڈ پوکاک (Pocock,G) بھی ایک انگریز مستشرق تھا، اس نام کے کئی مستشرق سترہویں صدی میں بھی گزرے ہیں جن سے اشتباہ گزر سکتا ہے، ایڈورڈ پوکاک نسبتاً معتدل مستشرق تھا اُس کا زمانہ (1647ء تا 1727ء) ہے۔

****

- جارج سیل (Sale,G) بھی ایک انگریز مستشرق تھا۔ 1734ء میں اُس نے قرآن حکیم کا

ترجمہ کیا، چار صدیوں قبل کیے جانے والے قرآن حکیم کے اس ترجمے کے بارے میں تو کوئی حتمی رائے پیش نہیں کی جاسکتی تاہم اُس کی دوسری کتابوں سے اس قدر ضرور اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ نہایت بدتمیز اور بدبخت شخص تھا۔ اِس دور کے مستشرقین کی تحریروں کو نسبتاً معتدل قرار دیا جاتا ہے اس لیے جب کئی مستشرقین کی معتدل تحریریں سامنے آئیں تو جارج سیل (Sale,G) کو اس کا بہت رنج ہوا جس کا اظہار اُس نے رسول اللہ ﷺ کی ذات پہ گند اچھال کے کیا۔

****

☚ جین گینیئر (Gagnier,j) بھی ایک انگریز مستشرق تھا۔ جس کا زمانہ 1697ء تا 1736ء تک تھا۔ اس نے دو کتابیں شائع کیں اِن دونوں کتابوں کا مقصد بولین ویرو کی تالیف کو کم کرنا تھا۔ بولین ویلیر کے مقابلہ میں اُس نے ایک نئی تالیف (Vie de Mohammed) لکھی۔ یہ کتاب 1748ء کو ایمسٹرڈم سے شائع ہوئی۔ جین گجیئیر معتدل مستشرق تھا۔

****

☚ جے رسک (Reiske, JJ) ایک جرمن مستشرق تھا۔ جے رسک کا زمانہ 1774ء تک ہے۔ جہاں وہ اپنی زبان کا سکالر تھا وہیں عربی زبان پہ اُس کی دسترس کا یہ عالم تھا کہ اُس نے عربی زبان کی کلاسیکی لغت تیار کی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یونانی زبان وادب پہ بھی سند مانا جاتا تھا۔

****

☚ ایڈورڈ گبن (Gibbon,E) ایک انگریز مورخ تھا۔ اُس کا زمانہ 1794ء تک تھا۔ اُس کی کتاب (تاریخ زوالِ رومہ) نے بہت شہرت حاصل کی۔ اسی کتاب کے پچاسویں باب میں اسلام اور آنحضرت محمد ﷺ کے بارے میں نہایت دلسوز رائے کا اظہار کیا گیا اور اُس روایتی بے حسی

سے کام لیا جس کا عکس اکثر مغربی مصنفین کا ہاں دیکھا جاسکتا ہے۔

****

☚ والٹئیر (Voltaire Fr.) فرانسیسی مصنف تھا۔پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں اُس نے ایک ڈرامہ تحریر کیا جس نے بہت شہرت حاصل کی حالانکہ یہ ڈرامہ کی روایتی خرافات پہ مبنی تھا اور اس بات کا غماز تھا مستشرقین شریعت اسلامی سے یکسر ناواقف تھے، یہ ڈرامہ 1742ء میں منظر عام پہ آیا۔اُس نے نہ صرف اسلام کے خلاف نفرت وحقارت کا اظہار کیا بلکہ ساتھ ہی معتدل مستشرقین پہ شدید تنقید کی۔اُس نے اپنے ڈارمے کو وقت کے پوپ کے نام منسوب کیا اور اس کے مقدمے میں اسلام کے خلاف خوب زہر اُگلا اُس نے رسول اللہ ﷺ کی ذات کے بارے میں جو کچھ کہا قلم اُسے لکھنے سے گریزاں ہے۔مختصر یہ ذہن میں رہے کہ والٹئیر ایک بدتہذیب اور بدبخت شخص تھا۔

تحریک استشراق انیسویں صدی میں

انیسویں صدی سے لے کر بیسویں صدی کے ربع اول تک کا زمانہ مسلمانوں اور مستشرقین دونوں کے لیے متعدد اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ پچھلی صدیوں میں عالم اسلام کو دنیا کے مختلف حصوں میں سقوط و انحطاط کی جن منزلوں سے گزرنا پڑا تھا ایک تو اُن کے سبب ہی مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت ختم ہوئی اُس پہ مستزاد یہ کہ اُن کے پرانے حریف یعنی اہل مغرب کو سیاسی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی ہر میدان میں تفوق و بالادستی حاصل ہوتی چلی جا رہی تھی اور اس کی سامراجی گرفت عہد بہ عہد مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ انیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے اُدھر عالم اسلام خستہ و نزار ہوا اور اِدھر مغرب کا پرچم استعمار مزید بلند ہوا۔ یہ صورت حال مسلمانوں کے لیے کیسی ہی اذیت ناک کیوں نہ رہی ہو اقوام مغرب کے لیے بہر حال خوش آئند تھی اور تاریخ میں پہلی بار مستشرقین کے قبیلے کو بھی اپنے خواب پورے کرنے کا بھرپور موقع ملا۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ انیسویں صدی سے تحریک استشراق اپنے عروج کی جانب مائل ہوئی اور اسی عہد میں تحریک استشراق کو بھرپور فروغ حاصل ہوا۔ مستشرقین کے انداز اگرچہ اب بدل چکے تھے تاہم کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے ہی وہ اپنے اسلاف پر بازی لے گئے۔ کمیت کا اندازہ تو اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ زیر بحث دور میں مستشرقین کی بہت بڑی تعداد سامنے آئی۔ اِن میں ہر قسم کے مستشرق شامل تھے جو خاموش صلیبی جنگ کے اس محاذ پر یورپ کے تقریباً تمام علاقوں کی نمائندگی کرنے والے تھے، چنانچہ اس گروہ میں فرانس، اٹلی، انگلستان، اسپین، پرتگال، آسٹریا، ہالینڈ جرمنی ڈنمارک، سویڈن، سوئٹزرلینڈ، ہنگری، چیکوسلواکیہ، روس، بلیجئم، فن لینڈ اور امریکی مستشرق شامل تھے اور کیفیت کو

دیکھیں تو بھی اس عہد میں مستشرقین نے تصنیف وتالیف کے ڈھیر لگا دیئے۔اُن کے مطالعہ کا دائرہ بہت وسعت اختیار کر چکا تھا۔اگر چہ پہلے اُن کی تحقیق وتدقیق کا دائرہ محدود تھا مگر اب کے تو انھوں نے عقائد اسلام،قرآن وحدیث،سنت وفقہ،اجتہاد،عرب اور اہل عرب کے احوال،ترکوں اور عربوں کی باہمی مخاصمت،اسلام کی حقیقت واصلیت،اسلامی تہذیب وتمدن اور پیغمبر اسلام کی سیرت وسوانح پہ اس کثرت سے لکھا گیا کہ تاریخ کی کسی اور صدی میں اس قدر نہ لکھا گیا ہوگا۔اِس دور میں مستشرقین کا معیار تحقیق و استدلال بھی بلند ہوا۔تحقیق وجستجو اور تفتیش وتفحص میں انھوں نے ایسا کمال کر دکھایا جو آج بھی باعث حیرت ہے۔

قدیم عربی مآخذ کی تلاش،مخطوطات اور قلمی نسخوں کی دریافت،آثار و انکشافاتِ قدیمہ کا مطالعہ کتابوں کی تصیح واشاعت،اسلامی تاریخ کے مآخذ کی ترتیب وتدوین،فہرستوں،اشاریوں اور تبویب وغیرہ کی تیاری اور اسی طرح کی دوسری علمی سرگرمیاں اُن کی محنت وریاضت،علم شناسی اور مشرق نوازی کا ثبوت پیش کرنے لگی تھی۔اُن کی یہ سرگرمیاں مسلمانوں پر بھی کسی احسان سے کم نہیں کہ اسی جہد وسعی کی بدولت بہت سی نادر اور مفقود الخبر کتابیں پھر سے مسلمانوں کی دسترس میں آگئیں جس سے مسلمانوں نے فائدہ اٹھایا۔اس دور میں مستشرقین کے رویہ اور سلوک میں بھی نکھار پیدا ہوا اور بحیثیت مجموعی اِس دور میں اسلام اور پیغمبر اسلام سے بھی اُن کا رویہ ایک اخلاقی دائرے میں آتا چلا گیا۔

مختلف عوامل کے نتیجے میں اس دور کا مستشرق،نرم خو،حقیقت پسند اور کسی حد تک معقولیت پسندی کی طرف مائل رہا۔اِس کی ایک بڑی وجہ تو یہ تھی کہ انھوں نے اپنی تحریروں سے قبل مشرقی مصادر،عربی علوم اور اسلامی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا تھا جس کے نتیجے میں اِس دور کے مستشرق کی تحریروں میں محض تخمین وظن اور قصہ گوئی کی بجائے عقل واستدلال اور علم کی روشنی میں بات سامنے آنے لگی۔مشرقی ممالک کے مشاہدات و اسفار نے اُن کے اپنے اسلاف کی لغویت کو ثابت کر دیا تھا اور بیان وواقعہ کا تضاد کھل کے سامنے آگیا تھا ۔دوسری بڑی وجہ شاید خود یورپ کے اندرونی حالات تھے اُس کی بدلتی ہوئی فضاء تھی۔نیز جدت پسندی، سائنسی ایجادات واختراعات،تعصب وتقشف کے خلاف عام بے چینی،رومانی تحریک،کلاسیکی نظریات کے خلاف بغاوت،تاریخی تنقید کی تحریک وغیرہ جیسے کئی عوامل بھی شامل تھے جنھوں نے اس دور کے مستشرق کے ذہن میں تبدیلی پیدا کی۔اِن باتوں کی روشنی میں گویا یہ کہنا درست ہوگا کہ مستشرقین کی اس

فکری تبدیلی کی تہہ میں نہ تو کسی قسم کا اخلاص جلوہ گر تھا اور نہ کدورت و نفرت پر محبت و مودت کے جذبات غالب آ گئے تھے بلکہ بات صرف اتنی تھی کہ وقت کی ستم ظریفی نے مستشرق کے ذہن کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ورنہ تحریک استشراق کے مقاصد میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔تاہم وہ اخلاقی روایت ضرور مستحکم ہوئی جس کے نتیجے میں اب کے مستشرق کی تحریروں میں لغویات، تخمین وظن اور قصہ گوئی کم ہو گئی تھی اور اتہامات و الزامات کا دائرہ سمٹ گیا تھا۔نیز کلیسا کا طلسم کمزور ہو جانے کی وجہ سے مستشرقین کا ایک ایسا گروہ بھی پیدا ہو چکا تھا جنھوں نے جرأت سے کام لے کر اپنے پیش رو مصنفین کی تغلیط کی اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اُن کی پھیلائی ہوئی یاوہ گوئی سے شرمندہ دکھائی دیئے۔

اپنی سرگرمیوں کو منظّم و مرتب کرنے کے ضمن میں مستشرقین نے اِس دور میں متعدد تحقیقی ادارے قائم کیے جنھوں نے اُس کا بگاڑ کا احاطہ کرنے کی کوشش کی جو اُن کے پیش رو اپنے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔اِس دور میں جو تحقیقی ادارے وجود میں آئے اُن میں سوسائٹی ایشیاٹک آف پیرس (1822ء)، رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ بریٹین اینڈ آئر لینڈ (1823ء) اور امریکن اورینٹل سوسائٹی (1842ء) وغیرہ شامل ہیں۔

اِن اداروں نے جلد ہی اپنے جرائد کا اجرا کر دیا جن سے اس تحریک کو بے پناہ تقویت حاصل ہوئی ۔چونکہ لوگوں کے اذہان وقلوب کو متاثر کرنے میں رسائل و جرائد کو ہمیشہ سے خاص اہمیت حاصل رہی ہے اس لیے متذکرہ بالا مجلّات کی اشاعت کو ہی کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ اس عمل کو اپنی حکمت عملی کا مستقل حصہ بناتے ہوئے مستشرقین نے کئی دوسرے رسائل و جرائد کا اہتمام بھی کیا جن میں ہندوستان سے 1891ء میں (The Muslim Word) کا اجراء ۔ 1895ء میں پیرس سے (Revaed-el-Islam) کا اجراء اور 1912ء میں روس سے Mir,Islam کا اجراء قابل ذکر ہیں۔

اِن رسائل و مجلّات کی اشاعتی سرگرمیوں کا مقصد بظاہر تو یہ تھا کہ وہ اپنی تحقیقات سے دوسروں کو روشناس کرا سکیں لیکن بہ باطن مدعا اپنے پرانے استشراقی مقاصد کی تکمیل ہی تھا۔رہی اُن کی بلند آہنگی تو وہ اقوام عالم پہ یورپی اقوام کی بالادستی کا نتیجہ تھی۔ساتھ ہی استعماری اور سامراجی تسلط کا عکس بھی۔چنانچہ مستشرقین کو چونکہ اب ریاستی پشت پناہی بھی حاصل ہو چکی اس لیے انھیں وسائل کی کوئی کمی نہ تھی جس کے نتیجے میں جلد ہی مستشرقین نے دنیا کے ہر مستشرق کو ایک پلیٹ فارم پہ جمع کرنے کی سعی کی اور پہلی عالمی کانگرس

منعقد کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔ چنانچہ 1873ء کو پیرس میں مستشرقین کی پہلی عالمی کانگرس منعقد ہوئی۔ حسب توقع مستشرقین کے لیے عالمی کانگرس کا انعقاد بہت مفید ثابت ہوا۔ مختلف اداروں کی سرگرمیاں کارکردگی، نتائج، اطلاعات کا تبادلہ، نصب العین کا تعین، بڑے بڑے علماء وفضلاء کی شرکت مقالات، خیالات، خطبات، قراردادیں اور بہت کچھ جس نے تحریک استشراق کو فعال اور متحرک کردیا تھا۔ انیسویں صدی سے ہی مستشرقین کے عالمی سالانہ اجتماعات کو ایک روایت کے طور پر جاری کردیا گیا۔ اسی وجہ سے اس دور کو تحریک استشراق کا عروج کمال بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس دور میں تحریک کے تمام شعبوں میں ترقی کی رفتار انتہائی تیز ہوگئی مستشرقین کا رویہ اور سلوک نکھرتا چلا گیا اور بحیثیت مجموعی اُن کی تمام سرگرمیاں بہت منظّم طریقے سے ہر سطح پر اپنے اثرات ظاہر کرتی رہیں۔ انیسویں صدی کے کچھ نامور مستشرقین کا تذکرہ یہاں مفید مطلب ثابت ہوگا۔

- جان جاک سیدیلو (Sedillot.j.j) ایک فرانسیسی مستشرق تھا۔ اُس کا زمانہ 1832ء کا ہے۔ اُس نے متعدد یادگار کتابیں اپنے پیچھے چھوڑیں جو مستشرقین کی تحریک کو آگے بڑھانے میں مدد ومعاون ثابت ہوئیں۔ جان جاک نے تاریخ عرب پر بھی ایک یادگار کتاب لکھی تھی۔

****

- دیورجے (Desvergers A.N) کا تعلق بھی فرانس سے ہی بتایا جاتا ہے۔ وہ ایک مشہور مورخ تھا، اُس نے بلادِ عرب پر کئی سیر حاصل مباحث چھوڑے ہیں۔ مسلمانوں کی خلافت کی تاریخ بھی بیان کی ہے، علاوہ ازیں اُس نے ہندوستان پر مسلمان حکمرانوں کی حکومت اور عہد مغلیہ کی تاریخ پر بھی ایک مفید کتاب تحریر کی تھی، مشہور مسلمان مورخ ابی الفداء کی تاریخ کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ بھی کیا۔ اُس نے 1867ء کو انتقال کیا۔

****

- ڈاکٹر پیرون (Perron A.) فرانسیسی مستشرق تھا۔وہ ایک ماہر مترجم بھی تھا چنانچہ اُس نے نساء العرب قبل واسلام وبعد کا ترجمہ کیا۔ایک مسلمان مورخ جلال الدین ابی سلیمان داؤد کی کتاب طب نبوی کا بھی فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ڈاکٹر پیرون (Perron A.) کی مزید کتابوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے جنھیں ہم طوالت کے خوف سے نظر انداز کرتے ہیں۔ڈاکٹر پیرون (Perron A.) 1886ء میں انتقال کر گیا۔

****

- گارسن دی تاسی (Tassy, Garcin, de) بھی ایک فرانسیسی مستشرق تھا۔کئی کتابوں کا مصنف تھا، دین اسلام پہ اُس کا مطالعہ گہرا تھا، اُس نے قرآن کے علاوہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیمات اور سنت کو بھی اپنا موضوع بنایا تھا۔اسلامی تعلیمات کے متعلق اُس کا تصور ایسا ہی جاہلانہ تھا جیسا کہ اُس کے پیشروؤں کا تھا۔گارسن دی تاسی (Tassy, Garcin, de) نے 1887ء میں انتقال کیا۔

****

- جوزف وھائٹ (White j.) برطانوی مستشرق تھا۔اُس نے اسلام اور نصرانیت کا تقابلی مطالعہ کیا اور نصرانیت کو اسلام سے برتر ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش کی۔اسلام اور پیغمبر اسلام پر بھی اُس کی کافی تحریریں ملتی ہیں۔تاہم اُن میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔وہی خام خیالی اور افسانہ آرائی ہے جو مستشرقین کا طریقہ کار رہی ہے۔جوزف وھائٹ (White j.) نے 1814ء میں انتقال کیا۔

****

☚ ولیم رائٹ(Wright,W) برطانیہ کا رہنے والا تھا۔کئی کتابوں کا مصنف تھا اُس کی بہت سی کتابیں اب نہیں ملتیں اور جو ملتی ہیں وہ اس قابل نہیں کہ اُن کی طرف توجہ کی جا سکے۔روایتی مستشرق تھا جس میں کوئی نئی بات نہ تھی اُس نے 1889ء میں انتقال کیا۔

****

☚ ایڈورڈ ہنری پامر(Palmer, E.H.) کا تعلق برطانیہ سے تھا وہ ایک مترجم تھا،اُس نے قرآن حکیم کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا تھا جسے 1880ء میں آکسفورڈ پریس نے شائع کیا۔ ایڈورڈ ہنری پامر(Palmer, E.H.) نے 1883ء کو انتقال کیا۔

****

☚ ڈی جونگ(Jong,P,de)ہالینڈ کا رہنے والا تھا۔وہ مستشرقین کے ایک گروہ میں شامل تھا جو مل کر کام کرتے تھے۔اُس نے اپنے ایک ساتھی مستشرق ڈی جوجے (Goege M.j de)کے ساتھ مل کر سیرت ابن ہشام پہ کام کیا تھا انھوں نے مسلمانوں کی اس مقبول ترین کتاب کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا۔اُن کے اس علمی کام کو مطبع لیڈن نے 1881ء میں شائع کیا تھا۔ڈی جونگ(Jong,P,de) نے 1890ء کو انتقال کیا۔

****

☚ ڈی جوجے(Goege M.j de) کا تعلق بھی ہالینڈ سے تھا۔جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اُس نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ مل کر سیرت ابن ہشام کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا تھا جو 1881ء میں شائع ہوا۔علاوہ ازیں ڈی جوجے(Goege M.j de) نے کثیر التصانیف وفیات الاعیان از ابن خلکان پر کام کیا۔ہالینڈ کے اس مستشرق کا انتقال 1909ء میں ہوا۔

☚ فلایشر (Fleischer, H.I) جرمن مستشرق تھا۔ وہ ایک صاحب علم شخص تھا اور اُس نے کئی کتابیں لکھی تھیں۔ بہت سی کتابوں کے ترجمے کیے۔ اسی طرح تاریخ ابی الفداء کو متن و ترجمہ کے ساتھ شائع کیا۔ اسے تعلیقات اور حواشی سے مزین کیا۔ لیبزگ نے اِس کتاب کو 1831ء میں شائع کیا۔ فلایشر نے تاریخ عرب قبل از اسلام کے عنوان سے بھی ایک بھی لکھی جسے علمی حلقوں میں بہت سراہا گیا۔ اِس کتاب کو بھی مطبع لیبزگ نے 1931ء میں شائع کی۔ فلایشر کا انتقال 1888ء میں ہوا۔

****

☚ ویسٹنفیلڈ (Wustenfeld,F) کا تعلق بھی جرمنی سے تھا بہت صاحب علم شخص تھا جس نے بہت سی کتابیں لکھی تھیں۔ جیسا کہ تاریخ مکہ مکرمہ، سیرت ابن ہشام کا ترجمہ، اراضی مدینہ منورہ ،اور تاریخ الاشراف مکہ وغیرہ اُس کی یادگار کتابیں ہیں۔ اُس کا انتقال 1899ء میں ہوا۔

****

☚ بیریزین (Bresine,N.) کا تعلق روس سے تھا۔ اُس کو روسی مستشرقین کا سرخیل بھی کہا جاتا ہے۔ اُس نے متعدد کتابیں لکھیں، جن میں مصادر اسلامی، تہذیب و تمدن اور اسلام کے تعلق وغیرہ پر کئی لاجواب کتابیں لکھیں جن کو علمی حلقوں میں خوب سراہا گیا۔ روسی دائرۃ المعارف میں مشرق اور مشرقی علوم و آداب پر متعدد مقالات اس مستشرق کے قلم سے نکلے ۔ بیریزین (Bresine,N.) نے 1896ء میں انتقال کیا۔

****

☚ بلانکو(White Joseph Blanco) کا تعلق برطانیہ سے تھا وہ ایک خالص مستشرق تھا اس لیے کہ اُس نے خود ہسپانیہ جا کر مسلمانوں کی بودوباش کا مطالعہ کیا تھا تا کہ وہ ہسپانیہ کی تاریخ پہ ایک مسبوط کتاب لکھ سکے۔ وہ ایک پادری تھا اس لیے علم کے باجود مذہبی تعصب سے اپنی جان نہ چھڑا سکا تھا۔ اگرچہ اُس کی سب سے معتبر کتاب وہی ہے جو اُس نے ہسپانیہ کی تاریخ پہ لکھی تھی تاہم اس کے علاوہ بھی اُس کی کئی کتابیں تھیں۔ بلانکو کا انتقال 1775ء میں ہوا۔

****

☚ ایڈورڈ سخاؤ(Sachau Edward) مشہور و معروف جرمن مستشرق تھا۔ ایڈورڈ سخاؤ ایک بہت بڑا اسکالر تھا اپنے معاشرے میں اُس کا شمار عربی کے اساتذہ میں کیا جاتا تھا۔ اُس نے اپنے کچھ ساتھیوں اور کچھ لائق شاگردوں کو ایک بڑے علمی کام کی طرف مدعو کیا اور اسی کی کوششوں سے طبقات ابن سعد نامی عظیم الشان کتاب کو مرتب کیا۔ علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ طبقات ابن سعد جیسی کوئی کتاب نہیں جو رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک پہ اس قدر روشنی ڈالتی ہو اور اس قدر تفصیلی ہو۔ ایڈورڈ سخاؤ مشرقی برلن کا رہنے والا تھا۔ وہ برلن یونیورسٹی میں شعبہ زبانیات کا سربراہ تھا۔

****

☚ سلیم نوفل۔(Sleem Nofal) ایک روسی مستشرق تھا۔ روسی مستشرقین میں اُس کا مقام بہت بلند تھا۔ لوگ اُسے استادوں کا استاد کہا کرتے تھے۔ روسی مستشرقین کا سردار سمجھا جاتا تھا ۔ سیرت النبوی اور اسلامی تعلیمات پر متعدد کتابیں لکھیں ۔ زیادہ تر کام فرانسیسی زبان میں کیا۔ 1902ء میں لبنان میں انتقال کیا۔

****

☚ فان کریمر (Von Kremer) بہت قابل مستشرق تھا۔وہ آسٹریا کا رہنے والا تھا۔ویانا میں پیدا ہوا جرمنی میں تعلیم حاصل کی۔پھر اپنے وطن لوٹ آیا سیاست میں حصہ لیا اور وزیر بن گیا۔وہ آسٹریا کا وزیر خارجہ بھی رہا اور دوسری کئی وزارتوں کا قلمدان بھی اُس کے پاس رہا۔سیاسی زندگی کے ساتھ ساتھ اُس کی علمی تشنگی بھی برقرار رہی۔وہ تحقیق و تدوین میں بھی مصروف رہا۔اُس کا میدان مسلمانوں کے قدیم علمی مصادر تھا۔اُس نے قدیم اسلامی مصادر پر تقریباً بیس کتابیں تلاش کیں۔ اُن کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا اور اِن علمی مصادر کی طبع اشاعت کا اہتمام کیا۔جو علمی مصادر فان کریمر کے پیش نظر رہے اُن میں واقدی کی المغازی، ماوردی کی الاحکام السلطانیہ،نشوان کا قصیدہ الحمیر یہ، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔اِن کے علاوہ بھی علمی میدان میں اُس نے کئی کارنامے سرانجام دیئے تھے۔اُس نے اسلامی تہذیب و ثقافت کے بارے میں کثرت سے کتابیں لکھیں۔عام طور پہ اُس کی کتابیں جرمن زبان میں ہیں۔

****

☚ سر ولیم میور (Sir Walliem Mauer) کا تعلق برطانیہ سے تھا۔اُس نے سیرت رسول اللہ ﷺ پہ قلم اٹھایا۔بعض نے اُسے معتدل مستشرق قرار دیا ہے مگر حقیقت میں وہ ایک پست شخص تھا اس لیے کہ اُس کی مشہور عالم کتاب (The Life of Muhammad) اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔اِس کتاب میں جس حد تک کوئی انسان جھوٹا ہو سکتا ہے اسی حد تک اُس نے جھوٹ بولا ہے۔علامہ سر سید احمد خان نے اُس کی کتاب کا رد لکھا تھا جس میں اُس کے ایک ایک جھوٹ کا پول کھولا گیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ولیم میور ایک بد بخت شخص تھا۔

****

☚ مینارڈ (Meynard Barbier de) فرانسیسی مستشرق تھا۔استشراق سے متعلق اُس نے ایک رسالہ شائع کیا جس کا شمار تحریک استشراق کے اولین شماروں میں کیا جاتا ہے۔تاریخ ،جغرافیہ، ادب اور لغت اُس کے علمی میدان تھے۔تاہم اُس کا بڑا علمی کارنامہ مسعودی کی ''مروج الذہب'' کا فرانسیسی میں ترجمے کو قرار دیا جاتا ہے۔مینارڈ کا انتقال 1908ء ہوا۔

****

☚ رینی باسے (Basset rene) کا تعلق فرانس سے تھا۔وہ بہت صاحب علم اور بہت سی کتابوں کا مصنف تھا ۔اُس کے علمی کارناموں میں مصنف کا ترجمہ وہ حواشی، الشعرا العربی قبل الاسلام، بوصیری کا قصیدہ بردہ، وغیرہ شامل ہیں۔رینی باسے نے 1924ء میں انتقال کیا۔

****

☚ ڈاکٹر لیبان (Lebon Dr, G.) کا تعلق فرانس سے تھا۔اُن کا شمار گنتی کے اُن مستشرقین میں کیا جاتا ہے جو انصاف پسند تھے جن کا دامن جھوٹ سے آلودہ نہ تھا جو سچے مورخ تھے اور جنھوں نے علم کو بغیر کسی نسلی و مذہبی تعصب کے اگلی نسلوں تک منتقل کیا تھا۔ڈاکٹر لیبان نے متعدد ضخیم کتابیں لکھیں جن کو علم کی دنیا میں بلند مقام حاصل ہوا۔تمدن مصر، تمدن عرب، تمدن ہند، اور اندلس میں عربی تمدن پر قابل ذکر کتابیں لکھیں۔

****

☚ گولڈزیہر (Goldziher, V.) ہنگری کا رہنے والا تھا۔کثیر التصانیف شخص کہلاتا تھا۔ قرآن، تفسیر، حدیث اور سیرت نبوی پہ بے شمار کام کیا بہت سی کتابیں لکھیں۔بے شمار اور کمال کی

حدوں کو چھوتے مقالات لکھے۔ وہ پہلا مستشرق ہے جس نے حدیث پاک کے بارے میں اشتباہ پیدا کیا اور انکار حدیث کے فتنے کی بنیاد رکھی۔ اُس کی موت کے بعد دوسرے کئی مستشرقین نے انکار حدیث کے تصور کو آگے بڑھایا۔ گولڈ ریہرز نے سیرت کے دوسرے مصادر کو بھی نشانہ بنایا۔ 1921ء میں اُس بدبخت کا انتقال ہوگیا۔

****

- ولہازن (Wellhausen,J.) کا تعلق جرمنی سے تھا۔ اُس نے اپنے پیچھے بہت سی کتابیں چھوڑیں جو اُن کی یادگاریں تصور کی جاتی ہیں۔ اُس نے بہت مختلف اور متنوع موزوعات پہ کام کیا۔ جن میں تاریخ یہود، محمد رسول اللہ ﷺ مدینہ میں، دین اسلام کے مطالعات، عہد نبوی میں دستور مدینہ، مکاتیب نبوی اور وفود عرب شامل ہیں۔ ابن سعد سے منقول مرویات کا ترجمہ اور حواشی بھی اُس کے علمی کام میں شامل ہیں۔ وہ پروٹسٹنٹ تھیوموجین اور بائبل پر بھی عبور رکھتا تھا۔ ولہازن کا انتقال 1918ء میں ہوا۔

****

- واشنگٹن ارونگ (Irving Washington) معروف امریکی سکالر اور مستشرق تھا۔ اُس نے بہت سی کتابیں یادگار چھوڑیں۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت پہ حیات محمد نامی کتاب لکھی۔ خلفاء پر ایک تحقیقی کتاب لکھی جو دو جلدوں پہ مشتمل تھی۔ معتدل مستشرق تھا اس لیے اُس کی کتاب حیات محمد کا عربی زبان میں بھی ترجمہ کیا گیا۔ واشنگٹن ارونگ نے 1859ء میں انتقال کیا۔

****

- یوجین یونج (Eugens Yourng) فرانسیسی مستشرق تھا۔ متعدد علمی موضوعات پہ قلم

اٹھایااورکئی یادگارکتابیں لکھیں۔یوجین کومعتدل خیال کیا جاتا ہے۔ ایک ضخیم رسالہ ''نوراسلام کی خاص کرن'' لکھااس کے بعدایک اوررسالہ لکھاجس کا نام ''مشرق جس طرح مغرب نے اُسے دیکھا'' تھا۔فرانسیسی زبان میں رسول اللہ ﷺ سیرت پہ بھی کتاب لکھی۔

تحریک استشراق بیسویں صدی میں

بیسویں صدی کو تحریک استشراق کا عہد جدید قرار دیا جاتا ہے۔عہد جدید اپنے جلو میں نت نئے رجحانات لے کر آیا اور سیاسی وعسکری ،معاشی و معاشرتی ،تہذیبی و ثقافتی سطح پر پچھلی بہت سی باتوں کو زیر وزبر کر گیا۔چنانچہ عالمی جنگیں اور اس کے نتیجے میں مشرقی و مغربی معاشروں پر ہمہ گیر اثرات،نوآبادیاتی علاقوں کی بیداری،ظلم واستحصال کی تاریکیوں کے خلاف حریت وآزادی کی روشنی استعماری قوتوں کا زوال ،ایجادات واختراعات کا ظہور،سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظریات کی نمو اور تہذیب وتمدن کے تنوع نے حالات ومسائل کی نوعیت کو بہت کچھ بدل ڈالا۔اُدھر مستشرقین نے بھی خود کو بدل ڈالا تھا اور جدید حالات کے تحت وقت کے بدلتے ہوئے دھارے سے ہم آہنگ رہنے کے اقدامات کر لیے تھے۔تحریک استشراق نے اپنی بوسیدہ روایات کو ترک کر دیا تھا کہ اب ایک علمی دور تھا چنانچہ انھوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق زیادہ انہماک اور توجہ سے مطالعہ کا ذوق اپنا لیا تھا۔جز وقتی اسکالرز کی جگہ اب اُن کے اداروں میں کل وقتی اسکالرز کام کرنے لگے تھے تا کہ اُن کی تحقیق وجستجو عالمی سطح پر مذاق بن کے نہ رہ جائے۔اُن کے بڑے اداروں جیسا کہ آکسفورڈ،کیمبرج،لندن اور مغرب کی دوسری جامعات میں قرآن ،حدیث،فقہ،تصوف اور دوسرے اسلامی،مشرقی مباحث کے لیے باقاعدہ نشستیں مخصوص کی جانے لگیں۔ یہ مطالعہ،یہ انہماک اور یہ جہد وسعی کسی نیک مقصد کے لیے ہرگز نہ تھی۔فرق صرف اس قدر تھا کہ مستشرقین اب جانتے تھے کہ یہ دور قصے کہانیوں اور خرافات کا دور نہیں۔اس لیے انھوں نے ٹھوس مطالعہ اور گہری تحقیق کے ذریعے اسلام کی بیخ کنی کرنے کی ٹھانی۔مستشرقین نے اب کے مسلمانوں کے ماخذ سے ہی

فائدہ اٹھایا۔اس تحرک نے بعض اوقات یہ معجزہ بھی دکھایا کہ کوئی مستشرق بدنیتی کے ساتھ اسلامی تعلیمات کی طرف راغب ہوا مگر اللہ تعالیٰ نے اُسے ہدایت کے لیے چن لیا۔بہت سے مستشرقین ایسے تھے جنھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا اُن کا احوال اپنی جگہ پہ آئے گا۔

مستشرقین کے اس عہد جدید میں مطالعہ سیرت کے حوالے سے کسی حد تک اعتدال پسندی کی روایت نے جنم لیا۔جسے ویل، گوئٹے اور کارلائل وغیرہ نے آگے بڑھایا۔اس عہد میں الفانسو، آرچر، تائن بی، بلاشیر اور منٹگمری واٹ وغیرہ کے یہاں انتہا پسندی کے ساتھ ساتھ معقولیت ومعدلت کے بعض نمونے بھی نظر آتے رہے۔اسلامی مصادر کی تحقیق و دریافت، اُن کی تبویب اور شاریہ سازی کا کام نہ صرف آگے بڑھا بلکہ مستشرقین نے اس ضمن میں اپنی اجارہ داری قائم کردی کیونکہ وہ وسائل سے لیس اور علمی روایت سے بھرپور تھے تو دوسری طرف امت مسلمہ ابھی تک اُن زخموں کو چاٹ رہی تھی جو اُسے دور استعمار میں لگے تھے اس لیے فی الحال اُس کے پاس علمی تحقیق کے لیے نہ تو وقت تھا اور نہ وسائل اس لیے اہل مغرب کے مستشرقین ہی تھے جو نیت بد سے ہی سہی اسلامی مصادر کی طرف بہرحال متوجہ تو تھے۔

انھوں نے اسلامی مصادر کے ساتھ ساتھ مشرقی مصادر پر بھی جرح ونقد کے کام کو وسیع پیمانے پر سرانجام دیا ۔یہ غالباً تحریک استشراق کے مزاج سے بھی ہم آہنگ تھا کہ مآخذ ومصادر سے اعتماد اسی صورت میں متزلزل کیا جاسکتا ہے کہ اُس میں تشکک اور تذبذب کا بیج بو دیا جائے۔اس ضمن میں خاص طور پہ قرآن و سنت کو نشانہ بنایا گیا۔چنانچہ اس کے نتیجے میں مستشرکین کی وہ جماعت سامنے آئی جو لعن طعن پہ تو نہ اترتی مگر مہذب زبان میں اُن کا نقطہ نظر اتنا ہی پست تھا جتنا کہ اُن لوگوں کا نقطہ نظر جو براہ راست گالی دینے سے باز نہ آتے تھے۔مثال کے طور پہ دیکھیں کہ اِس گروہ میں سے ایک مستشرق نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ بہت بڑے سیاسی رہنما تھے اور اپنی کامیاب سیاسی چالوں کی وجہ سے جلد ہی سارے عرب پہ قابض ہوگئے ۔تو بظاہر یہ مستشرق رسول اللہ ﷺ کی سیاسی بصیرت کی تعریف کرتا نظر آتا ہے مگر بہ باطن وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول نہ تھے بلکہ ایک سیاست دان تھے۔اسی طرح کچھ مستشرقین کہتے کہ رسول اللہ ﷺ (معاذ اللہ) بیمار تھے اور انھیں مرگی کے دورے پڑتے تھے۔ہنری لانس اور برطانوی مستشرق اسپرنگر کا یہی خیال تھا۔حالات کے دھارے کے ساتھ اپنی شکل اور اہداف بدلتی تحریک استشراق نے کبھی اور کسی بھی دور میں اپنے بنیادی ہدف اسلام اور پیغمبر اسلام کی ہجو کو نظر انداز نہ کیا

۔چنانچہ عہد جدید میں جن نئے رجحانات اور نئی تحریکوں نے جنم لیا اُن میں اشترا کی نقطہ نظر کو خاص اہمیت حاصل ہے ۔ مارکس اور اینجلز کے خیالات اور تاریخ کی مادی تعبیر نے اپنا حلقہ اثر پیدا کیا اور ایسے مستشرقین آگے آئے جن کی نظر میں اسلام کی اشاعت وفروغ اور پیغمبر اسلام کی کامیابیاں دراصل سیاسی ،سماجی اور معاشی عوامل کی کارفرمائیوں کا نتیجہ تھیں۔ اس ضمن میں جرمن مستشرق ہیوبرٹ کرائم (Hubert Crimme) کا نام معاشی نظریہ ارتقاء کی علامت بنا۔اسلام اور پیغمبر اسلام پر کرائم کی دو کتابیں شائع ہوئیں۔(Hubert Crime) کی تحریروں سے باآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اسلام کو ایک مذہبی اور دینی نظام کی بجائے ایک بہتر سماجی نظام اشترا کیت سمجھتا تھا۔دراصل وہ کہنا چاہتا ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ (معاذ اللہ) اللہ کے رسول نہ تھے بلکہ اپنی قوم کے سیاسی وسماجی و معاشی مصلح تھے۔

سیاسی ،سماجی اور معاشی نقطہ ہائے نظر کا رنگ مارگولیتھ (Margoaiouth) نے مزید گہرا کیا۔کرائم کی طرح مارگولیتھ بھی آنحضرت محمد ﷺ کو اللہ کے رسول کی بجائے سیاسی رہنما ہی قرار دیتا ہے۔مارگولیتھ نے اپنی کتابوں اور مقالات میں یہاں تک لکھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں اپنی ''دوکان'' سے اٹھ کر مدینہ کی حکمرانی بہت ہی کم عرصے میں حاصل کر لی اور محض 23 سال میں ایک مملکت (مدینہ) کے حکمران بن بیٹھے۔مستشرقین میں سے مارگولیتھ نے دریدہ ذہنی کی انتہا ہی کر دی اور آنحضرت محمد ﷺ کو ڈاکوؤں اور ظالموں کا سردار تک لکھ ڈالا۔اطالوی مستشرق پرنس لیون کتان نے اپنے دیو پیکر کام کا ماحصل یہ قرار دیا کہ آنحضرت محمد ﷺ ایک طاقتور اور چالاک سیاست دان ثابت ہوئے تھے۔انھوں نے مدینہ کی ریاست حاصل کی اور مکہ پر طاقت کے زور سے قبضہ حاصل کر کے تمام عربوں کو اپنا مطیع وفرمانبردار بنالیا۔ چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ اس عہد کے مستشرقین رسول اللہ ﷺ کو ایک مفاد پرست سیاسی رہنما قرار دینے پر بضد تھے۔مطالعہ سیرت میں یہ انتہا پسندی چونکہ خلاف حقیقت تھی اس لیے مستشرقین کی اکثریت میں بھی اس تخیل کو پسند نہ کیا گیا۔بعض مستشرقین اس انتہا پر نہ گئے اور بین بین رویہ اختیار کیا۔مثال کے طور پر دیکھیں کہ عہد جدید کا مشہور مورخ ٹائین بی اپنی عظیم الشان تصنیف ''**مطالعہ تاریخ**'' میں دنیا جہان کی تہذیبوں کا مطالعہ کرتا ہے اور واقعات سے اصولوں کو اخذ کرتا ہے۔پھر اسلام کے بارے میں بھی عمومی طور پر معقول رویہ اختیار کرتا ہے۔لیکن جب سیرت رسول ﷺ پر قلم اٹھاتا ہے تو آپ ﷺ کی

حیات طیبہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ اُس کے نزدیک نبی اکرم ﷺ جب تک مکہ میں رہے تو مشنری سرگرمیوں میں منہمک رہے اور جب مدینہ پہنچے تو سیاسی سرگرمیوں مشغول ہو گئے۔ چنانچہ ٹائن بی کے تخیل کو اگر مختصراً بیان کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اُس کے نزدیک آنحضرت محمد ﷺ کی بجائے مسیح علیہ السلام ہی ایک مثالی پیغمبر ہیں۔ عہد جدید کے ایک اور مستشرق بلاشیر (Blachere) اپنی کتاب le.Proleme de" Mohomet" میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے بیان میں سیرت پاک سے زیادہ سیرت پاک کے مصادر سے بحث کرتا ہے اور غلو سے بچتے ہوئے اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ احادیث و سیر کے ذخیرے میں ایک حصہ بہر حال ایسا ہے جسے جدید تکنیکی طریقوں سے جانچ پرکھ کر مستند قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی قسم کا نقطہ نظر منٹگمری واٹ کا بھی ہے۔ مطالعہ سیرت کے ضمن میں واٹ نے متعدد کتابیں لکھیں۔ واٹ کی تصنیفات کو بہر حال آخری جدید ترین کوششوں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اُس کے نزدیک مصادر نے جہاں تک اجازت دی اپنی دانست میں اُس نے مکمل تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ منٹگمری واٹ کے کام کی خصوصیت یہ ہے کہ پچھلے پچاس سال کے دوران "علمیت" نے جو ترقی کی ہے اُس کا مظاہرہ اُس کی تصنیفات میں نظر آتا ہے اس کی تصانیف اسلامی مآخذ کی جدید ترین دریافت اور جرح و تنقید کے اصولوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ واٹ کا موقف ٹائن بی سے زیادہ مختلف نہیں ہے کہ وہ بھی آنحضرت محمد ﷺ کی شخصیت کو مکہ اور مدینہ میں مختلف بیان کرتا ہے۔

بہر حال عہد جدید کا یہ عمومی جائزہ اس حقیقت کو سامنے لاتا ہے کہ عہد جدید کے مستشرقین اگر چہ اپنے اندازِ تحریر، اپنی علمیت اور طرز ہائے تحقیق میں اپنے اسلاف سے بہت مختلف ہو گئے اور بہت سے معاملات میں انھوں نے بالکلیہ رجوع کر لیا تاہم یہ بھی ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ تمام تر جدیدیت کے علی الرغم تحریک استشراق اصل محرک جذبہ اب بھی کارفرما کی حیثیت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام سے بغض و حسد ہی ہے۔ چنانچہ عہد جدید کا مستشرق اپنی زبان و قلم سے اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور نظر آتا ہے کہ پرانی دشمنی عہد جدید میں بھی جاری و ساری ہے۔ علاوہ ازیں اس صورتِ حال میں ایک اور جدید مستشرق "ایڈورڈ ڈبلیو سعید" کا تجزیہ بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ تحریک استشراق (Orientalism) اور اس تحریک کا اہتمام و انظباط بنیادی طور پر اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ایک سیاسی ضرورت کے تحت ہوا اور استشراق کو جہانِ مشرق پر اس وقت مسلط کیا گیا جبکہ مشرق مغرب

کے مقابلہ میں مغلوب و منفعل تھا اور پھر قوت وضعف کے اسی تفاوت نے بعض لازمی نتائج کو پیدا کیا۔ استشراق کے درحقیقت دو چہرے ہیں، دو رخ ہیں۔ایک داخلی اور پوشیدہ پہلو(Latent)اور دوسرا ظاہری خارجی رخ(Manifest)۔داخلی پہلو(Latent Orientalism)یعنی پوشیدہ رخ تو ہمیشہ سے ایک ہی ہے جسے کبھی کسی زمانہ میں نہیں چھوا گیا۔جبکہ دوسرا ظاہری پہلو(Manifest Orientalism) متغیر ہوتا رہا۔یعنی مشرقی معاشرہ وتہذیب زبان وادب،تاریخ،معاشرت وغیرہ کے بارے میں خیالات وافکار بدلتے رہے۔مختصر یہ کہ مستشرقین کے خیالات میں تبدیلی اسی ظاہری استشراق کے حوالہ سے آتی رہی۔لیکن داخلی جذبہ واستشراق ہمیشہ سے لے کر آج تک یکساں محکم ومستحکم رہا اور کسی واضح تبدیلی سے آشنا نہیں ہوا۔بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ استشراق کسی مثبت اور تعمیری رویہ و سلوک ودستور(Positive Doctrine) کا نام نہیں، بلکہ یہ مغرب کی جاری کردہ موثر علمی روایت ہے۔ذیل میں ہم عہد جدید کے چند مشاہیر کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔

****

☚ ہیگاڈفرے ڈی ممبائن (Goudefroy Demombynes) اس نے کئی کتابیں تحریر کیں۔فرانس میں وہ مشرقی علوم السنہ کے شعبہ میں عربی کا استاد تھا۔اُس کی یادگار تصانیف میں نظم اسلام، مکہ ومدینہ، عالمی اسلام اور بازنطینی صلیبیوں تک وغیرہ شامل ہیں۔مونٹے (Montet,Ed) کا انتقال 1957ء میں ہوا۔

****

☚ مونٹے (Montet,Ed) فرانسیسی مستشرق بھی فرانس کا رہنے والا تھا۔اُس نے متعدد کتابیں لکھیں جن کا تعلق اسلام یا علوم مشرقیہ سے تھا۔اُس نے قرآن حکیم کا ترجمہ بھی کیا تھا اور تاریخ اسلام پر بھی ایک مبسوط کتاب تحریر کی تھی۔اُس کا انتقال 1927ء میں ہوا۔

****

☚ کارلوالفانسونلینو(Carlo Alfanso) ایک اطالوی مستشرق تھا۔الفانسو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُس نے بے شمار کتابیں تحریر کیں۔سب کا نام لکھنا طوالت کا باعث ہوگا اس لیے ہم اُس کی چند مشہور کتابوں کے نام تحریر کر دیتے ہیں۔اُس کی مشہور کتابوں میں، قبل از اسلام قبائل عرب کی تکوین وترتیب، تاریخ یمن قبل از اسلام، ممالک عرب کی تاریخ، اسماء الرجال پہ تحقیق، قبائل وتراجم رجال، فہرست مخطوطات، روایت اور مصادر کی تحلیل شامل ہیں۔الفانسو نے آنحضرت محمد ﷺ کی سیرت پاک بھی تحریر کی جو اُس کی وفات کے بعد 1949ء میں روم سے شائع ہوئی۔ الفانسو 1938ء میں انتقال کر گیا تھا۔

****

☚ سرتھامس آرنلڈ(Arnold Thomas) انگریز تھا اور انگلستان کا شہری تھا۔اُس کی مشہور ترین کتاب (The preching Islam) ہے جو لندن سے 1896ء میں شائع ہوئی۔انگلستان کی گورنمنٹ نے تھامس کی علمی خدمات کی وجہ سے انھیں سر کا خطاب دیا۔سرتھامس آرنلڈ کا انتقال 1930ء میں ہوا۔

****

☚ رابرٹ بریفالٹ(Briffault Robert)ایک برطانوی مستشرق تھا۔دراصل تو وہ ایک سرجن ڈاکٹر تھا تاہم دیگر علوم میں بھی اس کی دلچسپی بے پناہ تھی۔وہ ایک ناول نگار بھی تھا اُس نے کئی کتابیں لکھیں۔ اس ہمہ پہلو شخصیت کا انتقال 1926ء میں ہوا۔ Briffault) (Robert کی مشہور ترین کتاب "The Making of Humanty" تھی۔ جو

لندن سے شائع ہوئی۔

****

- مارماڈیوک پکتھال (Picthall M.W) ایک مشہور علمی شخصیت تھی جس کا تعلق برطانیہ سے تھا۔وہ بھی ایک مستشرق تھا۔وہ اسلامی اور مشرقی علوم کا ماہر مانا جاتا تھا۔اسلامی تہذیب وتمدن پر اُس کے بعض خطبات یادگار کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں۔اُس نے قرآن حکیم کا ترجمہ بھی کیا تھا ۔مارک نے 1936ء میں انتقال کیا تھا۔

****

- اسٹینلے لین پول (Stanlay lane poole) کا تعلق برطانیہ سے تھا۔وہ ایک ہمہ جہت شخصیت تھی۔وہ مورخ تھا، ماہر آثاریات تھا، اندلس کی تاریخ پہ اُس کی گہری نگاہ تھی، اس کے علاوہ وہ قدیم سکوں اور تحریروں کی جانچ پرکھ کا بھی ماہر تھا۔وہ برٹش میوزم میں پرانے سکوں کی حفاظت پر متعین تھا۔اُس کا خاص کارنامہ مسلمانانِ اندلس کی تاریخ تحریر کرنا تھا۔اسٹینلے لین پول نے 1945ء میں انتقال کیا۔

****

- نکلسن (Nicholoison R.A.) بھی مشہور برطانوی مستشرق تھا۔اُس کی متعدد کتابوں کا پتہ چلا ہے۔اُس کی خاص خاص کتابوں میں عربی ادب کی تاریخ، محمد اور قرآن شامل ہیں ۔بیان کیا گیا کہ اُس نے آنحضرت محمد ﷺ کی سیرت پاک پہ بھی ایک کتاب لکھی جس کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔نکلسن کا انتقال 1945ء میں نیویارک میں ہوا۔

****

☚ نولیدیکے (Noldeke,th.) کا تعلق جرمنی سے تھا۔تاریخ اسلام اورسامی مذاہب پر کئی کتابیں تحریر کیں۔نیز اُس نے قرآن حکیم کی سورتوں کی ترتیب پر بھی قلم اٹھایا۔اُسے نقدحدیث کا امام بھی کہا جاتا ہے کہ کیونکہ سب سے پہلے اُسی نے روایوں کی جانچ پرکھ کا تصور پیش کیا تھا۔ سیرت پراُس کی دو کتابیں بےحد مقبول ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

Das Hasben Muhammad, s nach der

Quellen popular largestelt

نویدیکے نے 1938ء میں وفات پائی۔

****

☚ ہرگرونج (Snouck Hergronje, C) ہالینڈ کا رہنے والا تھا۔وہ ایک کٹر عیسائی تھا اُس نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے اکثر ولندیزی زبان میں تھیں۔وہ اسلامی علوم کا ماہر جانا جاتا تھا۔وہ اسلام کو سیاسی مذہب قرار دیتا تھا۔ہرگرونج کا تعلق بھی مستشرقین کے اُس گروہ سے تھا جو اسلام کے بارے میں جانے بغیر اسلام پر بڑی بڑی کتابیں لکھتے رہتے اور اپنی جہالت سے اپنی قوم کو حق سے دور لے جانے کا فریضہ ادا کرتے۔اُس نے فقہ اسلامی اور سیاست نبوی کے بارے میں کتابیں لکھیں۔یہ جاننا مشکل نہیں کہ اُس نے کیا لکھا ہوگا۔ہرگرونج کہتا ہے کہ ایک نجی اسلام ہے اور ایک سرکاری اسلام ہے۔اس بیان سے اُس کے علم کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ 1938ء میں یہ بدبخت انتقال کرگیا۔

****

☚ ونسنک (.Wensinck,A.J) اطالوی مستشرق تھا۔کئی کتابوں کا مصنف تھا۔اُس کی تحریروں میں جس کتاب نے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی وہ دراصل اُس کا مقالہ تھا جو اُس نے PHD کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے لکھا تھا۔اُس کے مقالے کا موضوع تھا "یہود مدینہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا موقف" اُس کا یہ مقالہ 1908ء میں لیڈن سے شائع ہوا۔اُس کی ایک اور کتاب "محمد (ﷺ) اور یہود 1911ء میں شائع ہوئی۔ 1939ء میں اُس کا انتقال ہو گیا۔

****

☚ زاخاؤ (.Sachau. E) جرمنی کا رہنے والا تھا۔علمی مزاج کے حامل اس شخص کی ساری زندگی علمی سرگرمیوں میں صرف ہوئی۔مولانا شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ یہ زاخاؤ ہی کوششیں تھیں جن کی بدولت طبقات ابن سعد جیسی بڑی کتاب مسلمانوں تک پہنچی۔اُس نے جگہ جگہ سے مسلمانوں کی اس انمول کتاب کو جمع کیا اور زیور طبع سے آراستہ کیا۔زاخاؤ کا انتقال 1930ء میں ہوا تھا۔

****

☚ جوزف ہورووز (Horovitz,J) جرمنی کا رہنے والا تھا۔اپنے PHD کے مقالے کے لیے اُس نے مغازی واقدی پر قلم اٹھایا اور ایک زبردست مقالہ تحریر کیا۔بعد میں یہی مقالہ کتابی شکل میں 1898ء میں شائع ہوا۔یہی کتاب جوزف کی وجہ شہرت بنی۔اس کتاب کو کئی بار شائع کیا گیا۔جوزف کا انتقال 1931ء میں ہوا۔

****

☚ جوزف ہیل (Hell , Joseph) بھی ایک جرمن مستشرق تھا۔اسلامی علوم کا ماہر مانا جاتا تھا۔اُس کی ساری کتابوں کا سراغ نہیں ملا۔اگر چہ اُس کی ساری کتابیں اب موجود نہیں تاہم جو موجود ہیں وہ جوزف ہیل کی علمیت ظاہر کرنے کے لیے کافی ہیں۔عربوں کی قدیم روایات اورتہذیب وتمدن پر اُس کی کئی کتابیں اب تک موجود ہیں جو اُس کے علم کی غماز ہیں جوزف ہیل کا انتقال 1950ء میں ہوا۔

****

☚ کارل بروکلمان (Brockeimman.C) بھی جرمنی کا رہنے والا تھا۔کہا جاتا ہے کہ اُس نے بے شمار کتابیں لکھی تھیں۔اُس کی ساری کتابیں اب دستیاب نہیں تاہم کئی کتابیں اب بھی موجود ہیں ۔ اُس کی مشہور ترین تصنیف ”تاریخ اقوام مسلم“ ہے ۔ بیان کیا گیا کہ کارل نے آنحضرت محمد ﷺ کی سیرت پر بھی ایک کتاب لکھی تھی جو وقت کی راکھ میں کہیں دب گئی۔کارل بروکلمان کا انتقال 1956ء میں ہوا۔

****

☚ بارتھولڈ (Barthold,V.V.) روس کا رہنے والا تھا۔اُس کی تصانیف کثرت سے ہیں ۔اسلامی تہذیب،تاریخ ترکستان،عالم اسلام،خلفائے راشدین،حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اُس کی مقبول کتابوں میں شامل کی جاتی ہیں۔ بارتھولڈ کی بہت سی کتابیں اب دستیاب نہیں ، بارتھولڈ کا انتقال 1930ء میں ہوا۔

****

☚ صیمول زویمر(Zewemer S) امریکہ کا رہنے والا تھا۔وہ بہت سی کتابوں کا مصنف تھا اس لیے اُسے امریکی مستشرقین کا سرخیل بھی قرار دیا جاتا ہے۔اُس نے اسلام اور مسیحیت کے مابین تعلقات پر کئی کتابیں تحریر کیں۔اُس کی مشہور کتابوں میں بلادِ عرب، دنیا میں اسلام، حیاتِ محمد، اسلام صحرائے عرب میں اور ورثہ نبی شامل ہیں۔صیمول زویمر نے 1944ء میں انتقال کیا۔

****

☚ ایچ، جی ویلز(Wells,Herbert,gorge) برطانوی مستشرق تھا وہ ہمہ جہت شخصیت تھا، وہ افسانہ نگار بھی تھا، مورخ بھی تھا، ماہر عمرانیات بھی تھا، علاوہ ازیں وہ مشرقی اور اسلامی امور کا بھی ماہر تھا، اُس نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں، خاص طور پر اُس کی کتاب Out line of History.& Mohammad and Islam. شامل ہیں۔ ویلز کا انتقال 1946ء میں ہوا۔

****

☚ گب ہملٹن(Gibb Sir Hamiliton A.R.) عہد جدید کا مقبول ترین مستشرق تھا۔اُسے برطانوی مستشرقین کا بزرگ بھی تصور کیا جاتا ہے۔گب کی تصنیفات بہت سی ہیں مگر اُس کی وجہ مقبولیت "Mohammadenism" نامی کتاب بنی۔کتاب کا نام مسلمانوں میں ناپسندیدہ خیال کیا جاتا ہے۔گب نے اگرچہ اس ضمن میں کئی تعویلات پیش کی ہیں مگر انھیں قبول نہیں کیا جا سکتا۔ خود گب کے شاگرد خاص اسمتھ نے اس کتاب کے نام اور کتاب کے کئی مندرجات پر شدید تنقید کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گب ساری زندگی اسلام کے بارے میں تذبذب کا شکار رہا۔اُس کے علمی ارتقاء سے اس بات کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گب کے نظریات بدلتے رہے۔آخیر زمانے میں تو گب نے اسلام کے بارے میں

بہت نرم رویہ اختیار کر لیا تھا۔ابھی چند سال پہلے ہی گب کا انتقال ہوا۔

****

ولفریڈ کینٹول اسمتھ (Simith, W.C) گب کا شاگرد تھا، 1916ء میں برطانیہ میں پیدا ہوا۔1949ء میں اُس نے PHD کی۔ولفریڈ نے مشہور مورخ اور مستشرق فلپ کے حِطّی سے بھی رہنمائی لی۔اور اسی کے زیر نگرانی اپنا PHD کا مقالہ تحریر کیا۔اُس کے مقالے کا عنوان" مجلۃ الازہر تجزیہ وتنقید" تھا۔مذہباً وہ کٹر عیسائی تھا۔اُس نے بہت سی کتابیں تحریر کی تھیں آخری اطلاع کے مطابق ڈلہوزی یونیورسٹی کینیڈا میں مشرقی علوم کا سربراہ تھا۔

****

جوزف شاخت (Schacht,J) جرمن مستشرق ہے۔1902ء میں پیدا ہوا۔یہودی النسل ہے۔اسلام اور اسلامی علوم پر متعدد کتابیں لکھیں۔تاہم اُس کا اصل کام وہ ہے جو اُس نے اسلامی قانون اور اصول فقہ اسلامی پر کیا۔اُس کی موت کی ہمارے پاس کوئی خبر نہیں۔

****

برنارڈ لوئیس (Levis, Berrnard) عہد جدید کا مشہور برطانوی مستشرق ہے۔ 1916ء میں لندن میں پیدا ہوا۔برنارڈ بہت سی کتابوں کا مصنف ہے۔اُس کی مشہور کتابوں میں "Arabs in Historty" اور "Islam in History" شامل ہیں۔برنارڈ کا تعلق بھی اُس بدبخت قبیلے سے ہے جو اسلام دشمنی میں حد سے گزر گیا اور جن کے سینے آنحضرت محمد ﷺ کی عظمت ورفعت سے ہمیشہ جلن محسوس کرتے رہے۔برنارڈ لیوس یہودیوں کا نمک خوار ہے اور

ظاہر ہے جو یہودیوں کا نمک خوار ہوگا اُس کی زبان وقلم سے مناسب بات نکلنی ممکن نہیں۔ برنارڈ لیوس کیمبرج ہسٹری آف اسلام اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا مدیر و مقالہ نگار بھی ہے۔آج کے عہد میں زندہ و موجود مستشرقین میں سے جو لوگ اسلام دشمنی میں سرفہرست دکھائی دیتے ہیں اُن میں برنارڈ لوئیس کو آسانی سے شامل کیا جاسکتا ہے۔

****

عہد جدید کے مشاہیر مستشرقین کا مندرجہ بالا تعارف اگرچہ مختصر ہے لیکن تحریک استشراق کے کیف وکم کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے۔بطور خاص ہم کہہ سکتے ہیں کہ تحریک استشراق اپنے آغاز اور عروج و ارتقاء کی منزلیں طے کرنے کے بعد آج کے عہد میں انتشار (Crisis) سے دوچار ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مصنفین اپنی اصل تحریک کو اب بھی سینہ سے لگائے ہوئے ہیں۔لیکن رویہ اور سلوک کی وہ یکسانیت بہرحال نظر نہیں آتی جو پہلے اُن کا خاصا تھی۔مستشرقین کی نوجوان نسل زمانے کے حالات و مسائل کے پیش نظر ذہن وفکر کی نئی تبدیلیوں سے دوچار ہورہی ہے۔اِدھر اسلامی دنیا میں بھی سوچ کی نئی لہریں پیدا ہورہی ہیں، سیاسی وادبی ہر دو سطح پر ہلچل موجود ہے۔خاص طور پہ سیاسی محاذ پر مسلمانوں کی بیداری تو عروج کو پہنچتی دکھائی دیتی ہے۔مصر میں انقلاب آچکا ہے ایران میں بھی اسلامی انقلاب آچکا ہے،اردن،یمن اور تیونس سے بھی آمرانہ حکومتوں کا خاتمہ ہوچکا ہے اور اِن ممالک میں ایک نئے جمہوری عہد کی نوید سنائی دے رہی ہے۔شام میں اس انقلاب کی بنا پڑ چکی ہے اور عوام سیاسی آزادی کے لیے اپنا خون شام کی سڑکوں پر بہا رہی ہیں منزل انشاءاللہ بہت قریب ہے۔اسی طرح علم وادب کی ایک نئی لہر بھی موجود ہے اور بعض جدید مفکرین و مصنفین مشرق کی تحریروں نے خود مغربی دنیا میں مدوجزر پیدا کردیا ہے۔ پھر یہ بات بھی صاف ہے کہ اب طاقت وقوت کے سارے اوزان اور پیمانے بدل گئے ہیں۔استعمار اور استحصال کی لغات منقلب ہوگئی ہیں۔علمی وذہنی مرعوبیت کا عالم بھی پہلے جیسا نہیں رہا اور اب مشرق بھی آنکھیں کھول کر فلک فضاء اور زمین کو دیکھ رہا ہے۔اس لیے کیا عجب کہ آنے والا زمانہ تحریک استشراق کے کوچ کا بگل بجادے۔اس لیے بقول ایک مصنف وقت آگیا ہے کہ اسلامی مفکرین وعلماء اپنے حریفوں

کے مدمقابل آئیں اور معاندین ومخالفین اسلام کے خلاف علمی محاذ پر حقیقی معرکہ کے لیے صف آراء ہو جائیں۔البتہ معروضیت (Objectivity) کا خواہ مخواہ دعویٰ نہ کریں کہ علمی معروضیت تو درحقیقت محض فریب نظر(Myth) ہے۔

تحریک استشر اق ایک بڑی تحریک ہے تولا محالہ اس کا مطالعہ بھی بہت وسعت اختیار کئے ہوئے ہے ہم نے اختصار کی راہ اختیار کی ہے جس کی وجہ سے اس کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کرنا ممکن نہیں اب ہم مختصراً تاریخ کی روشنی میں اس تحریک کے پس پردہ عوامل کا جائزہ لیں گے

تحریک استشراق، پس پردہ عوامل

تحریک استشراق نے اپنے آغاز سے لے کر عہد حاضر تک کا سفر جس انداز میں طے کیا ہے اُس کا عمومی جائزہ اگرچہ گذشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے اور بین السطور تحریک کے اغراض و مقاصد اور محرکات کی بھی بڑی حد تک نشاندہی ہو چکی ہے تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تحریک استشراق کے پس پردہ عوامل پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا کہ اسلام اور ادیانِ غیر میں بڑے اور بنیادی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اسلام کا نظریہ حیات، اس کا نظام فکر و عمل، اس کے تہذیب و تمدن کا اظہار، یہودیت عیسائیت اور دوسرے مشرکانہ مذاہب سے یکسر مختلف ہے۔ پھر دانائے سبل ختم الرسل ﷺ نے اسلام کی جو دعوت پیش کی اُس نے روزِ اول سے ہی ادیانِ باطلہ کی نفی کر دی تھی۔ اس لحاظ سے یہ امر تعجب خیز نہیں کہ دوسرے مذاہب کے علمبردار، اسلام، اہل اسلام اور عالم اسلام کے بارے میں سخت معاندانہ جذبات رکھتے ہیں اور اپنے بغض و عناد کا اظہار ہر ممکن طریقے سے کرتے ہیں۔ اُن کا یہ رویہ اور اُن کی شقاوت و قساوت دراصل نظریاتی اور فکری بنیادوں پر استوار ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ایک جگہ اس حقیقت کبریٰ کا

اظہار کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ

”اهل ایمان کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ھیں اور دوستی کے لحاظ سے مومنوں سے قریب تر اُن لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ھیں کہ ھم نصاریٰ ھیں یہ اس لیے کہ اِن میں عالم بھی ھیں اور مشائخ بھی اور ان میں اللہ سے ڈرنے والے بھی ھیں جو تکبر نہیں کرتے“۔

****

جہاں تک مستشرقین کا تعلق ہے اُن کے پورے گروہ میں نمایاں تر یہود ہیں نصاریٰ ہیں اور مشرک ہیں انھیں اسلام اور اہل اسلام اور عالم اسلام کی سرفرازی کسی طور پسند نہیں۔ بلکہ وہ اِن کو ہر آن زِک پہنچانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے تحریک استشراق کی اٹھان اسلام دشمنی کے زیر سایا ہوئی اور مستشرقین کی مساعی کا ہدف یہ ٹھہرا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کو دنیا کے سامنے کریہہ المنظر بنا کر پیش کیا جائے۔ نظریاتی سبب کے علاوہ ایک تاریخی سبب بھی نظریہ استشراق کا باعث بنا کہ آنحضرت محمد ﷺ کا لایا ہوا انقلاب آن کی آن میں پھیلتا چلا گیا اور اس کے علمبرداروں نے انتہائی مختصر مدت میں اسلام کا پرچم دنیا کے دور دراز علاقوں تک جا لہرایا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اپنی پیش قدمی میں اسلام نے اپنی راہ کی تمام مزاحمتوں کو اس آسانی کے ساتھ ختم کر دیا کہ دنیا مغرب آج تک انگشت بہ دندان ہے۔ خاص طور پر انھوں نے اُس وقت کی معلوم دنیا کی دو بڑی معلوم طاقتوں روم و فارس کا سر یوں سرنگوں کیا کہ وہ صدیوں خمیدہ رہا۔ بہر حال اسلام کی انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ وسعت و اشاعت نے جہاں ایک طرف دنیائے مغرب کی مذہبی و نظریاتی رفعتوں کو پامال کیا وہاں دوسری طرف اسلام کی عسکری فتوحات نے اُن کی شوکت و سطوت کو بھی پارہ پارہ کر دیا۔ بازنطینی سلطنت کے زرخیز خطوں شام و فلسطین و مصر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور چرچ کے مضبوط قلعے فتح ہو گئے۔ شمالی افریقہ کی فتوحات، اندلس اور سسلی کی عرب فتوحات نے دنیائے مغرب کو زیر و زبر کر دیا اور یوں اسلام اور مغرب کے درمیان مستقل عداوت کی بنا پڑ گئی۔ یہ تاریخی منظر مستشرقین کی

معاندانہ سرگرمیوں اور مخاصمانہ کارروائیوں کا نقطہ آغاز ثابت ہوا۔محاربات صلیبی کو اگر ہم تحریکِ استشر اق کا فوری سبب قرار دیں تو غلط نہ ہوگا۔صلیبی جنگوں کو تاریخ یورپ بلکہ تاریخ عالم اور تاریخ اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے اس کی تفصیل کا تو یہاں کوئی موقع نہیں البتہ اس حد تک نشاندہی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ دنیائے اسلام کے خلاف دنیائے یورپ کی متحدہ کوششیں چونکہ ناکام و نامراد ہوئیں اور دوصدیوں (1096ء سے 1292ء) پر محیط معرکہ ہائے صلیب وہلال کے نتائج ارباب کلیسا کے حق میں اچھے نہ نکلے۔اس لیے انھوں نے عسکری محاذ پر مسلسل اور پے در پے شکستوں کے بعد فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو سر دست اس محاذ پہ شکست دینا ممکن نہیں اس لیے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے علمی وفکری محاذ کو منظّم کیا جائے۔یہی فیصلہ تحریک استشر اق کی شکل میں سامنے آیا۔اس سلسلہ میں لارڈ ایلی کا یہ تبصرہ قابل ذکر ہے کہ فوجی اعتبار سے تو اب صلیبی جنگیں ختم ہو چکی ہیں مگر یورپی لوگ دین اسلام اور اس کی تہذیب کے بارے میں تحریراً جن خیالات کا اظہار کریں گے اُن میں تعصب کے اثرات ہمیشہ باقی رہیں گے۔ایک فرانسیسی مورخ (Pierre Martino) اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ جب عیسائی ترکوں کے خلاف جنگ ہار گئے تو وہ ہرزہ سرائیاں کرنے لگے یہاں تک انھوں نے عیسائیت کی شکست کا بدلہ میدان ادب میں لے لیا۔چنانچہ تحریک استشر اق کے جلو میں دنیائے مغرب کا یہ منظّم حملہ واقعتاً عسکری محاذ پر اُن کے صلیبی حملوں سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔مختصر یہ کہ اسلام دشمنی کی جو چنگاریاں پہلے سے دبی ہوئی تھیں وہ لو دینے لگیں اور رفتہ رفتہ اُن کی آتش عداوت دامن مشرق کو جلانے لگی۔

مستشرقین من حیث المجموع چاہے قدیم ہوں یا جدید، مغرب کے ہوں یا مشرق کے اپنی اصل ونسل کے اعتبار سے بہرحال یہودی وعیسائی اور مشرک ہی رہے۔گویا اختلاف دین و مذہب کی بنا پر اُن کے جذبات وخیالات تو پہلے ہی مذہبی بغض وعداوت (Religious Hostillty) کے آئینہ دار تھے۔اس پر مستزاد یہ امر کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے حقیقی مآخذ سے دور صدیوں جہالت و بے خبری اور عدم واقفیت کا شکار رہے۔اس کا واضح نتیجہ ایک طرف تو یہ سامنے آیا کہ اسلام اور داعی اعظم کے بارے میں کم وبیش انیسویں صدی کے اواخر تک دانستہ یا نادانستہ طور پہ جو کچھ وہ لوگ لکھتے رہے اور پھیلاتے رہے وہ صریحاً ظن وتخمین اور وہم وگمان کی پیداوار تھا چنانچہ بے سر و پا روایات من گھڑت حکایات، فسانہ وفسوں لچر قصے کہانیاں اور اسی طرح کا بلا تحقیق خام مواد اسلام اور پیغمبر اسلام کی نفرت انگیز تصویر پیش کرنے کے لیے

بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ صدیوں استعمال کرتے رہے۔ دوسری طرف جب جہالت اور بے خبری کا پردہ چاک ہوا اور مستشرقین اسلامی ماٰخذ کی تحقیق و تفتیش میں منہمک ہوئے تب بھی انھوں نے دانستہ طور پر قرآن و احادیث سے کھیلنے میں تکلف سے کام نہ لیا۔ نیز مشرقی مصادر کی ترتیب و تبویب کے سلسلہ میں تمام تر محنتوں کے باوجود فاش قسم کی غلطیاں کرتے رہے۔ بہر حال اِن تمام باتوں کا مقصد ایک ہی تھا یعنی تشکشک و تذبذب کے بیج بو کر اسلام اور سرورِ عالم ﷺ کے بارے میں مسلمانوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا اور انھیں آمادہ بہ نفرت کرنا۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ مستشرقین اپنی تحقیقات کے پردہ میں ایسے خیالات کو خاموشی کے ساتھ اسلام کے نظام وفکر میں داخل کر دیں جس کا ادراک راسخ العقیدہ لوگوں کے سوا دوسرے نہ کر سکیں۔

انھوں نے یہ خیال کر لیا تھا کہ اِن کی تحقیقات سے مرعوب ہو کر اُن کی ہر بات کو بلا چوں چراں درست مان لیا جائے گا۔ چنانچہ علوم اسلامیہ کا ہر میدان انھوں نے اپنی جولاں نگاہ کے لیے منتخب کیا اور علوم اسلامیہ کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں انھوں نے خلط مبحث سے کام نہ لیا ہو۔ مسلمانوں کا زوال و انحطاط بحیثیت مجموعی، تحریک استشراق کے فروغ کا باعث ہوا۔ ادھر عالم اسلام سیاسی انتشار کا شکار ہوا، اندلس مسلمانوں کے قبضے سے نکلا، پھر سیاسی انحطاط، معاشرتی و اخلاقی زوال اور تہذیب و ثقافت کے تنزل کا باعث ہوا تو اُدھر مسیحی یورپ کی ہمتیں بلند ہوئیں بلکہ اندلس کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھین لینے کے بعد تو اُن کے اندر اس قدر غرور پیدا ہوا کہ صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ پھر پندرہویں صدی عیسوی کے بعد سے انھیں سیاسی عروج حاصل ہونے لگا تو اقوام یورپ نے ایشیا افریقہ اور دوسرے مشرقی علاقوں پر قبضہ جمانا شروع کر دیا۔ اور یوں استعماریت کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ اس کا نتیجہ واضح تھا کہ مغربی تہذیب کا غلبہ ہوتا چلا گیا اور مغربی تمدن اپنا اثر جمانے لگا۔ تب مسلم ثقافت مغلوب ہونے لگی اور اُس کی تمدنی چمک دمک ماند پڑ گئی۔ اس طرح مستشرقین کو موقع ملا کہ وہ اپنے ہتھیار تیز کر لیں۔ انھوں نے مسلمانوں کی زبانیں سیکھیں، اُن کے افکار و علوم سے واقفیت حاصل کی اور اتنی استعداد بہم پہنچائی کہ مسلمانوں کی علمی وراثت کو اپنی ترقی کے لیے استعمال کر سکیں اور تحریک استشراق کو آگے بڑھا سکیں۔ پندرہویں صدی کے بعد یورپ نے پھر سے انگڑائی لی اُس کے عہد تاریک کا خاتمہ ہوا اور اُن کے ہاں علم و تحقیق، بیداری، تہذیب و تمدن کی ترقی کا دور شروع ہوا۔ یہ اُن کے سیاسی فروغ سے ہم آہنگ تھا

اور انھیں ضرورت تھی کہ ایشیا اور افریقہ میں انھوں نے اپنی جو کالونیاں قائم کی ہیں انھیں مضبوط و مستحکم بنانے کے لیے مادی وسائل اور اسلحہ سے زیادہ توجہ علمی و ذہنی کاوشوں پر صرف کی جائے۔ چنانچہ استعمار مغرب کے تحفظ کے لیے بجائے خود تحریک استشراق کی سرگرمی ناگزیر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے مفتوع ممالک کے تمام علوم وفنون کو حاصل کرنے اور تحقیقات کے پردہ میں اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے یورپی حکمرانوں نے تحریک استشراق کی مکمل سرپرستی کی۔ یہ سرپرستی صرف مالی صورت میں نہ تھی بلکہ مستشرقین کو وہ تمام سہولتیں فراہم کی گئیں جو اُن کی تحقیق وتفتیش کے لیے ضروری تھیں۔

مذہبی وسیاسی محرکات کے ساتھ تجارتی مفادات بھی تحریک استشراق سے وابستہ تھے اقوام یورپ اور مشرقی ممالک میں رابطہ کی ابتداء تجارتی تعلقات ہی سے ہوئی تھی۔ پھر امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ وہی تجار بالآخر سیاہ وسفید کے مالک وحکمران بن بیٹھے خود مشرق میں مغل سلاطین کے ساتھ بھی تو یہی ہوا تھا اور وہ مغربی تاجر جو کئی کئی دن تک تاجدارِ ہند سے ملاقات کے لیے اُس کے محل کے باہر کھڑے رہتے تھے کہ پھر وہ وقت آیا کہ انھی تاجروں نے مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر سے کہا کہ انھیں اب اُس کی ضرورت نہیں۔

اسباب ومحرکات اور پس پردہ عوامل کا یہ مختصر تجزیہ استشراق کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے کے لیے اگرچہ ناکافی ہے۔ تاہم اتنا یاد رکھنا ضروری ہے کہ تحریک استشراق کا بنیادی محرک رسول اللہ ﷺ سے بغض وعداوت اور اسلام سے قدیمی عناد ہے۔

کسی بھی قوم کے زوال کا آغاز اخلاقی پستی اور علم کی دوری کی وجہ سے ہوتا ہے۔مسلمانوں میں یہ دونوں چیزیں در آئیں جس کا فائدہ براہ راست تحریک استشراق کو پہنچا اور وہ اپنی منزل کی طرف رواں رہی ان صفحات میں مسلمانوں کی بے اعتنائی کا تذکرہ ہے۔

دنیا کی مختلف زبانوں میں بالعموم اور انگریزی اور عربی زبان میں بالخصوص مستشرقین کے بارے میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مستشرقین کے علم وتحقیق کی نوعیت وحقیقت اپنے پرایوں سب پر کھلتی جا رہی ہے ۔ بلکہ پچھلے ایک دوعشروں میں تو انگریزی زبان میں بعض ایسی کتابوں کی اشاعت نے خود مغربی حلقوں میں تہلکہ مچا دیا ہے ۔اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ سیاسی معاشرتی اور ثقافتی حالات دنیا کے ہر حصے میں بہت کچھ منقلب ہو چکے ہیں۔علم وتحقیق کی بہت سی نئی راہیں دریافت ہوچکی ہیں اور بوڑھوں کے مقابلے میں نوجوان نسل فکرونظر کی نئی تبدیلیوں کی نقیب بنتی جا رہی ہے۔انگریزی کے علاوہ عربی زبان میں بھی مستشرقین کے حوالہ سے بعض اہم کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے تو تاریخی اعتبار سے جس طرح سیرت نگاری کے حقیقی دور کا آغاز سرسیّد احمد خاں (1898ء) سے ہوا اسی طرح مستشرقین کے حوالہ سے مطالعہ سیرت کا علمی محاذ بھی سب سے پہلے دراصل سرسیّد احمد خاں نے ہی کھولا۔اس حقیقت کے باجود کہ سرسیّد کے دینی افکار میں تجدد کا رنگ نمایاں

تھا اور راسخ العقیدہ علماء کو اُن سے حد درجہ اختلاف تھا اور ہے، سر سیّد نے جذبہ ایمانی اور خالص جرأت رندانہ سے کام لے کر اپنے ہم عصر مستشرق سر ولیم مور کی دل آزار کتاب "The life of Mohammad" کی اشاعت پر خاموشی کو گناہ جانا اور تمام تر کم مائیگی کے باوجود اہانت رسول کا خاموش بدلہ لینے کے لیے اپنا تن من دھن داؤ پہ لگا دیا اور خالص علمی سطح پر میور کی کتاب پر تنقید و محاکمہ کر کے مناظرانہ رنگ سے پاک تاریخی حقائق و اسناد پر مبنی ایک جوابی کتاب "**الخطبات الاحمدیہ علی العرب و السیرت الحمدیہ**" لکھی۔ یوں انیسویں صدی کے اواخر سے گویا مستشرقین کے مقابلہ میں ایک جوابی علمی تحریک کا آغاز ہو گیا۔

یہ بڑا اہم دور تھا یہی وہ زمانہ تھا جب مستشرقین یورپ فی الواقع سیرت الرسول ﷺ کے اصل عربی آخذ سے علمی طور پر واقف ہوئے اور پھر انھی منظّم کوششوں سے بہت سے ماٰخذ حلیہ طبع سے آراستہ ہو کر مسلمانوں تک پہنچے۔ اسی دور میں مستشرقین نے اسلام اور پیغمبر اسلام پر اپنے شدید حملے جاری رکھے اور تلاش کر کر کے مجروح اور نا قابل اعتماد روایتوں کو بطور اسلحہ استعمال کیا تاکہ مسلمانوں کے دل سے سیرت رسول اللہ ﷺ کا اعتبار اُٹھ جائے اور اُس کے منطقی نتیجے کے طور پر آپ ﷺ کا لایا ہوا دین بھی بے اعتبار و بے وقعت ٹھہرے۔ سر سیّد احمد کی مخلصانہ کوششوں سے تحریک استشراق کے بالمقابل جس علمی تحریک کا آغاز ہوا تھا اُسے بعد میں مزید توسیع و ترقی حاصل ہوئی اور بہت سے مسلمان علماء نے خاص اس مسئلہ کی طرف اپنی توجہ مبذول کی اِن میں پروفیسر سیّد نواب علی، قاضی سلیمان منصور پوری، جسٹس امیر علی اور علامہ شبلی نعمانی وغیرہ شامل ہیں۔ اس سلسلہ میں اگرچہ متعدد بزرگوں نے قلم اٹھایا اور مستشرقین کے ابطال میں کتابیں لکھیں۔ تاہم اس ضمن میں جو شہرت عام اور بقائے دوام علامہ شبلی نعمانی (م 1914ء) کو حاصل ہوا وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔ علامہ شبلی نعمانی کو یہ تقدم بھی حاصل ہے کہ انھوں نے مستشرقین کی انفرادی کوششوں ہی کو نشانہ نہیں بنایا بلکہ انھوں نے پورے گروہ مستشرقین کو اپنے سامنے رکھا جو اسلام اور علوم اسلامی پر بالعموم اور سیرت الرسول ﷺ پر بالخصوص طبع آزمائی کر رہا تھا۔ چنانچہ اُن دنوں علامہ شبلی نعمانی کے ذہن پر صرف اور صرف مستشرقین ہی کا خبط سوار تھا اور آپ چاہتے تھے کہ مستشرقین کے ہر ہر جھوٹ کی قلعی کھول دیں مگر افسوس کہ اُن کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ اس کام کو نا مکمل چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ تاہم جب وہ سیرت النبی ﷺ تحریر کر رہے تب اُن کے درد کا اندازہ اُن خطوط سے کیا جا سکتا ہے

جو اس ضمن میں وہ اپنے دوستوں کو لکھا کرتے تھے۔اپنے ایک دوست مولوی حبیب الرحمان کو لکھتے ہیں کہ:

''جوں جوں انگریزوں کی لکھی ہوئی کتابوں پہ نگاہ ڈالتا ہوں تو کذب وافترا کا وہ جنگل نظر آتا ہے جسے کاٹے بغیر رسول اللہ ﷺ کی اجلی صورت کبھی بھی اہل مغرب کے سامنے جلوہ گر نہ ہو سکے گی، مارگولیس، ولیم موراور منٹگمری واٹ اس دھڑلے سے جھوٹ بولتے ہیں اور ایسا جھوٹ بولتے ہیں کہ دل جل کے رہ جاتا ہے، سیرت النبیؐ کے سو صفحے ہو چکے ہیں لیکن نظر ثانی میں پھر کچھ کا کچھ ہو گیا۔اہل یورپ کی غلط بیانیوں کا ایک دفتر ہے، اُن کے ایک ایک حرف کے لیے سینکڑوں کتابیں دیکھنی پڑتی ہیں ہزاروں صفحات سے گزرنا پڑتا ہے یہ کمبخت جھوٹ بھی اس مشاقی سے لکھتے ہیں کہ حوالہ ساتھ ہی درج ہوتا ہے۔ہمارے یہاں سیرت نگاروں نے بہت سی غلطیاں کی ہیں جن کو اٹھا کر وہ ہمارے منہ پہ دے مارتے ہیں، یہی بے احتیاطیاں ہیں جن کی بدولت اہل مغرب حوالہ کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں اور اُس کو بڑھا لیتے ہیں اپنے لفظوں میں ڈھال لیتے ہیں اپنے مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں، خیر اب تو میں اس میدان میں اتر چکا ہو دیکھیں کیا ہوتا ہے اب صرف ایک ہی آنکھ سے نظر آتا ہے مگر خدا کی قسم میں یہ کام تب تک جاری رکھوں گا جب تک میری سانس چلتی رہے گی۔میری خواہش ہے کہ میں دنیا کو ایک ایسی کتاب دے جاؤں جو اہل مغرب کی ہزرہ سرائیوں کا مکمل جواب ہو جائے''۔(3*)

****

علامہ شبلی نعمانی نے تحریک استشراق کے جواب میں جس علمی وتحقیقی کا کام کا نقشہ مرتب کیا تھا اگر وہ پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا تو مستشرقین کے اعتراضات اور مطاعن کا یادگار جواب بن جاتا۔سیرت النبی لکھتے ہوئے انھوں نے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ جلد پنجم خاص مستشرقین کے اعتراضات کے جواب میں لکھی جائے

گی مگر افسوس کہ وہ سیرت النبی ﷺ کی صرف ایک جلد لکھ سکے اس کے بعد وفات پا گئے۔ ازاں بعد اُن کے شاگرد علامہ سیّد سلمان ندوی نے اپنے استاد کے ادھورے کام کو مکمل کیا مگر انھوں نے مستشرقین کو قطعاً قابل اعتناء نہیں جانا۔

علامہ شبلی نعمانی چونکہ اپنی کتاب سیرۃ النبی کو دائرۃ المعارف بنانا چاہت تھے اس لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ مستشرقین کے مطالعہ سیرت کو معیار تنقید پر نہ پرکھتے اور زیر بحث نہ لاتے، بلکہ مستشرقین کی نام نہاد علمی تحقیقات کا پردہ چاک کرنا اور سیرت کے حوالے سے اُن کی غلط بیانیوں پر تنقید و تعقیب تو گویا منتہائے مقصود تھا اور اُن کی زندگی کی آخری خواہش بھی، علامہ شبلی نعمانی نے جس قدر کام بھی مستشرقین کے حوالے سے کیا وہ اگر چہ مختصر ہے مگر اس کے باجود وہ آنے والوں کے لیے چراغ راہ کی مثل ہے جس کی روشنی میں اس کام کو آگے بڑھایا جاسکتا تھا۔ مگر افسوس کہ علامہ شبلی نعمانی کے بعد مستشرقین کے حوالہ سیرت رسول اللہ ﷺ کے مطالعہ و تحقیق کا کوئی بڑا اور منظّم کام سامنے نہیں آیا اور نہ ہی ہمارے ہاں سیرت نگاروں نے اس مسئلہ سے تعرض کو قرار واقعی اہمیت دی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ انفرادی سطح پر کوششیں ضرور کی جاتی رہیں اور اس ضمن میں بہت سے مقالات اور مضامین بھی سامنے آئے اور کچھ نہ کچھ پیش رفت بہر حال جاری رہی۔ مثال کے طور پر دیکھیں کہ محمد حسنین ہیکل کی کتاب "حیات محمدؐ" اگر چہ عربی زبان میں لکھی گئی تھی لیکن شاندار اردو ترجمہ کے بعد اب یہ کتاب گویا اردو ادب کا حصہ ہی بن گئی ہے۔

محمد حسین ہیکل نے مستشرقین کو خاطر خواہ جواب دیئے ہیں اور اس ضمن میں اُن کے کام کو قابل قدر قرار دیا جا سکتا ہے۔ محمد حسین ہیکل کے اپنے بیان کے مطابق نہ صرف یہ کہ انھوں نے جامدین عن المسلمین کے جمود آمیز خیالات کا رد کیا بلکہ مستشرقین کی ہرزہ سرائیوں کا مثبت انداز میں جواب دینے کے لیے الگ سے ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام "**المستشرقون والحضارۃ الاسلامیہ**" بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے مستشرقین کی معاندانہ سرگرمیوں اور اُن کے علم و تحقیق کا سنجیدہ علمی تجزیہ کیا ہے اور مختلف عنوانات کے تحت جیسے، اسلام اور مسیحیت کی کشمکش، مسیحی مصنفین کی نظر میں آنحضرت محمد ﷺ کا مقام، مسلمان مصنفین اور مغربی افترا پرداز، جیسے مضامین لکھے۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اصل حقائق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ جرأت و قوت کے ساتھ مسیحی سوانح نگاروں کے مطاعن کا جواب دینے کی سعی بھی کی ہے۔ یہ جائزہ اگر چہ مختصر ہے لیکن یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ مستشرقین کی برپا کی ہوئی

تحریک استشراق کا قرار واقعی جواب اردو زبان وادب میں اب تک نہیں دیا گیا اور حقیقت یہ ہے کہ سر سیّد احمد خاں نے جس جوابی علمی تحریک کا آغاز کیا تھا اور جسے علامہ شبلی نعمانی نے موثر بنانے کا خواب دیکھا تھا وہ خواب ٹوٹ گیا اور اس تحریک کا رنگ آہستہ آہستہ پھیکا اور آہنگ روز بروز مدھم ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس ضمن میں اب سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ اُدھر مغربی یورپی مستشرقین کی سرگرمیاں تو لب ولہجہ کے فرق کے ساتھ تا حال جاری وساری ہیں اور اُن کے عزائم ومقاصد میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لیکن اِدھر ہمارے ہاں اس کا جواب دینے کا انتظام واہتمام صفر ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے مستشرقین کی علمی تحقیقات اور اُن کے معیار کی جو نشاندہی کی تھی اور اُن کی تصانیف کو جس طرح کذب وافترا کا دفتر قرار دیا تھا اُس کا تقاضا تھا کہ مستشرقین کی کتابوں کو کھنگالا جاتا اور تمام علوم اسلامی میں بالعموم اور سیرت الرسول ﷺ کے باب میں بالخصوص واقفیت تامہ حاصل کر کے اُن کی غلطیوں، بددیانتیوں اور تلبیس وتحقیق کا پردہ چاک کیا جاتا۔ اس سلسلہ میں بڑے پیمانہ پر ایک منظّم کام کا نقشہ بنایا جاتا مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہوسکا، بلکہ المیہ تو یہ ہے کہ اس مسئلہ کی اہمیت وشدت کو سمجھا ہی نہیں گیا اور نہ ہی ہمارے ہاں ایسے ادارے وجود میں آئے جو اعلیٰ سطح پر علم وتحقیق کی سرپرستی کرسکیں اور اُن کی کوششوں کو متحد ومنظّم کرسکیں جو انفرادی واجتماعی نیز نجی وسرکاری مختلف پیمانوں پر کی جاتی ہیں۔

ہماری ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں اُس معیار کی علمی وفنی تیاری نہیں پائی جاتی جو مستشرقین کا طرۂ امتیاز رہی ہے کہ مستشرقین کے حملوں کا دفاع محض عبارت آرائی یا جوابی الزام تراشی سے نہیں کیا جاسکتا بلکہ اِس کے لیے اُسی تیاری کی ضرورت ہے جس قسم کی تیاری خود مستشرقین نے کی تھی۔ مثلاً علم وتحقیق کے اداروں کا قیام، مختلف زبانوں کی تحصیل، تجسس وتفحص کے آداب، فنی مہارت اور جدید تکنیک سے واقفیت ،ادب وثقافت کا گہرا مطالعہ، ضروری علوم وفنون سے دلچسپی مشنری جذبہ، متعین مقاصد اور انتھک محنت و ریاضت وغیرہ۔ اس پہ مستزاد یہ کہ تحریک استشراق کو یک گونہ تقویت خود اُن مسلمان محققین وعلماء کے رویہ سے مل رہی ہے جو دنیائے مغرب کے مختلف اداروں میں حصول علم کے لیے جاتے ہیں اور اُن کے احوال ومناظر سے اس درجہ متاثر ومرعوب ہوجاتے ہیں کہ انھیں کے ہم نوا وہم آواز بن کے رہ جاتے ہیں۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ جوابی علمی تحریک کو نئے سرے سے منظّم کیا جائے اور مرحلہ اول میں مسئلہ استشراق کی نوعیت وحقیقت کو سمجھ لیا جائے اور یہ جائزہ لے لیا جائے کہ استشراق ومستشرقین کی تحریک

،اُس کے مقاصد اسباب ومحرکات،عہد بہ عہد ارتقاء اور اعلام ومشاہیر کی عام صورت کیا ہے۔تو اِن راہوں پر چلتے ہوئے مسلمان ایک تو فریضہ دعوت کی طرف متوجہ ہو جائیں گے دوسرے اہل مغرب کے سامنے اسلام اور پیغمبر اسلام کی اجلی صورت ابھر آئے گی جس کے مثبت نتائج کو سامنے آنے سے کوئی نہ روک سکے گا۔انشاءاللہ

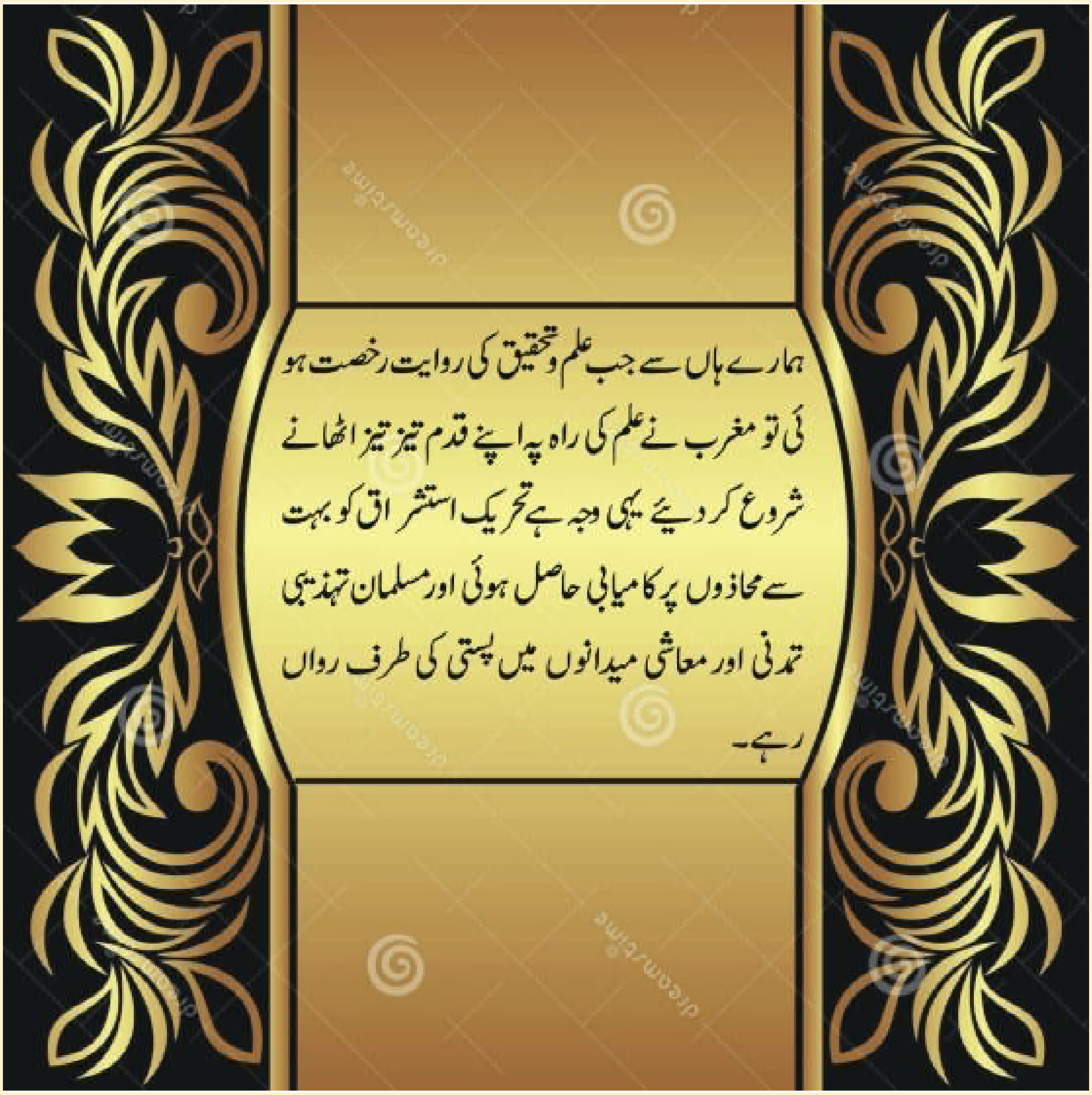
ہمارے ہاں سے جب علم و تحقیق کی روایت رخصت ہو
ئی تو مغرب نے علم کی راہ پہ اپنے قدم تیز تیز اٹھانے
شروع کر دیئے یہی وجہ ہے تحریک استشراق کو بہت
سے محاذوں پر کامیابی حاصل ہوئی اور مسلمان تہذیبی
تمدنی اور معاشی میدانوں میں پستی کی طرف رواں
رہے۔

تحریک استشراق، آج اور کل

مستشرقین نے اپنی قوم کو مسلمانوں کی خامیوں اور کمزوریوں سے آگاہ کر دیا تھا جس کا انھوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور جونہی طاقت کا توازن ذرا سا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلا تو اہل مغرب نے اپنا شکنجہ ان کے گرد کسنا شروع کر دیا۔ دنیائے اسلام پہ غلبہ حاصل کرنے کے لیے تحریکِ استشراق نے صدیوں جو خواب دیکھے تھے اب ان کی تعبیر کا وقت قریب تھا۔ کیونکہ مسلمان اب تساہل انتشار اور انارکی کا شکار تھے اگرچہ وہ آج بھی دنیا کے بہت بڑے حصے پہ پوری شان وشوکت سے حکومت کر رہے تھے۔ مگر اہل مغرب کے مستشرق کی شاطر نگاہ دور تک دیکھ رہی تھی اور وہ جانتی تھی کہ اب مسلمانوں کے اقتدار کا سورج نصف النہار کی منزل عبور کر چکا ہے اور اب یقیناً ہر گزرنے والا دن اس کے وقتِ زوال کو قریب لائے گا۔ انھوں نے اپنی قوم کو ضروری تیاری کے لیے مہمیز فراہم کی ان کے جذبات کو ابھارا اور ایسے تمام اقدامات کیے جن سے اسلامی دنیا پہ قبضے کی راہ ہموار ہو۔ انھوں نے مسلمانوں کے سیاسی، سماجی، دینی اخلاقی اور معاشی حالات کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ مسلمانوں کی تاریخ اور جغرافیے سے خود کو آگاہی باہم پہنچائی۔ اس کے علاوہ

انھوں نے عالم اسلام کے کونے کونے میں بکھرے علم ومعرفت کے ذخیرے اکٹھے کیےاوران کومغرب میں پہنچایا جہاں ان کے تراجم مقامی زبانوں میں کیے گئے تا کہ وہ اسلامی تہذیب وتمدن کودرست طور پہ سمجھنے کے بعد مغرب کے استعماری تسلط کی راہ ہموار کرسکیں۔ پھراس مہم میں تیزی آتی چلی گئی اور مسلمان مفکرین نے اسپین کی وسیع اور علمی سرزمین پرآج تک جو تحقیقی کام کیا تھاوہ تمام علمی ذخائرمغربی زبانوں میں منتقل ہو نے لگے اوران کے ہاں بھی تحقیقی اور سماجی شعور نے جنم لینا شروع کیا۔ مستشرقین کی کوششوں سے اہل مغرب کے ہاں اب اس معاشرے کا جنم ہو چکا تھا جس کوعلم دوست معاشرہ کہا جا سکتا ہےاوران کے ہاں بہت سے علمی مصادر عام ہونے لگے تھے متنوع موضوعات پہ مشتمل کتابوں کا ایک انبار تھا جس کا سامنا یورپ کاان پڑھ معاشرہ کرر ہاتھا۔

یہ مسلمانوں کے ہاں صدیوں سے موجوداحساسِ فتح کا ناقص ترین نتیجہ تھا کہ مسلمانوں میں علم کی طلب ذوقِ تحقیق اورفکری جستجوختم ہونے لگی۔ایک عمومی اطمینان کی کیفیت تھی جو عالم اسلام میں چہارسو چھائی ہو ئی تھی، ایک جمود تھا جس نے مسلمان سے فکرونظر ذوقِ جستجو اور تحقیق کے سب سوتے خشک کردیئے تھے جہاں کبھی ابن سینا، فارابی، حجۃ الاسلام امام محمد بن غزالی اورابن رشد جیسے محقق پیدا ہوتے تھے وہاں اب صدیوں سے فکری جمود نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے اور تاریخ کا مسلمہ اصول ہے کہ قوموں کے عروج وزوال کے پیچھے ان کا فکری زوال کارفرما ہوتا ہے۔ چنانچہ علم مسلمانوں کے ہاں سے رخصت ہونے لگا ۔پھرزیادہ عرصہ نہیں لگا کہ علمی اورفکری دنیا کا مرکز قرطبہ سے لندن منتقل ہوگیا۔کیمبرج اورآکسفورڈ نے جنم لیااور یورپ نے اپنی تاریخ کی وہ انگڑائی لی جسے لوگ آج نشاۃ ثانیہ(Renaissance) کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔پھرتحریک احیائے مذہب یا تحریک احیائے علوم (Reformation) شروع ہوئی۔

مغرب نے اپناوہ سفرشروع کیا جوآج تک جاری ہے مگرکتنے لوگ جانتے ہیں کہ ماڈرن سائیکالوجی کے بانی ڈیکارٹ نے امام غزالی کی کتابیں اپنے نام سے شائع کرالیں تھیں۔علم فلکیات،طب،تاریخ،جغرافیہ ،حکایات ریاضی اور فلسفہ کی ہزاروں کتابیں تھیں جن کو یورپ کے لوگ اپنے ناموں سے شائع کرار ہے تھےاوران کے معاشرے میں وہ علمی انقلاب جنم لے رہا تھا جس سے وہ کبھی آشنا نہ تھے۔اس طرح ملت اسلامیہ کا زوال اوراہل مغرب کا عروج شروع ہوا۔اگرچہ مسلمانوں ہی کی علمی جرأتوں اورافکار کی تازگی

نے اہل مغرب کو ترقی کی اس راہ پہ ڈالا مگر آج کے مسلمان نوجوان کو کوئی یہ بتانے والا نہیں ہے کہ اہل مغرب کا تمام تعمیری اثاثہ دراصل مسلمان اہل دانش کی اس بصیرت پر کھڑا ہے جو انھوں نے صدیوں کی محنت سے استوار کیا تھا۔تحریکِ استشراق نے جب اپنے مقاصد کو عملی شکل میں پورا ہوتے دیکھا تو انھوں نے اپنے بادشاہوں کو بھی اپنے رویہ پر نظرثانی پر مائل کرنے کی کوششیں شروع کردیں اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ انھوں نے بھی اپنا نقطہ نظر بدل لیا اور تحریکِ استشراق کی تاریخ میں پہلی دفعہ اب سیاسی اور سماجی ادارے بھی ان کی پشت پر کھڑے تھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بادشاہ بھی اسی علمی اور فکری مہم کا حصہ بن کے رہ گئے جو مستشرقین کا خواب تھا۔مثال کے طور پہ دیکھیں کہ فرانس کے بادشاہ لوئی چہاردہم نے تمام اسلامی ملکوں سے مخطوطات خریدنے کے لیے اپنے کارندے بھیجے۔اس دور کے مغربی حکمرانوں کے ہاں مشرقی علوم کے حصول یا مخطوطات جمع کرنے میں مقابلے کی اس فضاء کو جنم دیا جس نے آج کی مسلمان امت کو تہی دست بنا کے رکھ دیا۔دوسری طرف علم کی حفاظت اور محبت کا یہ عالم ہے کہ برلن ، پیرس ،میلانو ،روم ،لندن ،لیبزج ،لیڈن ،آکسفورڈ ،کیمبرج ،میونخ ،ڈبلن ایڈمبرا ،لینن گراڈ ،برٹش ایشیاٹک سوسائٹی اور اسکوریال کی لائبریریاں مخطوطات کی شکل میں مسلمانوں کے علمی ورثے سے بھری پڑی ہیں۔

مستشرقین نے علم کے حصول اور مسلمانوں کے تہذیب وتمدن کو باریکی کے ساتھ جانچنے کے لیے سفر کئے ،انجمنیں قائم کیں ،کانفرنسیں کیں ،غرض انفرادی اور اجتماعی سطح پر مسلمانوں کے اقتدار کو ختم کرنے کا ہر ہتھکنڈہ آزمایا گیا۔مستشرقین کی یہ سازشیں شاید کامیاب نہ ہوتیں مگر خود مسلمان مملکتوں کے اندر جو انتشار جنم لے چکا تھا اس نے بالآخر مستشرقین کے خوابوں کو حقیقت بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔چنانچہ مسلمان مقبوضہ جات ایک ایک کر کے اُن کے ہاتھ سے نکلتے رہے۔اگرچہ اسلام کو ختم کرنے یا تصورِ اسلام کو مکمل طور پہ مسخ کرنے کا خواب تو مستشرقین پورا نہ کر سکے۔تاہم ان کی اس عظیم الشان تحریک نے مسلمان کو سماجی سیاسی اور معاشی محاذوں پہ شکست سے دوچار کر دیا علم سے دوری کی وجہ سے نظام عالم پہ مغرب کا غلبہ بڑھتا رہا اور مسلم دنیا سکڑتی رہی اور ایک وقت وہ بھی آیا جب مسلمانوں کے تمام مقدس مقامات بھی مغربی نوآبادیوں میں شامل تھے۔دور دور تک اطالوی ولندیزی یا پھر انگریز قابض تھے۔تقریباً تمام مسلم ممالک اب مغربی نوآبادیوں میں ضم ہو چکے تھے۔ایک صدی سے زیادہ عرصہ اسی طرح گذر گیا۔مسلمان اگرچہ ہر جگہ مغلوب تھے مگر اپنے مقدس عقائد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور قرآن کی آفاقیت کا

تصور ایک لمحہ کے لیے بھی ان کے ہاتھ سے نہ نکلا۔یہی وجہ ہے کہ مستشرق کا یہ خواب کہ جلد یا بدیر وہ یا تو اسلام کو ختم کردیں گے یا پھر اسے عیسائیت کی ایک شاخ قرار دے کر اس میں ضم کردیا جائے گا پورا نہ ہو سکا۔حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی بنیادی اساس توحید نے ہر قدم پہ صیہونی عقائد کا راستہ روکا اور اسے اسلام کا حصہ بننے یا اسلام کو عیسائیت کا حصہ بننے سے روکا۔

پھر نو آبادیاتی نظامِ استبداد کی گرفت کمزور پڑنے لگی اور مسلمانوں کے اندر مغربی استعمار سے آزادی کی تحریکوں نے جنم لینا شروع کیا۔مغربی استعمار اب خود اندرونی خلفشار کا شکار تھا۔اطالوی اور ولندیزی طاقتوں میں باہمی مفادات الگ ہو چکے تھے اور مسلمان ممالک میں آزادی کی تحریکوں کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ اس کا ایک حل تو یہ تھا کہ اہل مغرب مسلمانوں کی بیداری کی اس لہر کو طاقت سے کچل دیں یا پھر مقبوضہ جات خالی کر کے نکل جائیں۔ابھی وہ اس مخمصے میں ہی تھے کہ دوسری جنگ عظیم نے ان کی اس طاقت اور اجتماعیت کو پامال کر کے رکھ دیا جس کی بدولت وہ گذشتہ کئی صدیوں سے دنیا کے بیشتر حصے پہ قابض تھے ۔چنانچہ اہل مغرب نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور اپنی نو آبادیات کو خالی کرنے لگے جہاں پھر سے مسلم ممالک ابھرنے لگے اور صرف ایک صدی میں اٹھاون مسلم ممالک دنیا کے نقشے پہ ابھر آئے۔

مستشرقین کا خواب پھر سے بکھر گیا مگر وہ ایک بار پھر سے نئے عزم کے ساتھ میدان میں اترے ہیں۔ان کی جانفشانی مثالی ہے اور وہ اپنے تصور کو آفاقی سمجھتے ہیں اس لیے ہر دور میں اپنے وجود کا ثبوت دیتے رہے ہیں۔اب کے انھوں نے نئے ہتھیاروں نئی چالوں اور نئے بہروپ سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ چنانچہ جن علاقوں پہ وہ حکمران تھے انھیں یونہی چھوڑ کر چلے جانے کا فیصلہ ان کے حکمرانوں کی سیاسی مجبوری رہی ہو مگر مستشرقین اپنی ہٹ کے پکے تھے وہ پھر سے اپنی چالوں میں مگن ہو گئے۔اب تک وہ مسلمانوں کے حکمران تھے اور ان کو دوسرے درجے کی مخلوق سمجھتے تھے اور ان سے ہر طرح کا سلوک روا رکھتے تھے۔مگر اب جب مسلمانوں نے پھر سے اپنے علاقوں کا کنٹرول سنبھال لیا تھا تو مستشرقین کی پہلی کوشش یہ تھی کہ وہ اس نفرت کا ازالہ کریں جو مسلمان اُن کے رویے کے باعث اُن سے کرتے ہیں۔اس لیے اب انھوں نے مسلمانوں کی دوستی اور خیر خواہی کا لبادہ اوڑھ لیا۔انھوں نے پوری کوشش کی کہ مسلمان جسمانی طور ان کے غلبے سے آزاد ہو کر بھی ان کی ذہنی غلامی سے آزاد نہ ہو پائیں۔اس کے لیے ضروری تھا کہ ایسی تمام چیزیں جو مسلمانوں کے دلوں میں اہل مغرب کے خلاف نفرت پیدا کرتی تھیں چھوڑ دی جائیں اور اُن

اثرات کو کم کرنے کی کوشش کی جائے جوان کے پیشروؤں نے کئی سو سال تک اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قلم و کتاب کی صورت چھوڑے تھے۔جن کی وجہ مسلمان اُن سے بری طرح متنفر تھے۔

گذشتہ ادوار کے مستشرقین کی کتابیں مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے عیسائیت سے بیزار کر سکتی تھیں اس لیے انھوں نے اب یہ انداز اپنایا کہ کئی مستشرقین نے تو سابقہ ادوار کے مستشرقین کی اصناف وافکار پر شدید تنقید کی اور دوسری طرف مستشرقین کا ایک گروہ ایسی کتابیں لکھنے میں مصروف ہو گیا جن میں اسلام اور اس کے اصولی موقف کو کسی حد تک سراہا گیا تھا۔انھوں نے بہت سے پہلوؤں سے افکارِ اسلام کی صداقت کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ اس کی توصیف وتعریف بھی کی۔مگر یاد رہے کہ ان مصنفین کا مقصد حق وصداقت کو تسلیم کرنا قطعاً نہ تھا۔بلکہ صرف اور صرف مسلمانوں کے علمی طبقات کی نظر میں اپنے عدل کا اظہار تھا اور ان کی کسی حد تک حمایت حاصل کرنا تھا۔ادھر مسلمان جب نو آبادیاتی نظام سے باہر آیا تو نہ اس کے پاس وسائل تھے اور نہ ہی علم کہ وہ جلد ہی امت کو اس کا کھویا ہوا وقار واپس دلا سکے۔چنانچہ خطہ ارض پہ مختلف مقامات پر اگر چہ اب مسلمان حکمران تھے مگر ان کی حالت ہر پہلو سے دِگر گوں تھی۔وہ غلامی کا طویل دور گذار کر آزاد ہوئے تھے اس لیے انھیں سمجھ نہ آ رہی تھی کہ کون سا راستہ امت کو درست سمت میں لے جائے گا۔ان میں باہمی اعتماد کا بھی فقدان تھا اور علمی معاشی اور سماجی پستی بھی ان کی ترقی کی راہیں روکے کھڑی تھی۔

اس لیے امت ابھی منتشر اجزا کا مجموعہ تھی جس کو اپنے سماجی اور معاشی ڈھانچوں کی تعمیر کے لیے کافی وقت درکار تھا۔وہ علمی طور پہ نہایت پست تھے جب کہ ان کے برعکس مستشرقین فوراً ہی فعال ہو گئے تھے یہی وجہ ہے کہ امت کے بہت سے طبقات مستشرقین کے اس نئے اور سفید چولے کے اندر چھپے زہر کا ادراک نہ کر سکے اور کئی لوگ منٹگمری واٹ اور تھامس کارلائل جیسے مستشرقین سے فوراً ہی متاثر ہو گئے اور مسلمانوں میں سے ایک گروہ تو ان کو منصف مزاجِ عالم، بے لاگ مبصر اور غیر جانبدار محققین کے خطاب دینے لگا۔تحریکِ استشراق کی تاریخ کے اس دور میں مستشرقین اپنی حکومتوں کے دستِ راست بن کے سامنے آئے۔ان کی پشت پہ ان کی ریاستیں کھڑیں تھیں اس لیے اب کے ان کے اہداف بھی بڑے تھے۔ان میں سے کئی تو اپنے اپنے ملک کی وزارت خارجہ کو براہ راست "ڈکٹیٹ" کرتے اور وہ مشیرانِ خصوصی خیال کیا جاتے۔ان کے نظریات اور تصورات پر خصوصی توجہ کی جاتی اور ان کے نشان زدہ مقامات کو ہدف بنایا جاتا۔مسلم ممالک اپنے اندرونی خلفشاروں انارکی اور سیاسی عدم استحکام کی بنا پر اور سب سے بڑھ کر تباہ

شدہ معاشیات کی وجہ سے آسانی سے مستشرقین کی خصوصی عنایات کا ہدف بننے لگے۔استعماری طاقتوں نے نوآبادیاں خالی کرتے ہوئے بھی مستشرقین کے مشوروں کی وجہ سے مسلمانوں پہ ایسے وار کیے کہ مسلم ممالک آج تک ان اثرات کے زیرِ اثر ہیں۔مثال کے طور پہ نصابِ تعلیم قوموں کی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور ہم اپنے مدارس میں آج تک وہی نصاب پڑھا رہے ہیں جو مستشرقین ہمیں جاتے جاتے عطا کر گئے تھے۔چنانچہ یہی وہ نصاب تھا یہی وہ نظام تعلیم تھا جس نے دین کو دنیا سے جدا کر دیا۔علوم جدیدہ کو مسلمانوں کے روایتی علوم سے الگ کر دیا گیا۔نصاب تعلیم کی اس تقسیم نے ملت کو منقسم کر دیا اور امت مسلمہ جس کی بنیاد ہی علم پہ قائم تھی وہ علم کے میدان میں اقوام عالم سے بہت پیچھے رہ گئی۔کبھی مسلمانوں کے ہاں رواج تھا کہ تین مضامین ان کے لیے لازمی تھے جس میں علم ہیت،طب اور قرآنی علوم شامل تھے۔

چناچہ مستشرقین نے جو زہر پھیلایا تھا یہ اسی کا اثر ہے کہ آج کے مسلمان کو عربی زبان اور دیگر علوم کی اعلیٰ تعلیم کے لیے مغرب ہی کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔آج ہمارے محققین دین کو سمجھنے کے لیے ان علمی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں جو مستشرقین کے وضع کردہ ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ استعماری طاقتوں کے چلے جانے کے باوجود بھی مسلمان عملاً انھیں کے غلام ہیں۔اگرچہ اب اس غلامی کی صورتیں بدل چکی ہیں۔اب استعماری طاقتیں کمزور اقوام کو سودی قرضوں کے چنگل میں کستی ہیں اور پھر ان ممالک کی داخلی اور خارجی پالیسیاں انھی کے اشارے پہ بنتی ہیں۔ظلم کی حد تو یہ ہے کہ ووٹ مسلمان ممالک کے شہری دیتے ہیں لیکن اقتدار اُسے ملتا ہے جو امریکہ کا منظورِ نظر ہو اسی زمانے میں قدرت نے مسلمانوں کو زرِ سیال کی دولت عطا کر دی یہ صورتِ حال اہل مغرب کے لیے بڑی تشویشناک تھی۔اس دولت کے ذریعے مسلمانوں کی اقتصادی حالت درست ہو سکتی تھی۔اور مسلمان اس اقتصادی طاقت کو سیاسی سماجی اور مذہبی معاملات میں بھی استعمال کر سکتے تھے اور یہ بھی ممکن تھا کہ یہ نئی دولت ایک مرتبہ پھر سے مسلمان کو ایک زندہ اور غیور قوم بنا دے جس کا نقصان سراسر اہل مغرب کو اٹھانا پڑتا۔چنانچہ وہ سوچ رہے تھے کہ اگر مسلمان جاگ گیا تو مغرب کی ذہنی اور اقتصادی غلامی سے آزاد ہو جائے گا۔اس سے قبل بھی وہ اپنے مذہب اپنی تہذیب اپنی زبان اور اپنے طرزِ حیات پہ فخر کرتا ہے اس لیے مغرب نہیں چاہتا تھا مشرق کا یہ نخچیر زبوں ان کے شکنجے سے آزاد ہو جائے اور ساری دنیا کو عیسائی بنانے کا خواب چکنا چور ہو کے رہ جائے

اہل مغرب اس روزِ بد سے خوف زدہ تھے جب مشرقی اقوام کے مقابلے میں اقوام مغرب کا نسلی برتری کا تخیلاتی محل دھڑام سے زمین بوس ہو جائے۔ چنانچہ اہل مغرب اس سنگین صورت حال کو کسی خاموش تماشائی کی طرح نہیں دیکھ سکتے تھے اس لیے انھوں نے کچھ کرنے کا فیصلہ کیا اور ہمیشہ کی طرح اب بھی مستشرقین ہی ان کے کام آئے۔ مستشرقین نے اب اپنے کام کو جدید بنیادوں پہ استوار کرنے کا تہیہ کر لیا تھا اس لیے اس نے روایتی ہتھکنڈوں کی بجائے جارحانہ اقدام کے لیے منصوبہ بندی شروع کر دی۔ مستشرقین نے اب اسلام کے روایتی مطالعے کی بجائے دورِ حاضر کے مسلمان معاشروں میں پائے جانے والے رجحانات کا تفصیلی مطالعہ شروع کر دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اب ان کے مطالعے کا مرکز پورا مشرق نہ تھا بلکہ وہ خاص معاشرے تھے جہاں قدرت نے تیل کے وسیع ذخائر پیدا فرما دیئے تھے۔ اب مستشرقین نے ایشیاٹک سوسائٹیاں بنانے کی بجائے مشرق وسطیٰ کے نام سے سوسائٹیاں قائم کرنا شروع کر دیں۔ چنانچہ مستشرقین اس دور میں جو کام کر رہے ہیں گو وہ خفیہ ہے مگر اس کے اثرات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔

چنانچہ وہ اسلامی ممالک جن میں رزِ سیال کی دولت ہے جہاں کی زمین سے سیاہ سونا نکلتا ہے، جہاں کے لوگوں کے مقدر پہ اللہ نے اپنی رحمت کا خاص سایہ کیا ہوا ہے وہی ممالک اب اہل مغرب اور ان کے مستشرق کا ہدف ہیں۔ اہل مغرب دنیا میں جمہوریت کا راگ الاپتے نہیں تھکتے۔ وہ خود کو شہنشاہیت کا دشمن قرار دیتے ہیں اور اسے دورِ غلامی سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر ان کے رویے کی دوغلی پالیسی پہ انسان ششدر رہ جاتا ہے کہ تیل پیدا کرنے والے مسلم ممالک کے لیے وہ جمہوریت کو پسند نہیں کرتے بلکہ ان ممالک پہ (ایران کے سوا) عام طور پہ وہی لوگ حکومت کرتے ہیں جو امریکہ کے مفادات کا دلجمعی سے تحفظ کر سکیں۔ اول تو انھوں نے مسلم ممالک خاص طور پہ تیل پیدا کرنے والے مسلم ممالک کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم کر رکھا ہے اور ہر ریاست میں ایک شاہ امریکہ کی غلامی کر رہا ہے۔ صلیبی جنگوں سے ہی اہل مغرب نے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے اپنی عورتوں کو استعمال کرنے کا طریقہ جاری رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عرب ریاستوں کے حکمرانوں کی ایک بغل میں گوری چمڑی والی ایک عورت ہوتی ہے اور دوسری بغل میں اسی گوری عورت کی لائی ہوئی شراب یہ عورتیں بھی مستشرقہ ہیں جو اپنے ممالک کے مفادات کا تحفظ اپنے بے پناہ حسن اور شہوانی حرکات سے کرتی ہیں۔ اہل مغرب کسی صورت تیل پیدا

کرنے والے ممالک میں جمہوری نظام حکومت قائم نہیں ہونے دینا چاہتے اس لیے کہ اگر ان ممالک میں جمہوریت قائم ہو جائے تو ان ممالک کی داخلی اور خارجی پالیسیوں پر امریکہ کا کنٹرول ختم ہو کے رہ جائے گا۔ ماضی قریب میں ہم نے دیکھا کہ تیس سے زیادہ تیل پیدا کرنے والے مسلم ممالک میں سے صرف ایران ایک ایسا ملک ہے جس نے ایک طویل جدو جہد اور لازوال قربانیوں کے ذریعے امریکہ کے شاہ کو بمشکل اپنے ملک سے نکال باہر کیا اور وہاں ایک ایسی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوا جو عوامی امنگوں کی امین ہو۔ چنانچہ صرف ایران ہی ایک ایسا ملک ہے جس نے مغربی استعمار سے مکمل نجات حاصل کی ہے اور اپنے ہاں ان نظریاتی بنیادوں کو مستحکم کیا ہے جن کی بنا پہ ایران میں ایک عظیم اسلامی انقلاب رونما ہوا۔

چنانچہ مستشرق ایک بار پھر سے متحرک ہوئے اور عراق کو اکسا کر ایران پہ حملہ کرا دیا اس طرح دو تیل پیدا کرنے والی طاقتیں اپنے وسائل اس لا حاصل آگ میں جھونکنے لگیں جو مستشرق کے شاطر ذہن نے جلائی تھی۔ اس آٹھ سالہ طویل جنگ میں دونوں ملکوں کو بے پناہ جانی اور مالی نقصان کا سامنا تھا مگر باقی ساری اسلامی دنیا سوائے تماشا دیکھنے کے اور کچھ نہ کر سکی۔ پھر عراق ہی کے ذریعے کویت پہ حملہ اور پھر کویت کی حمایت میں عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا اور وہاں پر اپنے فوجی اڈے قائم کرنا بھی تیل کے اسی خطرے سے نمٹنے کی ایک صورت تھی۔ چنانچہ آج کے مسلمان کو کسی خوش فہمی میں نہ رہنا چاہیے کہ اہل مغرب آسانی سے مسلمانوں کو کبھی اس بات کی اجازت دیں گے کہ وہ اپنی تیل کی دولت اپنی عوام کی مرضی اور امنگوں کے مطابق خرچ کر سکیں گے۔ اہل مغرب کی یہ استحصالی پالیسی اس وقت تک جاری رہے گی جب تک اسلامی ممالک اپنے رویوں کی از سر نو تعمیر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ ان کے عوام زندگی کی بنیادی سہولتوں کے حصول میں اس وقت تک ناکام رہیں گے جب تک ان کے ہاں شاہی استحصال جاری ہے۔ وہ اس وقت تک سیدھے سیدھے خود کو امریکہ یا مغرب کی غلامی میں سمجھیں جب تک ان کے ممالک میں معروف دستور کے مطابق جمہوری حکومتوں کا قیام عمل میں نہیں آتا۔ جب تک مسلمان اپنے دوست اور دشمن میں تمیز کرنا نہیں سیکھ جاتا، جب تک وہ ایک آزاد قوم کی طرح دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا حوصلہ اپنے اندر نہیں پاتا اس وقت تک وہ مغرب کا غلام ہے اور مستشرق کامیاب ہے۔ تیل پیدا کرنے والے ممالک کے آمرانہ نظام حکومت اور شہنشاہیت کی روایتی بے حسی نے مسلم

ممالک کو مغرب سے آزادی حاصل ہو جانے کے بعد بھی اس کے حقیقی ثمرات سے مستفیض نہ ہونے دیا اور آج کا مستشرق اتنا دیدہ دلیر ہے کہ اس نے مسلمان کی بے حسی کو ماپنے کے بعد اب اپنی کاروائیوں پہ اخلاقی پردہ ڈالنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ آج ہم جس دور سے گزر رہیں ہیں اس میں مغرب کی طاقت اور مغرب کا مستشرق کھل کے مسلمان کے سامنے کھڑا ہے مگر مسلمان کی ہمت نہیں ہوتی کہ اسے للکار سکے۔ ان دنوں روز پاکستان کی آزادی اور خودمختاری کو پامال کیا جاتا ہے۔ روز ہمارے قبائلی علاقوں میں بے گناہ خون بہتا ہے مگر پوری دنیا اور خاص کر اسلامی دنیا میں کوئی آواز ایسی نہیں جو اس ظلم کی مذمت میں چار لفظ ہی اپنی زبان پہ لا سکے۔ آج کا مستشرق اپنے ہاتھ میں ہتھیار سجائے اسلام کے شجرہ طیبہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش میں مصروف عمل ہے۔

سارا مغرب اس کی پشت پہ ہے اور وہ اس شمع کو گل کرنے کی کوشش میں ہے جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے روشن کیا۔ مسلمان کو تلوار اور قلم سے گھائل کرنے کی کوششیں اگرچہ پندرہ صدیوں سے جاری ہیں مگر خدا کی قدرت ہے کہ منزل اہل مغرب کے قریب سے گذر جاتی ہے اور مسلمان پھر سے اپنے مرکز کی طرف لوٹ آتا ہے۔ آج بھی کوئی گیلپ سروے کیا جائے تو اٹھانوے فیصد مسلمان اپنے عقائد اپنی تہذیب اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں۔ اس لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ مغرب کبھی اس شمع کو گل کرنے کی کوششوں میں کامیاب ہو سکے جو اس کے مستشرق کا صدیوں پرانا خواب ہے۔ مایوسی کی اس لیے کوئی ضرورت نہیں کہ اللہ نے خود اپنی کتاب میں مسلمان کو یہ خوشخبری دے رکھی ہے کہ کوئی طاقت اسلام کی شمع کو گل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الحجر 9/15)

ترجمہ:

”بے شک ہم نے اتارا ہے اس ذکر (قرآن) کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں“

****

چنانچہ بیسویں صدی کے آغاز میں ہی بہت سے مسلم ممالک میں اسلامی تحریکیں زور پکڑنے لگیں۔ ہندوستان کی تقسیم بھی ایک ایسی ہی تحریک کا ردعمل تھا جس کے نتیجے میں پاکستان کا وجود اسلامی دنیا میں نمودار ہوا۔ اس کے علاوہ بھی جو ممالک مغربی استعمار سے آزاد ہوئے وہاں کے لوگوں نے دین سے اپنی محبت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی حکومتوں پہ زور دیا کہ وہاں دین اسلام کے مطابق نظام حکومت قائم کیا جائے۔ مصر اور افریقہ کے کئی ممالک اس کی روشن مثال ہیں۔

تاہم افغانستان اور ایران اپنے دوسرے بھائیوں سے قدرے آگے رہے اور ان ممالک میں اسلامی نظام حکومت قائم ہوا۔ مگر مستشرق کے لیے یہ لمحہ موت کے لمحے سے کم نہ تھا۔ چنانچہ اس نے 9/11 کا ڈرامہ کھیلا اور افغانستان اور اس کے بعد عراق کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ چونکہ طاقت کا توازن ان کے حق میں تھا اس لیے وقتی طور پہ یہ مسلم ممالک مغلوب ہوئے۔ مگر پھر فوراً ہی سنبھل گئے اور ان دونوں ممالک میں شدید مزاحمت نے جنم لیا اور آج جب اس حملے کو سات سال بیت چکے ہیں پوری دنیا جانتی ہے کہ امریکہ اور مغرب کو وہاں ناکامی کا سامنا ہے۔ آج فرانس، اسپین، اٹلی، جاپان اور پاکستان کے ساتھ ساتھ خود امریکی عوام نے بھی ان حکمرانوں کو ان کے گھر بھیج کر یہ ثابت کر دیا کہ امریکہ اور مغرب کی پالیسی ناقص اور عمل گیا گذرا تھا جس نے صرف انسانی خون بہایا اور اس سے انسانیت یا مغرب کسی بھی طرح کا کوئی مفاد حاصل نہیں کر سکا۔ ملت اسلامیہ میں اسلام پسند قوتیں زور پکڑ رہی تھیں اور یہ حالات مغربی مستشرق کے لیے پریشان کن تھے۔ چنانچہ اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے مغرب کی سیاسی اور عسکری طاقتوں نے مستشرقین کو نیا لائحہ عمل مرتب کرنے کا حکم دیا کہ ملت اسلامیہ کا یہ نیا رجحان مغرب کے لیے ایک ایسا خطرہ بنتا جا رہا تھا جس کی زد میں براہ راست اسرائیل کی وہ ناجائز ریاست بھی آتی تھی جس کے قیام کا مقصد ہی صرف اور صرف مسلمانوں کے سینے پر مونگ دلنا تھا۔

چنانچہ مسلمانوں کی ملی بیداری سے یہ صیہونی ریاست تباہ ہو کے رہ جاتی۔ اس موقع پہ مستشرقین ایک مرتبہ پھر استشراقی، صیہونی، تبشیری اور استعماری آرزوؤں کے محل کی حفاظت کے لیے میدان میں آ گئے اور انھوں نے مسلمانوں کے لیے دہشت گردی اور بنیاد پرستی کی نئی اصطلاحات متعارف کرائیں۔ الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے اس کی اتنی تشہیر کی گئی کہ مسلمانوں کا ایک گروہ بھی ان کا ہمنوا ہو گیا حالانکہ دنیا کے کسی معروف پلیٹ فارم سے آج تک ان حدود کا کوئی تعین نہیں کیا گیا جن میں طاقت کے استعمال کو دہشت

گردی قرار دیا جاسکے۔ مسلمان کچھ تو پہلے ہی اہل مغرب کی سیاسی عسکری اور معاشی برتری کے مقابل ایک خودساختہ احساس کمتری کا شکار ہیں۔ اس لیے آج بہت سے مسلمان اس امر پہ شرمندہ سے نظر آتے ہیں کہ وہ مسلمان کیوں ہیں۔ مگر وہ لوگ یہ سوچنے کے لیے تیار نہیں کہ دنیا کے چالیس ممالک اپنی فوجی طاقت جمع کر کے افغانستان پہ حملہ کرتے ہیں تو وہ دہشت گرد نہیں مہذب ہیں، عراق میں ایک ملین سے زیادہ لوگوں کا خون بہایا جاتا ہے جن میں تین لاکھ معصوم بچے شامل ہیں تو خون بہانے والے مہذب ٹھیرے اور جن کا خون بہتا رہا ان کا نام دہشت گرد ہے۔

اہل مغرب کا کیا عجیب معیارِ عدل ہے جس کو آج دنیا تہذیب کا گہوارہ کہتی ہے۔ گذشتہ بیس سال میں مسلمان کا جتنا خون اس دھرتی پر بہا ہے اس کا ذمہ دار جہاں مغرب کا مستشرق ہے وہیں مشرق کا حکمران طبقہ بھی ہے انشاء اللہ روز محشر وہ انھیں کے ساتھ اٹھے گا جن کا ساتھ انھوں نے اس دنیا میں ساتھ دیا۔ آج کشمیر لہولہان ہے تو بوسنیا کے زخم بھی ابھی تازہ ہیں، افغانستان لہولہو ہے تو عراق میں بھی بہتے خون کی بے انتہا فراوانی ہے، فلسطین زخم زخم ہے تو شام اور لیبیا بھی اپنے لاشے اٹھانے کے لیے تیار رہیں، پاکستان کا شمال قطرہ قطرہ لہو کا خراج مانگ رہا ہے اور خود اپنی ہی افواج سے برسرپیکار ہے تو الجزائر میں بھی خون بہتا رہے گا، اِک تسلسل ہے خون کی ایک باڑ ہے لہو رنگ رت کے آثار ہیں جو سارے عالم اسلام پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔

اگر مصر میں اسلام پسند دین حق کے شجر کی آبیاری اپنے لہو سے کر رہے ہیں تو پاکستان میں لال مسجد [*5] کے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کی روحیں بھی ان حکمرانوں کو چین نہ لینے دیں گی جو مستشرق کے ہاتھوں کا کھلونہ بنے۔ ان کو حساب دینا ہوگا آج بھی اور کل بھی، مغرب کا مستشرق یہ جان لے کہ یہ شمع کبھی بجھنے والی نہیں، ان کی قوتیں اس پتھر سے سر ٹکرا کر خود ہی پاش پاش ہو جائیں گی۔ اسلام کی حقانیت اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی موجودگی میں مسلمان کا دو فیصد طبقہ جو مغرب کی غلیظ پالیسیوں کا حصہ ہے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ تاریخ اس بات پہ گواہ ہے کہ اسلام ہی ایک زندہ مذہب ہے اور کسی زندہ مذہب کے پیروؤں کو سطحی ہتھکنڈوں سے اپنے نظریات ترک کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اس قوم کے لیے مایوس ہونے کا کیا جواز ہے جس کو محمد رسول اللہ ﷺ نے بشارت دے دی ہو کہ بڑی جنگ میں اسی کو فتح ہوگی۔ شام اور فلسطین کے پتھر بولیں گے دیواریں بولیں گی، درخت بولیں گے چھتیں بولیں گی، دلان

بولیں گے کہ: اے مسلمان میرے پیچھے ایک یہودی چھپا ہوا ہے اس کو پکڑ اور قتل کر، الحمد وللہ

مستشرق کی اقسام

صدیوں پہ محیط مستشرق کی تاریخ مختلف مذاہب اور نظریات پہ عمل کرنے والے لوگوں پہ مشتمل رہی ہے اس لیے ضروری تھا کہ حالات کے ساتھ مستشرق کا طریقہ کار اور مقاصد بھی بدلتے رہیں۔اس لیے ہر زمانے میں مستشرق اپنا چولا بدلتا رہا۔کل اگر وہ سفید لبادہ پہنے لوگوں کا مفت علاج کر رہا تھا تو آج دنیا کو دہشت گردی سے آزاد کرانے کا عزم لیے اسلام کی بنیادوں پر حملہ آور ہے۔یاد رہے اس ہمہ پہلو تحریک کے دامن میں کئی اچھے کام بھی موجود ہیں جو بری نیت سے کیے گئے اور اچھے مستشرق بھی موجود رہے ہیں جنہوں نے علمی سطح پر گراں قدر خدمات سرانجام دیں ہیں۔تاہم ان کی اکثریت نے بنی نوع انسان کو فکری بے اعتدالی،نظریاتی بے راہ روی اور مادیت کے تحفوں ہی سے نوازا ہے۔اسلام کے خلاف اس کھلے محاذ کو مستشرق نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔یعنی استشراق،تبشیر اور استعمار۔عمومی تاثر یہ ہے کہ یہ تین مختلف تنظیمیں ہیں اور یہ سب اپنے اپنے دائرہ عمل میں مصروفِ کار رہتی ہیں۔تاہم مغرب کے جارحانہ

عمل اور عزائم نے اس تاثر کو زائل کردیا ہے اور ان تنظیموں کا باہمی تعلق اب کسی سے چھپا ہوا نہیں۔ان کا دائرہ عمل اگرچہ مختلف ہے مگر ان کا باہمی ارتباط ان کے مقاصد میں اشتراک کو ظاہر کرتا ہے۔مبشرین وہ ہیں جنہوں نے عیسائیت کی تبلیغ واشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے۔ان کا سب سے اہم کام اسلام کے مقابلے میں عیسائیت کی حقانیت کو ثابت کرنا ہے ان کا میدان سراسر علمی ہے چنانچہ وہ علمی میدان میں اپنے افکار کا اندھیرا پھیلا رہے ہیں۔دوسرا گروہ استعمار پر مشتمل ہے جن میں مغربی سیاست دان سفارتکار اور فوجی حکمران شامل ہیں جن کا مقصد مشرقی ممالک پر استعماری غلبے کی کوششیں کرنا ہے۔جس میں گذشتہ صدیوں میں انھوں نے کافی کامیابیاں بھی حاصل کی ہیں اور جو لوگ علم اور انسانی خدمت کا لبادہ اوڑھ کر مصروفِ عمل ہیں وہ مستشرق کہلاتے ہیں اور ہم یہاں اسی گروہ اور ان کی مختلف اقسام پر بحث کررہے ہیں ان کو کئی مختلف گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جن کی مختصر تفصیلات ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

یہودی اور عیسائی علماء نے روزِ اول سے اسلام دشمنی کو اپنا مقصد بنا رکھا ہے۔تحریکِ استشراق کی تاریخ کے کسی بھی دور کا مطالعہ کیا جائے اور اس کے مختلف طریقہ ہائے کار میں سے جس کا بھی تجزیہ کیا جائے وہاں متعصب یہودی اور عیسائی مختلف بھیسوں میں مصروفِ کار نظر آتے ہیں۔مستشرقین نے ہر محاذ سے اسلام پر حملے کیے ہیں جن کی تفصیل اتنی طویل ہے کہ بیان کرنا مشکل ہے۔یوحنا دمشقی کی اسلام کے خلاف کتابیں قرطبہ کے شہیدوں کی پیغمبرِ اسلام کی شان میں گستاخی کی منظم تحریک، پمپلونا کی خانقاہ میں لکھی جانے والی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرضی سوانح عمری جس نے قرونِ وسطیٰ کے مستشرقین کو توہین رسالت کے لیے بنیادی مواد فراہم کیا۔پطرس محترم کی نگرانی میں ہونے والا ترجمہ قرآن جس میں مستشرقین نے اپنی علمی بددیانتی کے وہ نشان چھوڑے ہیں جن پہ آج کا مستشرق شرمندہ نظر آتا ہے۔علوم اسلامیہ کو یورپ کی زبانوں میں منتقل کرنے کی تحریک بھی انھی مستشرقین نے شروع کی تھی تاکہ وہ اسلام پہ تنقید کے نئے پہلو تلاش کرسکیں۔پھر صلیبی جنگوں کا مہیب سلسلہ ہے جو مستشرقین کی کوششوں کا ہی ثمر تھا۔اگرچہ وہ ثمر ان کے لیے اتنا کڑوا ثابت ہوا کہ وہ صلاح الدین ایوبیؒ کے ہاتھوں اپنے مقدس مقامات تک کھو بیٹھے۔قرآنِ حکیم کی حیثیت میں تشکیک پیدا کرنا، ذخیرہ احادیث کے بارے میں لوگوں کے اذہان میں شکوک وشبہات پیدا کرنا مسلمان کے دلوں سے اسلام کی محبت کو کم کرنا، اگر مسلمان عیسائی بننے پر آمادہ نہ ہوں تو ان کو اپنے دین سے بیگانہ کرنے کی کوششیں، اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پہ بے بنیاد حملے، مستشرقین کی ان تمام کوششوں کے پیچھے عیسائی راہبوں پادریوں اور یہودی علماء کا ہاتھ نظر آتا

ہے جن کے ذہن مذہبی تعصب کی آگ میں جل رہے تھے اور تعصب کوئی سا بھی ہو انسان کو اندھا کر کے چھوڑتا ہے اور اس کو حق کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا چاہے وہ سورج کی طرح ہی عیان اور روشن کیوں نہ ہو۔ میرے پیش نظر ان کے خبث باطن کی غماز بہت سی تحریریں ہیں جنہیں تحریر کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس لیے کہ کیچڑ میں اترنے سے گندگی اور بدبو کے سوا حاصل کچھ بھی نہیں ہوتا۔ بس ان کا حال ایسا سمجھ لیں جو آسمان پر تھوکنے والوں کا ہوا کرتا ہے۔ اگرچہ ان کے دماغ میں اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہر لحہ آگ سلگتی رہتی ہے مگر ان کو کم ہی مواقع نصیب ہوتے ہیں جب وہ اللہ کے دین کے خلاف کوئی دلیل لا سکیں۔ اس لیے مجھے نہیں یاد پڑتا کہ مستشرقین کی پوری تاریخ میں وہ کسی راسخ العقیدہ مسلمان کو راہ سے بھٹکانے میں کامیاب ہوئے ہوں۔ نظریاتی اور عقائدی محاذ پر قادیانیت کو ان کی بڑی کامیابی قرار دیا جا سکتا ہے اگرچہ مسلمانوں نے ان کو جب اپنے وجود سے کاٹ کر پرے پھینک دیا تو ان کی یہ کوشش بھی رائیگاں ہو کے رہ گئی۔ اسلام نے یہود و نصاریٰ کو ہر میدان میں شکستیں دیں ہیں۔

عسکری لحاظ سے وہ کبھی بھی مسلمانوں کی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکے۔ آج بھی جہاں مٹھی بھر راسخ العقیدہ مسلمانوں کا سامنا ان کی جدید ہتھیاروں سے لیس افواج سے ہوتا ہے تو اللہ کے فضل و کرم سے مسلمان کی برتری واضح نظر آتی ہے۔ جیسا کہ چند سال قبل عرب شیخ حسن نصراللہ کے چند ہزار جانبازوں نے اسرائیل کی جدید ہتھیاروں سے لیس فوج کو ناکوں چنے چبوا دیئے اور اس دنیا کے مہیب اتحاد نیٹو کو افغانستان میں مٹھی بھر طالبان نے گھیر رکھا ہے اور دنیا کو بتا دیا ہے کہ آج بھی مسلمان سے لڑنا ممکن نہیں۔ اگرچہ ہمارے حکمرانوں کا رویہ اسلام پسندوں اور اسلامی تحریکوں سے مستشرقین جیسا ہی ہے اس لیے کہ اسلامی دنیا میں دور دور تک کوئی ایسا حکمران نظر نہیں آتا جو حقیقی معنوں میں اسلام سے سچی محبت کرنے والا ہو اور یہی امت کے پارہ پارہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ مستشرقین نے دین اسلام پہ جو حملے کیے ہیں ان کا عکس مسلمانوں کے گمراہ فرقوں کی تحریریں فراہم کرتی ہیں ان کو اپنے مطلب کی کچھ موضوع احادیث مل جائیں تو وہ ان کی طرف جھپٹتے ہیں اور پھر ان کو بنیاد بنا کر وہ اپنے تخیل کے زور سے اسلام کو بدنام کرنے کی انتہائی کوشش کرتے ہیں اور تاثر یہ دیتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کے لیے ان کے پاس بڑے معتبر دلائل ہیں۔ وہ ان بے بنیاد دلائل کے مقابلے میں قرآن حکیم کی نصوص معتبر احادیث اور مسلم علماء کے اقوال کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مستشرقین کے اس طبقے نے جو رویہ اپنایا ہے اس

کے اسباب تاریخی ہیں وہ اس روز سے اسلام کے خلاف اپنے دل میں زہر محسوس کرتے ہیں۔ جب ان کو جزیرہ عرب سے بے دخل کیا گیا تھا اور وہ نسل در نسل اس زہر کو اپنی نسلوں میں منتقل کرتے رہے ہیں۔ خطہ عرب میں عیسائیت اور یہودیت کے پھیلنے اور بڑھنے کے بھرپور امکانات موجود تھے جس کو اسلام کی آمد نے ختم کر دیا۔ پھر بت پرستوں کے مقابلے میں اہل کتاب ہونے کی وجہ سے یہود و نصاریٰ کو جو سماجی برتری حاصل تھی اسلام نے اس کو بھی ختم کر دیا اس لیے کہ تمام بت پرستوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

اہل کتاب کے علماء اور راہب عرب معاشرے میں سماجی برتری اور مادی تعیش کی زندگی گذار رہے تھے مگر اسلام کی آمد نے ان کو نہ صرف تنگ دست کر دیا بلکہ اپنی نارواحرکتوں کی وجہ سے بالآخر ان کو جزیرہ عرب سے نکال باہر کیا گیا۔ چنانچہ اہل کتاب اپنے دل میں اسلام کے خلاف نفرت پالتے رہے جس نے گذرتے وقت کے ساتھ تحریک استشراق کا روپ دھار لیا اسلام اور اس کے پیروؤں نے ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جس کو اہل کتاب نے رد کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام نے نہ صرف عرب وحجاز میں یہود و نصاریٰ کا وقار ختم کیا بلکہ ان سے کئی ممالک بھی چھین لیے گئے اور ان کی بہت بڑی اکثریت نے بھی اسلام قبول کر لیا جس کی وجہ سے یہود و نصاریٰ کے علماء کے سینوں میں اسلام کے خلاف بغض کی آگ بڑھکنے لگی۔ اہل کتاب اور مستشرقین کی مسلسل ناکامیوں نے اسلام دشمنی کے اس پودے کو تناور درخت بنا دیا جس کا بیج طلوع اسلام کے ساتھ ہی ان کے دلوں میں بو دیا گیا تھا ان کے حسد کینہ بغض اور سفلہ پن کی اس وقت کوئی انتہا نہ رہی جب اسلام اس رنگ میں جلوہ گر ہوا جس کو پروردگارِ عالم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ ابراھیم 14/ آیات 24،25)

ترجمہ:

”آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ کیسی عمدہ مثال بیان کی ہے اللہ تعالیٰ نے کہ کلمہ طیبہ ایک پاکیزہ

درخت کی مانند ہے جس کی جڑیں بڑی مضبوط ہیں اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں اور وہ دے رہا ہے اپنا پھل ہر وقت اپنے رب کے حکم سے اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ انہیں خوب ذہن نشین کر لیں''۔

****

پھر ان مستشرقین کی آنکھوں کے خواب ایک ایک کر کے ٹوٹتے رہے اور انھوں نے دیکھا کہ اسلام نے ان سے بیت المقدس کی سرزمین بھی چھین لی اور ان کے جھنڈے اسپین اور سسلی کے جزیروں پر بھی لہرانے لگے ہیں اسلام کی فوجیں جب یورپ کے دروازوں پر دستک دے رہی تھیں تو انھوں نے اپنی صلیبیں گلے میں تلواریں ہاتھوں میں لیں اور مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نکل کھڑے ہوئے مگر جلد ہی ان پہ انکشاف ہوا کہ وہ کبھی بھی عسکری میدانوں میں مسلمانوں کو شکست نہ دے سکیں گے صلیبی جنگوں میں مسلسل شکستوں کے بعد انھوں نے ہتھیار اپنے ہاتھ سے رکھ دیئے اور قلم کاغذ کے ذریعے اسلام کے خلاف مصروفِ عمل ہو گئے۔ جب ان کے زہریلے لٹریچر نے مسلمانوں کو اپنے دین سے بیگانہ کر دیا اور وہ کمزور ہو گئے تو یہی لوگ پھر عادل اور رحم دل حکمرانوں کے روپ میں اسلامی ممالک پر چھا گئے۔ انھوں نے مسلمانوں کو اپنے دین سے دور اور عیسائیت سے قریب کرنے کے لیے کتابیں لکھیں۔ مشن کے نام پر مشنری سکول اور کالج قائم کیے ہسپتال قائم کیے اور ان میں مریضوں کا مفت علاج کرنے کا ڈھونگ رچایا۔ خیراتی ادارے اور تنظیمیں قائم کیں اور اپنے آپ کو دکھی انسانیت کا سب سے بڑا ہمدرد ظاہر کر کے دنیا کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ صرف ان کا دین ہی اپنے دامن میں دکھی انسانیت کے لیے نجات اور فلاح کی خوشخبری لے کر جلوہ گر ہوا ہے۔ انھوں نے ہسپتالوں میں مریضوں کی جسمانی بیماریوں کا علاج کیا مگر روحانی طور پہ ان کا اثاثہ چھین لیا۔ انھوں نے مشن سکولوں میں بچوں کو تعلیم دینے کے بھیس میں ایک ایسی نسل تیار کر دی جس کو اسلام سے واجبی سی دلچسپی بھی نہ تھی پھر انھی خاص لوگوں کو اپنے وسائل استعمال کرتے ہوئے ہم پہ حکمران بنا دیا۔ حقیقت یہ ہے مستشرقین کا یہ قافلہ کل بھی مصروفِ عمل تھا اور آج بھی

اس کی سرگرمیاں جاری ہیں کبھی اس نے علانیہ اور کبھی خفیہ طور پہ زہر کا پیالا پلایا اور مسلمانوں کی سادہ دلی کے کیا کہنے کہ وہ یہ زہر پیتا ہی رہا۔

کلیسا کے دورِ استبداد یعنی قرونِ وسطیٰ کے زمانے میں جب کلیسا اور سائنسی علوم میں زبردست محاذ آرائی برپا تھی اور کلیسا نے اپنی طاقت کے ذریعے اٹھنے والی ہر علمی آواز کو دبانے کا تہیہ کر رکھا تھا اس وقت عیسائیوں میں ایک ایسے طبقے نے جنم لیا جو صرف عیسائیت کے ہی خلاف نہ تھا بلکہ اس کے نزدیک تمام مذاہب خرافات کا پلندہ تھے ان کو ملحدین کہا جاتا ہے۔اس دور میں یورپ کا اقتدار عملاً کلیسا کے ہاتھ میں تھا اور وہ کوئی بھی ایسی آواز جو کلیسا کے معتقدات کے خلاف ہو اسے اٹھنے سے پہلے ہی دبا دیتے تھے۔مگر علم کی پیاس انسانی فطرت ہے اور انسان تہذیب کے کسی بھی دور میں علم سے دور نہ رہ سکا، چاہیے وہ کلیسا کا استبدادی دور ہی کیوں نہ ہو۔مگر علم کی پیاس رکھنے والے لوگوں کے ساتھ پاپائے روم نے جو سلوک روا رکھا ہوا تھا اسے ایک مغربی مورخ ڈاکٹر ڈریپر کچھ اس طرح بیان کرتا ہے۔

”پاپائے روم کے ہاں ہر وہ عیسائی بھی کافر تھا جو کلیسائی ذہن سے بالاتر ہو کر سوچتا ہو علمی کتابیں لکھتا ہو یا سائنسی نظریات پیش کرتا ہو۔مسلمان کی تہذیب یا ان سے وابستہ کسی اور بات کو اچھا سمجھتا ہو۔چنانچہ ایسے کافروں کو سزا دینے کے لیے پاپائے روم نے 1478ء کو ایک مذہبی عدالت قائم کی جس نے اپنے قیام کے پہلے ہی سال دو ہزار علم پسند لوگوں کو زندہ آگ میں جلا دیا اور ستر ہزار کو قید و جرمانے کی سزائیں سنائیں۔دس برس میں پوپ کی اس مذہبی عدالت نے سترہ ہزار افراد کو آگ میں پھنکوا دیا اور ایک لاکھ سے زائد افراد کو قید و بند کی

سزا سنائی۔اس کے ساتھ پوپ کے حواریوں نے اپنی علم دشمنی کی بنا پر مختلف علوم پہ مشتمل چھ ہزار کتابیں بھی نذرِ آتش کرا دیں۔ چنانچہ پوپ کی اس مرکزی عدالت نے صدیوں تک علم کے راستے کو روکے رکھا۔مذہبی استبداد کا یہ نظام چار صدیوں تک یورپ پہ چھایا رہا جس میں بتیس ہزار سے زائد افراد لقمہ اجل بنے اور مجموعی طور پہ اس عدالت سے متاثر ہونے والے افراد کی تعداد پانچ لاکھ سے زیادہ بتائی جاتی ہے''۔

****

بالآخر لوگوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور انھوں نے علم کی ترقی کے لیے اپنا دامن مذہب سے مکمل طور پہ چھڑا لیا۔یورپ میں ایک بڑی تحریک اٹھی جس نے کلیسا کے اس نظام جبر کو چیلنج کیا،ایک طوفان اٹھا جس کی رو میں جہاں کلیسا اور پوپ کا استبدای نظام بہہ گیا۔وہاں اہل مغرب کے ہاں مذہب سے ایسی کراہت کا تصور بھی پیدا ہوا جس کا عکس آج کے ہر مغربی معاشرے میں آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ انھوں نے اپنے مذہب کو ایک گرجے میں محبوس کر دیا۔جہاں اتوار کو چند بھولے بھٹکے بلکہ عمر رسیدہ فارغ لوگ جمع ہو کر اپنی زندگی میں مذہب کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔عیسائیوں کی مذہب بیزاری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ برطانیہ جو عیسائیت کا مرکز ومحور ہے وہاں گرجے اس بنیاد پر فروخت ہو رہے ہیں کہ لوگ ان کی طرف رخ ہی نہیں کرتے اور کوئی اس بڑی عمارت کا خرچ اٹھانے کے لیے تیار نہیں۔ وہاں کئی گرجوں کو مسلمانوں نے خرید کر مسجدوں میں بدل دیا ہے۔چنانچہ اس صورت حال میں یورپ میں الحاد کی تحریک نے زور پکڑا اور اہل مغرب کی زندگی کا ہر شعبہ عملاً ان لوگوں کے قبضے میں چلا گیا جو عیسائی کہلاتے ہیں۔مگر ان کی سوچ بھی ملحدانہ ہے اور ان کا عمل بھی اس طرح زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح یہ ملحد مستشرقین بھی استشراقی جدوجہد میں عیسائی راہبوں اور یہودی علماء کے شانہ بشانہ اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگے۔اب چونکہ یہ ملحدین یورپی معاشروں کے شہری تھے اس لیے ان کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ مذہب کی براہ راست مخالفت کر سکیں اس لیے انہوں نے اپنے لیے آسان میدان کا انتخاب کیا اور

اپنی مذہب بیزاری کے جذبات مسلمانوں پر نکالے۔انھوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل تعلیمات اور تصورِاسلام کی حقیقی ماہیت کو متاثر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ۔ان ملحدین کو تحریک استشراق کی شکل میں ایک ایسی آڑ میسر آ گئی جس کا سہارا لے کر انھوں نے اپنے مذہب بیزار تصورات کو معاشرے میں پھیلانا شروع کیا۔مثال کے طور پہ صرف ایک ملحد مستشرق (Folatier) کے خیالات پیش کرتا ہوں۔

”فولٹیئر ایک ملحد مستشرق تھا وہ مذہب اور کلیسا کا زبردست مخالف تھا لیکن نہ تو وہ کھل کر بنی اسرائیل کے کسی نبی کی شان پر حملہ کرنے کی جرأت کرسکتا تھا اور نہ ہی پوپ اور اس کی پالیسیوں کو براہ راست اپنی تنقید کا نشانہ بنا سکتا تھا کیونکہ اس صورت میں اسے کلیسا کے عوام اور اپنی حکومت ہر طرف سے مخالفت کا خطرہ تھا اس مشکل کا حل اس نے یہ نکالا کہ اس نے تمام ادیان اور ان کے بانیوں پر کیچڑ اچھالنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو بطور رمز استعمال کیا۔اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ایسے رکیک حملے کیے جس کی ہمت اس سے پہلے کسی اور مستشرق کو نہ ہوئی تھی۔فولٹیئر نہایت عیار مستشرق تھا اس لیے اس نے اگر چہ اپنی تحریروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے مذاہب کی مقدس ہستیوں پر بھی کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے۔مگر چونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر یہ حملے کیے تھے اس لیے اس نے اپنے اس کارنامے پر پوپ کی خوشنودی یا کم از کم اس کی ناراضگی سے بچنے کے لیے اپنی کتاب کا انتساب پوپ کے نام کر دیا اس طرح اس عیار اور ملحد مستشرق نے کلیسا اور اسلام دونوں کے خلاف اپنا زہر بھی اگل دیا اور اسے کسی خطرے کا سامنا بھی نہ کرنا پڑا“۔

****

فولٹیئر کے علاوہ بھی ملحد مستشرقین کی بہت بڑی تعداد تاریخ کے صفحوں میں بکھری پڑی ہے جنہوں نے

مختلف اسلوب اختیار کرتے ہوئے مذاہبِ عالم کے خلاف اپنی بے زاری کا اظہار کیا ہے۔ اول اول تو انھوں نے دستیاب وسائل کو ہی اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا اور افسانے یا ناول کی شکل میں مشاہیر ادیان کی ہجو کرتے رہے۔ پھر الیکٹرانک میڈیا کے آنے کے بعد انھوں نے اپنے دائرۂ عمل کو وسعت دے دی اور اب سارا مغربی میڈیا بھی اپنی اسلام دشمنی اور کہیں کہیں تمام دینی تصورات پہ اپنا ذہنی غبار نکالتا رہتا ہے مگر حیرت کی بات ہے کہ ہم انھیں اہل علم اور اپنا محسن جانتے ہیں۔ اللہ ہم پہ رحم فرمائے۔ آمین

دنیا کے ہر معاشرے میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا موجود ہوتا ہے جن کا دین اور ایمان پیسہ ہے اور پیسے کی خاطر وہ اپنا ایمان بھی بیچ سکتے ہیں اور کسی دوسرے کے ایمان پر تنقید بھی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مستشرقین کی تحریک میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جن کا مقصد صرف پیسہ کمانا تھا اور ایسے لوگوں کو علم پیشہ مستشرقین کہا جاتا ہے۔ مستشرقین کی تحریک کے تفصیلی مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس تحریک نے ہمیشہ تبشیر یا استعمار کی جانب سے ملنے والی امداد پر بھروسہ کیا ہے اور اس تحریک کے اندر بھی ایسے بہت سے لوگ شامل تھے جن کا مقصد سراسر سیاسی تھا۔ انھوں نے محض علمی لبادہ اوڑھ رکھا تھا ان لوگوں نے تحریکِ استشر اق کو ایک پلیٹ فارم کے طور پہ استعمال کیا اور اپنے علمی ذرائع کو تبشیر ی اور استعماری طاقتوں کی مرضی کے مطابق ڈھال لیا۔ انھوں نے اپنی تحقیقات اور اسلام کے خلاف اپنی بے زاری کا اظہار کچھ اس طرح کیا کہ انعام کے طور پہ ان کو یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں تحقیقی اداروں مجلوں اخبارات ریڈیو اور ٹیلی ویژن پہ بڑے بڑے عہدے ملے۔ مستشرقین کی اس جماعت میں سے چند لوگوں نے بہت ترقی کی اور انھوں نے حکومتی ایوانوں میں قابل ذکر عہدے حاصل کیئے اور مستعمرین اور مبشرین سے مل کر اسلام کے خلاف محاذ قائم کر لیا۔ تمام اہل مغرب خواہ وہ یہودی ہوں، عیسائی ہوں یا ملحد ہوں ان کو اس امر خاص کا ادراک حاصل تھا کہ ان کے دینی سیاسی اور اقتصادی ایجنڈے کی تکمیل کی راہ میں اگر کوئی حقیقی رکاوٹ ہے تو وہ ہے مسلمان کا وجود اور ان کا نظریہ اسلام، چونکہ استعماری طاقتوں کی نظریں اسلامی ممالک کے وسائل پر تھیں اس لیے اس دور کا وہ مستشرق جس کے دل میں ایک تاجر کا دل تھا اچھی طرح جانتا تھا کہ جب تک امت مسلمہ کی

دیوارِان کی راہ میں حائل ہے اس وقت تک نہ تو ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے مقاصد میں کامیاب ہوسکتی ہے اور نہ پاپائے روم کا اسلامی ممالک پر عیسائیت کا پرچم لہرانے کا خواب پورا ہوسکتا ہے۔اس لیے ان سب نے مل کر اسلام کی اس دیوار میں رخنے ڈالنے کی کوششوں کا آغاز کیا۔مغرب کے بنیئے نے ان کے لیے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیئے اور لاتعداد مدعیان علم دولت شہرت اور حشمت کی اس دیوی کی خاطر اسلام کی دیوار کو منہدم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہوگئے۔

انھوں نے اسلامی ادب کے ذخیرے کو کھنگال ڈالا تاکہ ان کے ہاتھ کوئی ایسی چیز لگ جائے جس کی مدد سے وہ مسلمان کے کردار کو داغدار کرسکیں۔انھوں نے ممالک اسلامیہ کے چپے چپے کو چھان مارا اور مسلم ممالک میں پھیلے بے پناہ قدرتی وسائل کی فہرستیں مرتب کیں۔مسلمانوں کی ان خامیوں کو نوٹ کیا جن کے ذریعے وہ باہم ان کو لڑا کر اپنے مفادات حاصل کرسکتے تھے۔چنانچہ پیشہ ور مستشرقین کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ خود تحریک استشراق قدیم اور طویل ہے۔کبھی یہ طبقہ پاپائے روم کی اشیر باد حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف رہا تو کبھی اپنی علم فروشی کے کارناموں پر انھوں نے مغربی حکمرانوں کی طرف دادطلب نظروں سے دیکھا اور کبھی انھوں نے ان تجارتی کمپنیوں کا رخ کیا جہاں ان کے دامنِ ہوس میں چند سکے ڈالے جاسکتے تھے۔آج کے پیشہ ور مستشرق اور ضمیر فروش عالموں کی توجہات کا مرکز امریکہ ہے جہاں ان کو بے پناہ مالی وسائل کے عوض اسلام کو سرنگوں کرنے کی پالیسیاں وضع کرنا ہوتی ہیں۔

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اپنی تشنہ خواہشوں کی اشیر مسلمانوں کی ایک معقول تعداد بھی ان پیشہ ور مستشرقین کے کندھے سے کندھا ملا کر اپنے ہی نظریے اور عقائد پر کلہاڑا چلانے میں مصروف ہے۔اللہ ہم پہ رحم فرمائے۔

آج کا مسلم نوجوان اہل مغرب کی علمی برتری سے مرعوب ہے مگر ہمارا دانشوران کو یہ بتانے کے لیے تیار نہیں کہ اہل مغرب کا تمام علمی اثاثہ مشرق سے مستعار لیا ہوا ہے۔ جب مسلم دنیا باہمی نزاع اور قرآن سے دوری کی وجہ سے زوال کا شکار ہوئی اس وقت مغرب انگڑائی لے کر بیدار ہو رہا تھا۔ چنانچہ جونہی اس کی آنکھیں پوری طرح کھلیں تو اس کے سامنے بے پناہ علمی ذخیرہ تھا جو مسلمان علماء کا مرتب کیا ہوا تھا۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ جب مسلم ہسپانیہ سے علوم وفنون کی لہریں اٹھ کر ایک عالم کو بقعہ نور بنا رہی تھیں اس وقت یورپ جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا اور سارے یورپ کا علمی اثاثہ صرف چند ہزار کتابیں تھیں اور ان کتابوں میں بھی شاید ہی کوئی علمی کتاب شامل ہو کیونکہ ان کے ہاں اس وقت صرف قصے کہانیوں اور دعاؤں کی کتابیں ہی پائی جاتی تھیں۔ جب کہ مسلمانوں کے ہاں علم ہیت، ریاضی، جدلیات، ارضیات، نفسیات، طب اور علم الادیان پر سیر حاصل کام ہو چکا تھا۔ دراصل بہت سے لوگ آج کے یورپ اور امریکہ کی کروڑوں کتابوں سے بھری ہوئی لائبریریوں سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اہل مغرب کی ترقی کا راز ان کے انھی علمی اثاثوں میں پوشیدہ ہے۔ اگرچہ یہ بات سچ ہے کہ یہی وہ کتابیں ہیں یہی وہ علم ہے جس نے اہل مغرب کی زندگی میں وہ معاشی سماجی سیاسی اور عسکری انقلاب بپا کیا جن سے آج خطہ ارض پہ بسنے والا ہر انسان مرعوب ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ علم یورپ میں اسلام کے واسطے سے داخل ہوا اور علوم وفنون کا منبع مغرب سے نہیں بلکہ مشرق سے پھوٹا تھا اور آج کے اکثر علمی نظریات کی بنیاد ان مستشرقین نے ہی استوار کی تھی جنہوں نے مسلمانوں کے علمی اثاثے کو قیمتی جانتے ہوئے اس کو پہلے اپنی

زبانوں میں منتقل کیا اور پھر اس کو اپنی آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کیا۔ اہل یورپ نے ابتدا میں علم کا راستہ روکنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ان میں ایک طبقہ مسلسل اس جدوجہد میں مصروف رہا کہ اپنی قوم کی علمی استعداد کو بڑھایا جائے اور مستشرقین میں سے صرف یہی ایک ایسا طبقہ تھا جن کے عزائم اور مقاصد سراسر علمی تھے۔ چنانچہ مغرب کے جو اہل علم کلیسا اور بادشاہت کے متحدہ استبدادی نظام سے ٹکرائے ان میں سے اکثر مشرقی علماء کے شاگرد تھے۔ وہ لوگ جو کتابیں پڑھتے تھے جن کتابوں کے تراجم کرتے تھے اور جن کی بنیاد پر وہ نئی کتابیں تصنیف کرتے تھے وہ ساری اہل مشرق اور مسلمانوں کی تصنیفات تھیں۔ اس لیے یہ لوگ استشراق کی ہر تعریف کے لحاظ سے مستشرق تھے۔ آج تک مستشرقین کا یہ طبقہ مشرق کے چپے چپے کو چھاننے میں مصروف ہے۔ یہ لوگ کھدائیوں کے ذریعے عالم مشرق کے مختلف علاقوں میں آثارِ قدیمہ تلاش کرنے میں مصروف ہیں اور وہ بے پناہ علمی سرمایہ جس کو مسلمان نے اپنی نالائقی کی وجہ سے طاق نسیان کی زینت بنا دیا تھا مستشرقین کا یہ گروہ اس علمی سرمایے کی حفاظت اس کی ترتیب و تدوین اور اس کی اشاعت میں مصروف ہے جس کی تعریف نہ کرنا بخل کے زمرے میں آئے گا۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے مسلمانوں کے علمی سرمایے کو مغرب میں منتقل کیا ان کے پیش نظر اپنے ہی قومی مفادات تھے اور وہ یورپ کو بھی علم کے انھی ہتھیاروں سے لیس کرنا چاہتے تھے جن کے بل بوتے پر مسلمانوں نے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو زیر کیا تھا۔

مستشرقین کا یہ طبقہ اگرچہ علم دوست تھا مگر پھر بھی ان کی یہ علمی بد دیانتی قابل ذکر ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کے علوم سے فائدہ اٹھایا اور اپنی تمدنی تعمیر کی مگر اس کے باوجود ان کا عمومی پروپیگنڈہ یہ ہے کہ انسانیت کی موجودہ ترقی میں مسلمانوں کا کوئی ہاتھ نہیں۔ چنانچہ پروفیسر اشفاق علی خان اپنی کتاب ” **یورپ پر اسلام کے احسانات** ،، میں لکھتے ہیں کہ:

”آج جن کتابوں کا ایک بے پناہ طوفان مغرب سے اٹھ کر مشرق کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے ان میں سے کوئی یہ نہیں بتاتی کہ وہ راجر بیکن جسے انگلستان میں بابائے سائنس کہا جاتا ہے وہ عربوں کا شاگرد تھا۔ وہ اپنے شاگردوں سے کہا کرتا کہ علم حاصل کرنا ہے تو عربی سیکھو۔ مورخین مغرب یونانیوں کو علم کا سرچشمہ بتاتے ہیں لیکن یہ نہیں بتاتے کہ ان کی کتابیں چھ سو برس تک ایتھنز اسکندریہ اور قسطنطینہ میں مقفل پڑی رہیں اور یہ عرب ہی تھے جنہوں نے ان کو

نکالا ان کا عربی زبان میں ترجمہ کیا اور یہی تراجم مسلمانوں کے ساتھ یورپ پہنچے۔ یورپ میں سائنس اڑھائی سو برس میں اسحاق نیوٹن سے آئن سٹائن تک جا پہنچی لیکن عربوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ہزار سال تک یونانیوں کا ترجمہ ہی کرتے رہے اور انھوں نے علوم فنون میں کوئی قابل قدر اضافہ نہیں کیا۔ چنانچہ آج کے یہودی اور عیسائی مورخ اسلامی علوم وفنون کا ذکر تک نہیں کرتے اور نہ دنیا کو یہ بتانے کے روادار ہیں کہ گلیلو، کپلر، برونو، جیراڈ، اور راجر بیکن عربوں کے نقال تھے اور ہمارے مدارس کے بچوں کو یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ امریکہ کولمبس نے اور افریقہ لونگ سٹون نے دریافت کیا مگر ان بچوں کو یہ نہیں بتایا جاتا کہ کولمبس نے بحر پیمائی کی تعلیم اسلامی درس گاہوں میں حاصل کی تھی اور ہندوستان کی تلاش کی مہم جس کے نتیجے میں امریکہ دریافت ہوا کولمبس کے پاس جو کمپاس تھا وہ عربوں ہی کی ایجاد تھا اور اپنے بحری سفروں میں راہنمائی کے لیے وہ جن نقشوں کو استعمال کیا کرتا وہ مسلمان ملاحوں کے ہی مرتب شدہ تھے ۔''

سولہویں صدی کے آخر میں کچھ ایسے مستشرقین پیدا ہوئے جنہوں نے تحریکِ استشراق کے بنیادی اسلوب سے بغاوت کی راہ بنائی اور مستشرقین جو صدیوں سے اسلام اور تصورِ اسلام کو مسخ کرنے میں مصروف تھے۔اس کا ردِعمل بھی خود اس تحریک کے اندر سے آیا۔مستشرقین کے اس طبقے نے کلیسا کی اندھی تقلید کا پٹہ اپنی گردنوں سے اتار پھینکا اور صدیوں سے مروّج روایات کو عقل سے پرکھنے کی بنا ڈالی۔ انھوں نے عیسائیت کو بھی تنقید کی نگاہ سے دیکھا اور پاپائے روم کے اختیارات کو چیلنج کیا جس سے معاشرے میں ایک مثبت طرزِ عمل نے جنم لیا اور کچھ مستشرقین نے اسلام کے رُخ زیبا پر پڑے ہوئے شکوک وشبہات کے اندر سے دین اسلام کی حقیقی ماہیت کو کھوجنے کی کوشش کی تب وہ اپنے سابقہ ادوار کے مستشرقین کے رویے پہ شرمندہ ہو گئے اور انھوں نے ان علمی بددیانتیوں کی نشاندہی کی جو اسلام کے بارے میں ان کے پیش رو کر چکے تھے۔تاہم یاد رہے کہ مستشرقین کے اس طبقے کا تعلق بھی مغرب سے تھا اور ان کا دین بھی عیسائیت تھا۔اس لیے ان کی تحریروں میں اسلام کے متعلق اس وارفتگی اور محبت کو تلاش کرنا جس کی توقع کسی مسلم مورخ سے کی جاسکتی ہے عبث ہے۔ان کی تحریروں میں قدرتی طور پر کچھ روکھا پن پایا جاتا ہے اگرچہ وہ حقائق کو چھپانے یا مسخ کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔وہ اقوام مشرق کا مطالعہ اور تجزیہ ان پیمانوں سے کرتے ہیں جو مغرب میں رائج ہیں اور پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان پہ اپنے ہی مذہب کا غلبہ ہوتا ہے اس لیے کسی بھی مغربی مستشرق سے اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کو بالکل اسی نظر سے دیکھیں جس نظر سے ہم دیکھتے ہیں۔اس لیے مستشرقین کے اس طبقے میں بھی بے شمار کوتاہیاں موجود ہیں اور ان کی تحریروں میں بھی بہت سی ایسی غلطیاں شامل ہیں جن کو نظر

انداز نہیں کیا جاسکتا۔اس لیے کہ ان کے مآخذ تو آخرو ہی ہیں جوان کے پیش رو چھوڑ گئے تھے اور ان کے پیش نظر وہی تراجم ہیں جو مستشرقین نے کیے تھے۔اس لیے لامحالہ ان کی تحریروں میں بھی بہت سی ایسی باتیں شامل ہوگئی ہیں جن کو حق اور انصاف قرار نہیں دیا جاسکتا۔تاہم ان مستشرقین کا مجموعی اندازِ تحریر ایسا ہے کہ ان کو معتدل مستشرقین کہا جاسکتا ہے۔اس لیے کہ وہ ارادتاً نہ تو اسلام کے اصل تصور کو مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر بہتان باندھتے ہیں۔

مستشرقین کے اس گروہ نے جب اسلام کو نگاہ عدل سے دیکھا تو انھوں نے اس کے متعلق مثبت رویہ اپنایا اس لیے کہ مستشرقین کے اس طبقے میں شامل کثیر تعداد ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اپنے اسلاف کے رویہ کو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا کیونکہ ان کو یقین تھا کہ ذہنی بیداری کے اس دور میں اب اسلام کی حقانیت کو مزید مسخ نہیں کیا جاسکتا۔انھوں نے اپنے اسلاف کے علمی رویہ پر بھی شدید تنقید کی ہے۔تاہم معتدل مستشرقین کے اس گروہ میں بھی بہت سے ایسے لوگ شامل ہیں جنہوں نے اگرچہ اسلام کے بارے میں معتدل رویہ اختیار کیا تاہم ان میں شامل چند افراد خود کو اپنے پیش رووں کے اسلوب سے نہ بچا سکے۔

معتدل مستشرقین کے اس گروہ میں دیگر علماء کے علاوہ رچرڈ سائمن، پیئر بائیل، سائمن اوکلے، ہادیان رینالڈ، یوھان، جے رسکے، مائیکل ایچ ہارٹ، ڈاکٹر مورس بکائلے، تھامس کارلائل، لارمارتین، پروفیسر لیک، پروفیسر آرنلڈ اور جارج برنارڈ شاہ جیسے لوگ شامل ہیں۔

آئندہ صفحات میں کچھ اُن شاہ بختوں کا تذکرہ ہے جو
مستشرقین کے قبیلے سے ہیں، وہ انھیں مقاصد کو لے کر علم
کی وادی میں اترے جو اس تحریک کا خاصا تھا مگر جب
قرآن کی لہریں اُن کے دل سے ٹکرائیں تو اسے قرار آ گیا
اور وہ اس کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔

مستشرقین کے قافلہ سے اب ان خوش نصیبوں کا احوال بیان کیا جاتا ہے جنہوں نے دنیاوی مفاد اور دنیا کی ملامت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنے اندر کی آواز پہ کان دھرے اور وہ قافلہ نورِ حق کے ہمراہ ہو گئے۔ اسلام آج کی دنیا میں تیزی سے پھیلتا ہوا مذہب ہے۔اس لیے کہ کسی اور مذہب کی تعلیمات میں وہ جاذبیت اور امن وسلامتی کی وہ دعوت پائی ہی نہیں جاتی جو کسی حق کے متلاشی کے دل پہ شب خون مار سکے۔ اس لیے مستشرقین کے قافلے کے بھی بہت سے لوگ اپنے دل میں کھوٹ لیے علم کی اس وادی میں اترے مگر فلاح کے موتی لے کر لوٹے۔اپنے دل کو اسلام کی روشنی سے منور کرنے والے مستشرقین کی تاریخ اور تفصیل ایک طویل داستان کی طرح ہے اس لیے ہم اختصار کا راستہ اختیار کریں گے اور بطور تبرک ہم چیدہ چیدہ مستشرقین کا احوال بیان کریں گے جن کی کوئی ادا خالق کو بھا گئی جن کا کوئی لمحہ یقیناً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت میں گذرا جس کا صلہ ان کو ایمان کی لازوال دولت کی شکل میں لوٹایا گیا۔اللہ ان پہ بھی اپنا رحم فرمائے اور ہمیں بھی ہدایت سے نوازے۔

علامہ زکریا ہاشم زکریا نے مستشرقین کے اس گروہ کا ذکر اپنی کتاب "**المستشرقون و اسلام**" میں کیا ہے جو 1968ء میں ریاض سعودی عرب سے شائع ہوئی۔ ڈاکٹر ارتھر کین کا تعلق امریکہ سے ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے اپنے لیے علی عمر کریم کے نام کو پسند کیا۔ ان کے قبول اسلام کی تفصیلات خود انھی کی زبانی سنیں۔

"بیس سال کی عمر تک میرا خدا پر ایمان نہ تھا۔ اگرچہ میرا سارا گھرانہ مذہبی تھا اس لیے ان کا دل رکھنے کے لیے میں کبھی کبھار چرچ جایا کرتا لیکن میرے ذہن میں مادے کے سوا کسی چیز کی ہوس نہ تھی اور میری زندگی روحانی عنصر سے بالکل بے بہرہ تھی۔ ایک وقت آیا کہ مجھے اپنی زندگی کے متعلق بے چینی ہونے لگی تب جانے کہاں سے اڑتا ہوا کاغذ کا ایک پرزہ میرے ہاتھ آیا جس پہ کچھ لکھا تھا۔ ابتدا میں مجھے کچھ سمجھ نہ آیا کہ اس کاغذ پہ کیا لکھا ہے۔ میرے گھر والے مذہبی لوگ تھے انھوں نے اس کاغذ کو میرے ہاتھ میں دیکھا تو سخت ناراض ہوئے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ یہ مسلمانوں کی مقدس کتاب کے اوراق کا ایک حصہ ہے۔ میں نے

عبارت پر غور کیا تو مجھے اپنی بے چینی میں کچھ کمی سی محسوس ہوئی۔ چنانچہ میں اسے گھر والوں سے چھپالیا اور اپنے رویے کو بھی درست کرلیا تا کہ کوئی مجھ پہ شک نہ کرے۔ ہمارے گھر کے قریب ایک بہت بڑی لائبریری تھی میں نے وہاں جانا شروع کر دیا اور لگا تار مختلف ادیان کا تقابلی مطالعہ شروع کر دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ تمام مذاہب کچھ نہ کچھ حق بیان کرتے ہیں لیکن اسلام مکمل حق بیان کرتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات میں مجھے صراحت عظمت برتری اور عظیم روحانیت نظر آئی۔ میں دس سال تک تقابل مذاہب کا طالب علم رہا لیکن ہر گذرتے دن نے مجھے اسلام کی طرف ہی جھکایا۔ ایک دن میں ایک مسجد کے پاس سے گذرا میں وہاں ٹھہر گیا لوگوں کو عبادت کرتے دیکھتا رہا۔ مجھے اپنے اندر بڑی بے چینی محسوس ہوئی میرا دل چاہتا تھا کہ میں ان کے ساتھ شامل ہو جاؤں اعتقادی طور پہ تو میں جانے کب سے پکا مسلمان بن چکا تھا تاہم اس روز میں نے ارادہ کیا کہ آج مجھے عملی طور پہ بھی ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ جونہی وہ لوگ نیو یارک کی اس مسجد سے باہر نکلے میں اندر داخل ہو گیا۔ امام صاحب مجھے بڑی محبت سے ملے اور میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی انہوں نے مجھے اسلام کی دعوت دی۔ میں نے جب ان کو بتایا کہ میں اسی ارادے سے مسجد میں داخل ہوا ہوں تو ان کی خوشی دیدنی تھی۔ انھوں نے مجھے کلمہ توحید پڑھایا اور مجھے سینے سے لگا لیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اگلی عبادت میں کتنا وقت ہے تو انھوں نے کہا کہ زیادہ وقت نہیں ہے آؤ باتیں کرتے ہیں تھوڑی دیر بعد نماز مغرب کا وقت ہو گیا اور میں نے اپنی زندگی کی پہلی نماز پڑھی جس کا لطف آج تک میری رگوں میں دوڑتا ہے۔ اللہ نے مجھے ایمان کی نعمت سے نواز کر مجھ پہ احسان عظیم کیا ہے"۔

ڈاکٹر مارٹن لنگز برطانیہ کے مشہور مستشرق تھے۔ اللہ نے انھیں ایمان کی لازوال نعمت سے نوازا۔ قبول اسلام کے بعد انھوں نے اپنا نام ابوبکر سراج رکھا۔ ڈاکٹر ابوبکر سراج مصر یونیورسٹی میں شعبہ انگریزی کے ڈین تھے۔ بعد میں برٹش میوزم لائبریری کے سربراہ کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ یہاں انھوں نے اسلام کی تعلیمات کا باریک بینی سے مطالعہ کیا اور اسلام کا دوسرے ادیان سے تقابلی جائزہ لیا۔ اسلامی تصوف ان کے مطالعے کا محور تھا جس سے وہ بہت متاثر تھے۔ آخر قسمت نے یاوری کی اور بقول علامہ زکریا ہاشم زکریا وہ تصوف کی سیڑھی کے ذریعے خدا تک جا پہنچے۔ بعد میں انھوں نے تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کرنا شروع کر دیا اور اپنی باقی ساری زندگی وہ دین اسلام کی دعوت دینے اور اسلام کی سر بلندی پہ جدلیاتی پہلو سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔

عبداللہ بن عبداللہ مستشرقین کی تحریک میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔وہ جزیرہ میورقہ کے ایک خوشحال گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔زندگی کا طویل حصہ عیسائیت کی تبلیغ واشاعت میں گذرا۔ان کے گھر والے چاہتے تھے کہ وہ بڑے ہوکر عیسائیت میں نام پیدا کریں اور پادری بنیں۔اس لیے زندگی کا ابتدائی حصہ انہوں نے ایک پادری کی خدمت میں گذارا جہاں وہ دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔پادری کو اپنے اس شاگرد پر بڑا ناز تھا اس لیے گرجے کی چابیاں جناب عبداللہ کے پاس ہی ہوا کرتیں۔ایک دن کا ذکر ہے کہ کسی وجہ سے بڑا پادری اپنی درس گاہ نہ جاسکا اس کی عدم موجودگی میں اس کے شاگرد دیر تک حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے اس قول پہ بحث کرتے رہے کہ ”میرے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام فارقلیط ہوگا“ کچھ دن بعد جناب عبداللہ نے اپنے استاد پادری سے جناب فارقلیط کے بارے میں اصرار سے دریافت کیا۔جناب عبداللہ کا استاد پادری رونے لگا۔شاگرد نے کہا کہ جہاں آپ نے مجھے اتنے علم سے نوازا ہے وہیں اس فارقلیط والے معاملے میں بھی میری راہنمائی فرمائیں۔استاد نے کہا کہ مجھے خوف ہے کہ اس کے بعد عیسائی تجھے مار ڈالیں گے۔اگرچہ میری خواہش ہے کہ تم کو ان کے بارے میں بتاؤں۔شاگرد نے استاد سے کڑی رازداری کا وعدہ کیا تو استاد نے ان کو بتادیا کہ فارقلیط محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام ہے۔محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب یقیناً سچا ہے اور اگر اللہ تجھے توفیق بخشے تو تم اسے اختیار کر لینا۔عبداللہ اپنے استاد سے رخصت ہوئے اور مختلف ممالک سے ہوتے ہوئے تیونس پہنچے جہاں کے عیسائیوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا کہ آپ ان کے عالم تھے۔آپ نے شاہ تیونس کے ہاں رہائش اختیار کی اور ان کو اپنے ارادے سے بھی آگاہ کیا۔شاہ تیونس بہت خوش ہوا۔جناب عبداللہ نے کہا کہ آپ پہلے میرے ہم مذہبوں سے میرے بارے میں رائے لے لیں پھر میں اسلام قبول کروں گا۔اس پہ شاہ تیونس نے کہا کہ تم نے تو وہی بات کہی جو حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے قبول اسلام سے پہلے کہی تھی۔اس پہ جناب عبداللہ نے کیا یقیناً میری قوم میرے ساتھ وہی سلوک کرے گی جو حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے ساتھ ان کی قوم نے کیا تھا اور پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ جناب عبداللہ کے اسلام قبول کرنے پر تیونس کے عیسائیوں نے انہیں نہایت ہی برے الفاظ کے ساتھ یاد کیا۔

محترمہ مریم جمیلہ کا تعلق ایک امریکی یہودی گھرانے سے تھا۔بچپن میں میوزک سے بہت لگاؤ تھا۔خاص کر عربی میوزک سے انہیں بے انتہا دلچسپی تھی۔ان کا یہی شوق انہیں اسلام کے قریب لے گیا۔وہ بتاتی ہیں میوزک کے شوق میں ایک دن انھوں نے سورۃ مریم کی تلاوت بھی سنی جس نے انھیں بہت متاثر کیا۔ چنانچہ انھوں نے باقاعدہ طور پہ قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔قرآن کا پہلا ترجمہ پڑھتے ہی ان پر یہ حقیقت کھل گئی کہ دین حق تو درحقیقت اسلام ہی ہے ان کے چند تاثرات انھی کی زبانی سنیئے۔

جونہی میں نے اس کتاب کو کھولا ایک زبردست انکشاف نے میرا استقبال کیا۔زبان کا حسن اور بیان کی فصاحت مجھے اپنے ساتھ بہالے گئی۔مترجم نے آغاز میں ہی اس بات کی وضاحت کردی کہ یہ قرآنی مفاہیم کو جیسا کہ عام مسلمان سمجھتے ہیں انگریزی میں زبان میں پیش کرنے کی ایک کوشش ہے اور جو شخص قرآن پہ یقین نہیں رکھتا وہ اس کا حق کبھی بھی ادا نہیں کر

سکتا۔قرآن کو پڑھنے کے بعد میرے پاس اس بات کے سوااور کوئی راستہ نہ تھا کہ میں فوراًاس پہ ایمان لے آؤں پھر میں نے دین اسلام کا باقاعدہ مطالعہ شروع کر دیا اور اس مشکواۃ کے مطالعے سے مجھے اس حقیقت میں ذرا بھر بھی شبہ نہ رہا کہ قرآن دراصل وحی الٰہی ہے اور اس پہ ایمان لائے بغیر نجات ناممکن ہے۔

دین قبول کرنے کے بعد محترمہ مریم جمیلہ نے امریکہ میں رہنا پسند نہ کیا اور وہ مستقل طور پہ پاکستان منتقل ہو گئیں۔ یہاں آکر انھوں نے دین اسلام کی خدمت شروع کر دی۔انھوں نے اسلام پہ کئی کتابیں تحریر کیں جن میں ’’**اسلام اینڈ ماڈرن ازم اور اسلام ان تھیوری اینڈ پریکٹس**‘‘ نے بہت مقبولیت حاصل کی۔2012ء میں اسلام آباد میں انتقال فرما گئیں۔

آپ ۱۹۰۰ء میں پولینڈ کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے۔عملی زندگی کا آغاز جرمنی کے ایک اخبار کے ساتھ بطور گشتی صحافی شروع کیا۔یہی منصب ان کو مشرق وسطی لے گیا جہاں انھوں نے اہل عرب کی سادہ مگر پر تکلف زندگی کا مطالعہ کیا۔انھوں نے مسلمانوں کے طرزِ عمل کا بڑے قریب سے مطالعہ کیا اور اس کا تقابل مغرب کی بے چین اور خود غرضی کی مشینی زندگی کے ساتھ کیا تو انھیں اسلامی زندگی میں بہت کشش نظر آئی۔انھوں نے اسلام کا تفصیلی مطالعہ کیا اور پھر دین اسلام قبول کر لیا۔قبول اسلام کے بعد وہ برصغیر میں منتقل ہو گئے اور ایک عرصہ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کی صحبت میں گزارا جہاں آپ کو مزید علم حاصل کرنے کے مواقع ملے۔قیام پاکستان پر حکومت پاکستان نے ان کی خوب پزیرائی کی اور جناب محمد اسد کئی کلیدی عہدوں پر فائز رہے۔پہلے انہیں ایک محکمہ ''اسلامی تعمیر جدید'' سونپا گیا اس کے بعد ان کی خدمات محکمہ خارجہ کو منتقل کر دی گئیں اور وہ پاکستان کے خاص افسر اعلیٰ کی حیثیت سے مشرق وسطی میں خدمات سر انجام دیتے رہے۔اس کے بعد ان کا تقرر اقوام متحدہ میں پاکستان کے مندوبِ خاص کے طور پہ کیا گیا ۔انھوں نے دین اسلام کی حقانیت پہ سیر حاصل مباحث چھوڑے ہیں۔ان کی دو کتابیں بہت مشہور ہیں جن کے نام '' اے روڈ ٹو مکہ اور سلام آن کراس روڈز ہیں، جناب علامہ اسد صاحب نے

اپنی کتاب اے روڈ ٹو مکہ میں اپنے اسلام لانے کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا ہے جہاں سے ایک مختصر انتخاب پیش خدمت ہے۔

’’میں اسلام کی تعلیمات میں سے کسی ایک تعلیم کو متعین نہیں کرسکتا جس نے میرے دل کو اپنی طرف مائل کیا ہو۔اسلامی تعلیمات کے مکمل اور حسین مجموعہ نے جو ایک طرف روحانی عظمتوں کا امین ہے تو دوسری طرف عملی زندگی گذارنے کا بہترین پروگرام ہے نے مجھے اپنی طرف مائل کیا۔ چنانچہ جب اسلامی تعلیمات کی غیر محدود قوت اور عملی زندگی سے ان کی تطبیق کی صلاحیت مجھ پر منکشف ہوئی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ آخر آج کا مسلمان اس حیات بخش اور قوت بخش نظام سے دور کیوں ہے۔ میں نے اس سوال کا جواب کئی مسلمانوں سے پوچھا لیکن کوئی مجھے تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ یہ سوال میرے ذہن پہ یوں سوار ہوا کہ میں مسلمانوں سے اس بات پہ جھگڑا شروع کر دیتا کہ وہ اپنے دین سے دور کیوں ہو رہے ہیں گو میں جو خود ابھی ایک غیر مسلم تھا۔ مسلمانوں کے سامنے اسلام کے دفاع میں مصروف تھا اور آخر کار قدرت نے میری راہنمائی کی اور میں خود اس قافلہ حق کے ساتھ شامل ہو گیا اور آج میرے نزدیک اس سے بڑی اور کوئی سعادت نہیں کہ میں مسلمان ہوں۔ اگرچہ میں آج بھی مسلمانوں سے اس بات پہ جھگڑا کرتا ہوں کہ وہ آفاقیت کے اس رستے سے گریزاں کیوں ہیں جو ان کا عقیدہ ہے، ان کا مذہب ہے ان کا دستورِ عمل ہے مگر اکثر لوگ میری باتوں پہ غور نہیں کرتے اور یہی دکھ میری روح کا آزار ہے۔

جرمنی کے ایک متوسط گھرانے سے تعلق تھا۔والدین کی خواہش تھی کہ وہ پادری بنیں اس لیے انھیں پروٹسٹنٹ طریقے کے مطابق کلیسا میں داخل کرادیا گیا۔جلد ہی جناب عبداللہ علاؤ الدین اساتذہ کے ناپسندیدہ شاگرد قرار دے دیئے گئے۔اس لیے کہ ان کے چبھتے سوالوں کا جواب ان اساتذہ کے پاس نہ تھا۔ان کا دل تثلیث اور کفارہ کے عقائد کو قبول کرنے سے انکاری تھا۔وہ دین اسلام کے حوالے سے اپنے اساتذہ کے ساتھ الجھے رہتے۔چنانچہ ان پر منکر خدا ہونے کا فتویٰ لگا کر ان کو گرجے سے نکال دیا گیا جس کا ان کے گھر والوں کو بہت دکھ تھا۔چنانچہ انھوں نے اپنا گھر بھی چھوڑ دیا اور حقیقت کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔اُن کے شب و روز لائبریریوں میں گذرنے لگے۔ان شب و روز کا تذکرہ انھوں نے اپنی مشہور سوانح عمری ''**ہم مسلمان کیوں ہوئے**'' میں ان الفاظ میں کیا ہے۔

''میری صحت مسلسل مطالعہ سے خراب رہنے لگی تھی کیونکہ بعض اوقات میں صرف دو گھنٹے کے لیے سوتا اور باقی سارا وقت پڑھتا رہتا۔تاہم میں حقیقت کی تلاش میں ناکام رہا۔پھر اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے مجھ پہ اپنا کرم کیا جب میں نے اپنی قوت ارادی پر بھروسا کرنا چھوڑ دیا تب میرے ہاتھ ایک جہاز راں کا سفرنامہ لگا جس میں پہلی دفعہ میں نے سورۃ اخلاص کا مطالعہ کیا۔میں نے دوبارہ اس کو پڑھا یعنی

اس کے ترجمے کو پڑھا پھر سہ بار پڑھا میں اس حقیقت کو اپنے سامنے پا کر دنگ رہ گیا جس کی تلاش میں میں برسوں سے بھٹک رہا تھا۔ میں نے زندگی میں پہلی بار پڑھا کہ نہ اللہ نے کوسی نے پیدا کیا اور نہ ہی اللہ کا کوئی بیٹا ہے۔ قرآن کی ان آیات کو میں پوری طرح سمجھ گیا۔ مجھے اسلام کے متعلق زیادہ علم نہ تھا مگر اب ایک تڑپ تھی جس نے میرے اندر ایک آگ لگا رکھی تھی۔ اس دن میں ایک سڑک سے گذر رہا تھا نہ جانے کس کا ایک سائیکل سڑک پہ کھڑا تھا میں نے اسے اٹھایا اور جرمنی سے استنبول کی طرف اپنا سفر اسی سائیکل پہ شروع کر دیا۔ استنبول پہنچ کر میں نے قرآن حاصل کیا اور اس کو اس طرح پڑھنا شروع کیا جس طرح اپنی مذہبی کتابوں کی غلطیاں نکالا کرتا تھا۔ تاہم جوں جوں میں آگے بڑھتا رہا میرے دل کو ہدایت نصیب ہوتی رہی۔ میں قرآن سے کوئی غلطی تو کیا تلاش کرتا قرآن نے مجھ پہ میری غلطیاں منکشف کر دیں یوں اللہ نے مجھ پہ اپنا احسان کیا اور میں دولت اسلام سے مالا مال ہو گیا۔

ڈاکٹر غرینیہ (فرانس)

ڈاکٹر غرینیہ کو زندگی میں دو ہی شوق تھے کتابیں پڑھنا اور بحری سفر کرنا۔ وہ بتاتے ہیں اسی شوق نے مجھے منزل مراد تک پہنچایا۔ ایک دن یونہی میں قرآن کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ سورہ نور کی اس آیت پہ میری نظریں جم گئیں۔

أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ O

القرآن الحکیم (سورۃ نور ۲۴/ آیات ۴۰)

ترجمہ:

”یا (اعمال کفار) ایسے اندھیروں کی طرح ہیں جو گہرے سمندر میں ہوتے ہیں اور چھا رہی ہوتی ہے اس پہ موج اس کے اوپر موج اور اس کے اوپر بادل (تہہ در تہہ) اندھیرے ہیں ایک دوسرے کے اوپر جب وہ نکالتا ہے اپنا ہاتھ تو نہیں دیکھ پاتا اسے اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کے لیے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے اس کے لیے کہیں نور نہیں“۔

****

ڈاکٹر غرینیہ کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ آیات پڑھی تو میں نے سوچا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ایسے شخص رہے ہوں گے جنہوں نے میری طرح بہت سے بحری سفر کیے ہوں گے اور جن کے دن رات میری طرح سمندروں میں گزرتے ہوں گے۔ان آیات نے قرآن کی زبانِ فصاحت اور تمثیل کی عمدگی کا ثبوت فراہم کیا۔میں ہمیشہ سے ایسی عبارات سے عشق کرتا رہا تھا جن میں الفاظ تھوڑے ہوں مگر ان میں کئی جہانِ معنی بند کر دیئے گئے ہوں۔چنانچہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ اسلوب کا اعتراف تھا میں نہیں جانتا تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے کہ مجھے تو ہمیشہ یہی بتایا گیا تھا کہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے ۔میں نے سورۃ نور کی ان آیات کو چشم تصور میں دیکھا کہ گویا ان الفاظ کا کہنے والا خود رات کی تاریکی میں بادلوں کی دبیز سیاہی میں موجوں کے ایک طوفان میں کسی جہاز پہ کھڑا ہے اور ایک ڈوبتے شخص کی بدحواسی کو دیکھ رہا ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ سمندری خطرات کا کوئی بڑے سے بڑا ماہر بھی اس قدر گنتی کے لفظوں میں ایسی جامعیت کے ساتھ خطراتِ بحر کی صحیح کیفیت بیان نہیں کرسکتا کچھ عرصے بعد مجھے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کبھی کوئی بحری سفر کیا ہی نہیں اور نہ ہی انھوں نے کوئی کتاب لکھی ہے۔تب میرے دل پہ چھائے اندھیرے کے بادل چھٹ گئے اور میں نے اسلام کے وسیع دامن میں پناہ لی۔

ڈاکٹر خالد شیڈرک

ڈاکٹر خالد انگلستان کے معروف صحافی تھے۔ مذہبی ماحول میں پرورش پائی۔ مطالعہ کا بے پناہ شوق تھا اور یہی شوق ان کو اسلام کے قریب لے آیا۔ بیان کرتے ہیں کہ میرا اسلام قبول کرنے کا قطعاً کوئی ارادہ نہ تھا اور نہ ہی میں نے کبھی ایسے سوچا تھا مگر جب میں مستشرقین کی کتابیں پڑھتا تو میں دیکھتا کہ مستشرقین اسلام کے بارے میں امتیازی سلوک روا رکھتے ہیں۔ زندگی یونہی گزر رہی تھی مذاہب عالم پہ مجھے جو ملا میں پڑھتا چلا گیا۔ میں نے پورے انگلستان کی لائبریریاں کھنگال ڈالیں میں نے ایک بات خاص طور پہ نوٹ کی کہ جب بھی میں کسی مستشرق کی کتاب پڑھتا تو وہ یہودیت بدھ مت اور ہندومت جیسے مذاہب کی تفصیلات بیان کرتا اور خاموشی گذر سے جاتا مگر جونہی وہ اسلام کی بات کرتا اس کی زبان یا قلم انگارے اگلنے لگتی اور کوئی بھی مصنف طعن و تشنیع کے بغیر اسلام پہ اپنی بات مکمل نہ کرتا۔ مجھے یہ اسلوب کچھ اجنبی اور عدل سے عاری لگا۔ پھر میں نے یہ بھی دیکھا کہ مستشرق اسلام کو الگ سے کوئی دین تسلیم کرنے کے لیے تیار ہی نہ ہوتا بلکہ ان کے خیال میں اسلام عیسائی لٹریچر سے ماخوذ چند اقوال اور رسم و رواج کا مجموعہ ہے۔ یہ بات بھی میرے حلق سے نہ اترتی کہ وہ چند ہزار پارسیوں کے الگ مذہبی تشخص کو تو تسلیم کرتا ہے مگر ایک ارب ساٹھ کروڑ سے زائد لوگوں کے مذہب کو چند ماخوذ رسم رواج کا مجموعہ قرار دیتا ہے۔ پھر یہ بھی کہ اگر

مسلمان عیسائیوں ہی کی ایک شاخ ہیں تو پھر ان پر اس قدر اعتراضات کیوں طعن و تشنیع اور شور وواویلا کیوں۔اس کا کیا جواز ہے۔چنانچہ حقیقت کی یہی تلاش مجھے اسلام کی روشن تعلیمات کی طرف لے گئی اور مجھے اسلام سے آشنا ہونے کا موقع مل گیا۔میں نے طے کرلیا کہ اب میں اسلام پر صرف مسلمانوں کی کتابیں پڑھوں گا۔چنانچہ میں جوں جوں تحقیق کے اس میدان میں آگے بڑھا شرمندگی سے میرا دامن بھیگنے لگا کہ میں ایک ایسے مذہب کا پیرو ہوں جس میں عدل نام کو بھی نہیں۔میرے آباء خود بھی گمراہ رہے اورانھوں نے میری گمراہی میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی۔قرآن کے مقابلے میں جب میں نے عیسائی لٹریچر کو رکھا تو میرے اندر اس بڑی تبدیلی نے جنم لیا جس کے اختتام پر اللہ نے مجھے اپنی ہدایت سے نواز،
الحمدوللہ

انگریز مورخ آرنلڈ کا کہنا ہے کہ اسلام پہ یہ الزام کہ وہ تلوار کے زور پہ پھیلا سراسر بہتان ہے۔کیونکہ اسلام اپنی حقانیت تعلیمات اور اثر و رسوخ کی بنیاد پر پھیلا پروفیسر آرنلڈ کہتا ہے کہ میں اس امر پہ ششدر ہوں کہ اسلام نے اپنے سیاسی زوال اور انحطاط کے زمانے میں بھی نہ صرف اپنے وجود اور نظریے کو قائم رکھا بلکہ بعض نہایت شاندار روحانی فتوحات بھی حاصل کیں۔مثلاً اسلام کی تاریخ میں دو مواقع ایسے آئے جب وحشی کفار نے مسلمانوں کو سختی سے پامال کیا۔سلجوقی ترکوں نے گیارہویں صدی میں اور تاتاریوں نے تیرہویں صدی میں مگر ان دونوں موقعوں پر فاتحین اقوام نے اسلام قبول کرلیا اور اسلام پہلے سے زیادہ طاقت کے ساتھ ابھرا۔پھر مسلمان مبلغین نے اپنا مذہب وسطی افریقہ چین اور جزائر ہند چینی میں پھیلایا حالانکہ ان کو وہاں کسی دنیاوی حکومت کی حمایت بھی حاصل نہ تھی۔یہی وہ چند بنیادی نقات تھے جنھوں نے مجھے اسلام کے بارے میں سنجیدگی کے ساتھ سوچنے کی طرف مائل کیا۔اس کے بعد میں نے اسلام کی حقیقی اساس کی تلاش میں جہد و سعی کی اور اللہ نے منزل کی طرف میری رہنمائی کی۔

لارڈ ہیڈلے فاروق

لارڈ ہیڈلے انگلستان کے لارڈ تھے۔وہ سیاست دان بھی تھے اور مصنف بھی۔1918ء میں انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور شیخ رحمت الفاروق کے نام سے شہرت حاصل کی۔انھوں نے اسلام سے متعلق بہت سی کتابیں لکھیں ان کی ایک مشہور کتاب (Western Awakening to Islam) ہے جس میں وہ اپنے اسلام لانے کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"ممکن ہے میرے کچھ دوست یہ سمجھیں کہ میں نے مسلمانوں سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔میرے اسلام قبول کرنے کا سبب یہ نہیں۔میرا اسلام تو کئی سالوں کے مسلسل مطالعہ کا نتیجہ ہے۔میں نے جب مسلمانوں سے اسلام کے موضوع پر گفتگو شروع کی تو مجھے اس بات سے خوشی اور قلبی سکون محسوس ہوتا ہے کہ میرے خیالات اور افکار اسلام کی تعلیمات سے ہم آہنگ ہیں۔قرآن کی تعلیمات کے مطابق انسان دین اسلام اسی صورت قبول کر سکتا ہے جب اس کا دل اس کی صداقت پہ مطمئن ہو جائے۔جبر و اکراہ سے کسی کو اس دین کے حلقے میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا بھی یہی مفہوم ہے۔دین اسلام کی تعلیمات مروجہ عیسائیت کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے زیادہ قریب ہیں۔کیونکہ حلم

اور وسیع النظری اسلام ہی کا طرۂ امتیاز ہے۔حقیقت یہ ہے کہ میں اسلام قبول کرنے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے دور نہیں ہوا بلکہ صحیح عیسائیت کے قریب آیا ہوں اور اپنے آپ کو پہلے سے بہتر عیسائی محسوس کرتا ہوں میں توقع کرتا ہوں کہ میرے سابق ہم مذہب میری اس مثال کی تقلید کریں گے اور یہی میرے خیال میں بہتر رویہ ہے۔

آپ کا تعلق فرانس سے ہے اور آپ تحریک مستشرقین سے وابستہ تھے۔ وہ بہت بڑے اور ماہر آرٹسٹ تھے ۔ وہ نہایت شریف النفس انسان تھے ۔ مدتوں مظاہر فطرت میں رب کائنات کی شانِ خلاقیت کا مطالعہ کرتے ہے۔ آخر کار اللہ نے ان کی راہنمائی کی اور وہ دین اسلام کی پناہ میں آ گئے ۔ قبول اسلام کے بعد انھوں نے اپنا نیا نام ناصر الدین رکھا اور اپنی ساری زندگی اپنے نام کی لاج رکھتے ہوئے دین اسلام کی خدمت میں گذار دی۔ انھوں نے مستشرقین کی طرف سے اسلام پر لگائے گئے اعتراضات کے کافی وشافی جواب دیئے اور ثابت کیا کہ اہل مغرب علم، ثقافت، شجاعت یا کسی بھی اور میدان میں مسلمان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے ۔ دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے اُن کی بے پناہ خدمات کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ۔ وہ کہتے ہیں عیسائیت اپنی اصل ہیت کو گم کر چکی ہے اور ایک جمود کا شکار ہے جبکہ اسلام نہ صرف یہ کہ ایک زندہ مذہب ہے بلکہ متحرک مذہب ہے جو انسانی زندگی کے تمام تر معاملات کو محیط ہے اور دامن اسلام میں انسان کسی قسم کی تشنگی محسوس نہیں کی بلکہ یک گونہ آسودگی کا ایک احساس اُس کے ہمنوا ہو جاتا ہے۔

یہاں کچھ تذکرہ اُن سیاہ بخت مستشرقین کا ہے جن کی ساری زندگیاں اسلام اور پیغمبر اسلام پر کیچڑ اچھالتے گزر گئیں۔ مستشرقین کا یہ گروہ اس دنیا میں ہمیشہ اسلام کے خلاف تعصب کی آگ میں جلتا رہا اور آخرت میں یہ دوزخ کی آگ میں جلنے والے ہیں۔

زہر قلم

تحریک استشراق ایک تسلسل ہے اُس زہر کا جو اہل مغرب کے قلم اگلتے ہی رہے، نفرت کے شرارے، حسد و بغض کے انبار، الزامات و اتہامات، کذب و افترا، دہکتے انگارے ہی اُس قلم کا کل اثاثہ تھے جو حسد و بغض میں جلے سینوں کا ظاہری عکس تھے۔ جن ہاتھوں میں وہ قلم تھے وہ علم کے نام پر جہالت بانٹ رہے تھے، وہ اس قدر بے عدل تھے کہ اپنی اس صفت میں وہ یکتا تھے۔ وہ چند ایک نہیں بلکہ بے شمار تھے اور یہ آج کل کی بات نہیں بلکہ صدیوں کا ایک تسلسل ہے جس میں دھواں دیتے اِن سینوں کا غبار کسی نہ کسی سطح پر ضرور محسوس کیا جاتا رہا ہے۔ دل تو نہیں چاہتا کہ اس تذکرے کو مزید طویل کیا جائے مگر دشمن کو پہچاننا اور دشمن کی چالوں کو سمجھ کر عقل سے اُن کا رد کرنا بھی تو اسلام کے احکامات میں شامل ہے۔ اس لیے ذیل میں ہم اس بدقسمت قبیلے کے کچھ لوگوں کے نام اور اُن کی کتابوں کا کچھ تذکرہ کریں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں

جنھوں نے خاص طور پر اسلام اور پیغمبر اسلام کو اپنا ہدف بنائے رکھا۔ یقیناً اِن لوگوں کے لیے اس دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی عذاب ہے۔

- آدم (Adams Isase)۔

Mohammad and Mohammadanism.

Chicoago 1900ء

****

- ایڈیسن (Addison lancelat)

The Life and deth of Mohammad.

The author of the Turkish Religion.

London 1679ء

****

- ایڈلر (Addler Fellx.M.)

Moyammed.

Philladelphia 1901ء

****

- اہرن (Ahren Karl)

Mohammadals Religions stifter.

Leipzig. 1935ء

****

☚ ایٹن (Aitonn, Johan)

The land of Messiah.

Mohomet and the pope.

London 1854ء

****

☚ آرنلڈ (Aronld. T.W.)

The Preaching of Islam.

London 1896ء

****

☚ آرنلڈ(Arnold,J.M.)

Islam its History,character and Relation to Christianity.

London1874ء

****

☚ اروِنگ (Irving Washington)

Life of Mahoment.

New York 1811ء

****

☚ اوکلے (Ockley Simon)

History of The Saraceus

London 1847ء

****

☚ اوکسی گان(OKsegon L.L.e)

Confutaction del Alovany Secta Mohammetana.

Gronad 1555ء

****

☚ ایج مین (Eigeman, Jakob)

Mohammad de Profet der Arabieren.

Amesterdam 1898ء

****

☚ اوسنر (Oeisner,C.E.)

Des effectts de tareligion de Mohammed.

****

☚ اوسم (Osbon,R.D.)

Islam under the Arabs.

London 1876ء

****

☚ اوزرن (Osztern,S.)

Vizalt Mohammed Kuranjanak ethik.

Budapest. 1902ء

****

☚ اسٹیب (Stubbe,h)

An account of the and progerss of Islam.

London. 1911ء

****

☚ افام (Upham ,Edward)

History of the ottomon Empire.

Preceded by the life of Mohammad.

Hurst. 1835ء & 1826ء

****

☚ اشپرینگر (Sprenger,A.)

Life of the Mohammad.(1851)

Das lebas and die leh redes Mohammad.

1861ء

****

☚ اسمتھ (Smith, Bosworth)

Muhamad and Mohammadenism.

London 1872ء

Lahore 1878ء

****

☚ بخیلات (Bachelat Theodore)

Mahmomet at les Arabs.

Rome.1878ء

****

☚ بیڈول (Badwell.W.)

Mohmmedis impose turae.

London. 1615ء

****

☚ برن فیلڈ (Bernfeid Simon)

Mohammad, His Biography.

Warsa. 1914ء

****

☚ بیسان (Besant Annie)

The Life and teching of Mohammad.

Adyar 1932ء

****

☚ بلادخیر (Blachore Regis)

Le Problems de Mahomet.

Paris 1952ء

****

☚ بلام (Blom, P.)

Mohammad of Koramen.

Hamar 1904ء

****

☚ بلائٹ (Blytt. Eva.)

Muhammad Islam Store profet.

Kristiannica. 1911ء

****

☚ بووین (Bowen , George)

Life of Muhammad.

Bomby. 1851ء

⏪ برانڈے (Brandes C.E.C)

Muhammad Skuespiel, the akter

Ohenhaven. 1895ء

****

☚ بوڈلے (Bodely, R.V.C.)

The Massenger Muhammad.

London. 1946ء

****

☚ بولین ولیرز (Boulain Viaaiers H.C.)

Amersterdam. 1731ء

****

☚ ری گنی (Brequigny. H.D.)

Veber Muhammad.

Frakfurt. 1791ء

****

☚ بریم (Briem O.E.)

Budha,Muhammad,Jesus.

London. 1938ء

****

☚ بروکلمان (Brockeimanna.c)

History of the Islamic People.

New york. 1947ء

****

☚ براؤن (Brown,D.A.)

The era of Mahomet.

Londen. 1856ء

****

☚ بوہل (Buhl,F.P.W.)

Des leban Muhammeds.

Leipzig 1930ء

****

☚ پونی (Ponet, Rudi)

Mohammed under Koran.

Stuttgart. 1951ء

****

☚ پائنی(Payne,P.S.R)

The Holy Sworel the Story of Islam from Muhan to the present.

London. 1961ء

****

☚ پیڈیو (Pedio,San Paswal)

Contra Lospartalista Mahometanos.

Rome. 1905ء

****

☚ پروخش (Prucksch,otto)

Uber die Bluctrache beiden

Leipzig 1899ء

****

☚ (Taylor W.C.)

History of Mohametanism and its Sects.

London. 1834ء

****

☚ ٹنسڈال (Tinsdall, W ST.C.)

Sances of the Quien.

London. 1905ء

****

☚ ٹائن بی (Toynbee A.j.)

A Study of History.

London. 1954ء

****

☚ ٹرپن (Turpin F,R.)

Historie de la Via de Mahomet.

Paris 1776ء

****

☚ جبریلی (Gabriele)

Muhammed and the conquestts of Islam.

New York. 1968ء

****

☚ جیکنیر (Gagnier, J)

Vie de Mohammed.

Amesterdam. 1748ء

****

☚ جینوے (Genevay.A.)

Mohammed.

Paris 1838ء

****

☛ جیورگن (Georgens,E.P.)

Mohammadein Characrbild.

Berlin 1878ء

****

☛ جیفرے (Jaffery , Arthur)

Islam Mohammed and His religion.

New York. 1958ء

****

☛ جانسٹن (Johnston ,p.Lacy)

Mohammad and his power.

New york. 1901ء

****

☛ چیورغیو (Cheorghur C.V.)

La Via de Mahomet.

Paris 1962ء

****

☚ چگاوٹ (ChagaVat ,Michel.S.)

Mahomet les khalifes.

Paris 1912ء

****

☚ درمنگھم (Darmenghem,E.)

La Via de Mahomet.

Paris 1929ء

****

☚ دوکات (Ducati ,Bruno)

Maometton.

Flornace 1929ء

****

☚ ڈالے (Dale codetrey)

Maishaya Muhammad.

London ۱901ء

****

☚ ڈبلے (Dibble, R.F.)

Mohammad.

New york.۱926ء

****

☚ ڈیون پورٹ (Davenport, John)

Apology for Mohammad and the Quran.

Lahore. ۱975ء

****

☚ ڈوریرو (Duryer, Andre.)

The Alcoran of Mahomet

London. ۱949ء

****

☛ ڈریکارٹ (Draycott G.M.)

Mahomet Founder of Islam.

London 1915ء

****

☛ ڈوکاسے (Ducasse Raymond.)

Mahomet dauson lemps.

Geneva 1908ء

****

☛ ڈیورجرس (Desvergers.N)

La Via de Mahomet.

Paris 1937ء

****

☛ ریلے (Raleigh, Sir .W.)

The life and deth of Muhammad.

London 1937ء

****

☚ رام پوڈی (Ram polde)

Vita di Maometto.

Milano 1922ء

****

☚ ریکنیڈر (Reckander,H)

Mohammad und die seninen.

Leipzig 1907ء

****

☚ ریم (Rehm.H.S)

Mohammad und die welt des Islam.

Leipzig. 1755ء

****

☚ رینو (Reinaud, J.J.)

Notics sur Mahomet.

Paris 1860ء

****

☚ ریلان (Reland, H.)

De religione Mohammedica libra due.

Utruth. 1707ء

****

☚ رینان (Ranan, Ernest)

Mahomet et ler origiones de L Islam.

Paris. 1880ء

****

☚ رنک (Rink,F.Th.)

L.Islam et son Prophet.

Lausanna 1870ء

****

☚ ریولین (Rivlin. Josef,J.)

Hayyey Muhammad.

Mizz. 1932ء

****

☚ روبک (Robuck)

Life of Mohamet.

London 1833ء

****

☚ (Romro , Jacob) رومر

Mohammad.

New York 1907ء

****

☚ (Zakarias Henna) زکریا

Voice le Vraj Mohammed et la Faux Coran.

Paris 1960ء

****

☚ (Sacco, G.) سیکو

le Gandenze religion de Mohammed.

Rome. 1912ء

****

☚ (Sale, George) سیل

The Koran or Al Coran of Mohammad.

London 1734ء

****

☛ (Saunders,J.J.)سونڈرز

A History of Medieval Islam.

London. 1965ء

****

☛ (Tor Andree.) طوراینڈرے

Mohammad,The man and His faith.

London. 1956ء

****

☛ (Favort ,Alexis) فیورٹ

Mahomet La Science Chezes Arabs.

Paris 1866ء

****

☛ (Forster Charies) فارسٹر

Mahometanism unveiled.

London 1829ء

****

☚ فوربنگ (Forebing, J.C.)

Annali dell , Islam.

(*4) Hepoli. 1905ء

****

ایک طویل علمی مسافت کے بعد ہم خاص سیرت رسول ﷺ پر اپنے مباحث کا آغاز کرنے والے ہیں اگرچہ عہد رسالت میں داخل ہونے سے پہلے ہم سیرت کے بعض فنی پہلوؤں پر کچھ مضامین تحریر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اللہ ہمیں کامیاب فرمائے۔ آمین

آج اخلاق کا جو سرمایہ ہے وہ سیّد المرسلین ﷺ کے نقشِ پا کا صدقہ ہے، باقی سب تو ایوانِ تمدن کے وہ نقش و نگار ہیں جو وقت کے ارتقائی مراحل میں اپنا حلیہ بدلتے رہتے ہیں۔ تاریخ کے صفحات اگرچہ مصلحین اور سابق انبیاء کے تذکرہ اور دعوتِ اخلاق سے خالی نہیں ہیں مگر جمال و کمال کی جو انتہا انسانی تمدن اور اصلاح کاملہ کے لیے درکار تھی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حتیٰ کہ ریگزارِ عرب میں وہ ''گل'' کھِلا ﷺ جس کی خوشبو سے سارا عالم مہک اٹھا۔ جس کے پیام کی تابانی سے جہل اور ظلمت اپنا منہ چھپائے پھرے اور سسکتی انسانیت نے اس عظیم انقلاب کے سائے تلے اطمینان اور آسودگی کے وہ لمحے بتائے جن کی لذت سے وہ اب تک ناآشنا تھے۔ اذانِ حق کا سلسلہ اگرچہ ہزاروں سال سے جاری تھا مگر دعوت کے مدار محدود تھے۔ انسانیت شاید ابھی اس پیامِ آخر کا بوجھ اٹھانے کے لیے تہذیبی طور پہ ناپختہ تھی اس لیے اگرچہ سابق انبیاء و رسل نے دعوت و ترسیل کا فریضہ پوری تندہی سے ادا کیا مگر وہ فضائلِ اخلاق کی کسی خاص صنف کا نمونہ تھے۔ چنانچہ وہ انسانیت کے سبقِ اول توحید کے

ساتھ کسی ایک اخلاقی پہلو کو اپنی دعوت کا محور قرار دے کر اپنی اقوام کی راہنمائی کرتے رہے۔ قرآن نے سابق انبیاء ورسل کی دعوت اور ان کے خاص محور کے متعلق عبرت کے حوالے سے انسان کی راہنمائی کا اہتمام کیا ہے۔ مثلاً جنابِ مسیح علیہ السلام کے ہاں ہمیں حلم وتحمل، صلح وعفو، قناعت وتواضع جیسے بلند اخلاقی محاسن تو ملتے ہیں مگر انھوں نے حکومت اور فرمانروائی جیسے امور کی طرف توجہ نہیں فرمائی کہ یہ ان کی دعوت کا محور ہی نہ تھا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعوتِ اوراق میں عفوعام کے صفحے خالی ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کو بدفعلی سے منع کرتے ہیں تو حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو کم تولنے کے عذاب سے متنبہ کرتے نظر آتے ہیں، جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کو حکومت اور فرمانروائی عطا ہوتی ہے مگر ان کے ہاں عمومی اور پیچیدہ تمدنی معاملات سے بحث نہیں کی جاتی۔ چنانچہ انسانیت منتظر تھی کسی ایسے صاحبِ کمال کی جس کی دعوت عالمگیر ہو، ہمہ پہلو ہو، جو رحمۃ العالمین ہو، جو انسان تک اللہ کے اس فرمانِ آخر کو پہنچائے جس کے بعد تمدنِ اخلاق میں اصلاح کی گنجائش نہ رہے، جس کی ذات میں وہ تمام محاسنِ اخلاق جمع ہوں جن کی نشاندہی تمدنِ اخلاق نے آج تک کی ہے، جو صاحبِ شمشیر ونگیں بھی ہو اور گوشہ نشیں بھی، بادشاہ کشور کشا بھی ہو اور انتہائے عجز کا علم بردار بھی ہو، جو زہد و تقویٰ میں بھی یکتا ہو اور امانت ودیانت میں بھی منفرد ہو، جس کا نام صداقت وصالحیت میں بھی سرفہرست ہو اور جو امورِ سلطنت میں بھی شاہ وقت ہو، جو رشد وہدایت کا نیّرِ درخشاں بھی ہو اور علم وحکمت کا سرچشمہ بھی ہو، جو فصاحت وبلاغت کا نمونہ بھی ہو اور جسے دنیا امّی کے نام سے بھی یاد کرے، جس میں نشانِ عصمت وعفاف بھی ہو اور عادتِ احسان وکرم بھی ہو، جو حلم وعفو کا شاہکار بھی ہو اور پیکرِ عزم وثبات بھی ہو، جو ایثار ولطف اور غیرت واستغنا کے ہر پہلو سے بھی واقف ہو، جو تمام فضائل واخلاق کا مجسم پیکر ہو جو خود ہمہ تن آئینۂ عمل ہو، جس کی ہر جنبشِ لب پہ ہزاروں تصنیفات قربان کرنے کو جی چاہے اور جس کا ایک اشارہ امرِ گدائی کو سلطانی وجہانبانی سے بدل دے اور اگر یہ تمام محاسنِ اخلاق کسی ایک در پہ جمع ہو جائیں تو تاریخ کے دریچوں سے ایک ہی صدا آئے گی ایک ہی نام گونجے گا محمد ﷺ

(محمّد عربی فدیتہ بابی و امی)

ایک اور پہلو سے اسی امر خاص کا جائزہ لیں تو ہم جانتے ہیں کہ تاریخ کے صفحات بہت بڑی بڑی اور قد آور

شخصیات کے کارناموں اور تذکروں سے بھرے پڑے ہیں اور اِک ہجوم ہے جس کو دامنِ تاریخ کی رونق قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس لیے اگر دنیا کے سامنے یہ سوال اٹھایا جائے کہ جامعیت کبریٰ اور اوصاف حمیدہ کے حوالے سے کس شخصیت کو تاریخ عالم کی بلند ترین مسند پر بٹھایا جاسکتا ہے تو انواع واقسام کے جواب موصول ہونگے اس لیے کہ ہماری دنیا مختلف عقائد اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں سے بھری پڑی ہے اور ہر ایک شخص اپنے عقیدہ اور مذہب کے معاملے میں جذباتی واقع ہوا ہے اس لیے وہ اوراقِ تاریخ کو بھی اپنے عقائد اور تخیلات کے آئینے میں دیکھنے کا عادی ہے۔ وہ اپنے خاص ذہنی ذوق اور مذہبی ماحول میں کبھی اس بات کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوگا کہ تاریخ کے کچھ صفحات آلودہ بھی ہو سکتے ہیں اور اس کی ذمہ داری اس کے آباء کے سر ہے۔ وہ تاریخ کے صفحات سے اپنے دل کے بھلاوے کے لیے کافی کچھ اخذ کر لیتا ہے چاہے تاریخ کے دامن میں ان کے مشاہیر کی ناپختہ اور نامکمل تصویر ہی کیوں نہ ہو۔

جیسا کہ حضرت موسیٰ کے جو حالات ہم تک پہنچے ہیں ان کا مآخذ تورات کے وہ مجموعے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے تین سو سال بعد مرتب کیے گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی 33 سالہ زندگی کے بھی صرف آخری تین سال کے حالات معلوم ہیں۔ مگر وہ بھی روایت اور درایت کی اس کسوٹی پر کسی طور پورے نہیں اترتے جس کو معیار قرار دیا جا سکے، نہ ہی مشیت ایزدی کے تحت اور نہ ان پیغمبروں کی امتوں نے اس بات کا اہتمام کیا کہ اپنے انبیاء ورسل کی تعلیمات اور سیرتوں کو محفوظ کیا جاسکے۔ یہ کارِ عظیم صرف مسلمانوں کا ہی خاصہ رہا ہے کہ ایک طرف تو ان کی آ خری کتاب قرآنِ حکیم کی حفاظت کا ذمہ خود اس کے نازل کرنے والے علیم وخبیر سمیع وبصیر نے اپنے ذمہ لیا تو دوسری طرف مسلمانوں نے اپنے نبی ﷺ اپنے محبوب اپنے راہبر اور ہادی کی ہر ادا کو لب جنبش کی ہر ساعت کو پہلے تو اپنے سینوں میں محفوظ کیا اور اس کے بعد پورے اہتمام سے لفظوں کا وہ پیرہن دیا جس کی بنا پر اسلام ایک ہمیشہ زندہ رہنے والا دین بن گیا۔ چنانچہ عام مصلحین ہوں یا انبیاء ورسل دنیا کی کسی اور شخصیت کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ اس کی زندگی کے ہر پل کو وہ ابدیت حاصل ہو چکی ہے جو نبی پاک ﷺ کے اعمال وافعال اور افکار وتعلیمات کو حاصل ہے اس لیے کہ اس شمع کے پروانوں کے والہانہ پن نے ایک منفرد اور اچھوتے اسلوب کو جنم دیا جس کے بطن سے بعد میں محدثین اور اہل سیر نے نبی ﷺ کی سیرت کا وہ حسین آئینہ مرتب کیا جس پہ ایک نظر ڈالتے ہی انسان حیرت کے ان جہانوں میں

جا نکلتا ہے جہاں وفا اور محبت کے نئے اور اچھوتے باب وضع ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا وہ اہتمامِ عظیم ہی تھا کہ آج رسول کریم ﷺ کا وہ دلکش اور خوبصورت عکس ہمارے درمیان ایسے ہی زندہ ہے جیسے کہ ہماری زندگیوں کی دوسری بہت سی حقیقتیں۔ خود دامنِ تاریخ اس امر پہ ششدر ہے کہ اہتمام کا جو معیار مسلمان نے اپنے آقا ﷺ کے لیے وضع کیا اس کی مثال ماقبل تاریخ سے نہیں دی جا سکتی۔ سابقہ امتوں کے ہاں تو اس درجہ کا اہتمام آسمانی صحائف کے لیے بھی نہ کیا گیا جو رسول کریم ﷺ کے ایک ایک پل کے لیے کیا گیا۔ آپ ﷺ کی زندگی کا وہ کون سا گوشہ ہے جو نگاہ تاریخ سے پوشیدہ رہ سکا ہو۔ تفصیل اور وسعت کے لحاظ سے حالت یہ ہے کہ اقوال وافعال، وضع وقطع، شکل وشباہت، رفتار و گفتار، مذاقِ طبع، اندازِ گفتگو، طرزِ زیست، طریقِ معاشرت، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے حتیٰ کہ لمحاتِ خلوت کے آداب تک کو محفوظ کرنے کا اہتمام کیا گیا تا کہ زندگی کے جس گوشے میں بھی نورِ نبوت کی ضرورت محسوس ہو وہ فوراً ہی دستیاب ہو۔

تاریخ کے صفحات اس بات کے شاہد ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس معاشرے میں دعوتِ توحید کا اعلان فرمایا جو نہ صرف یہ کہ سماجی طور پہ انتہائی پست حالات میں تھے بلکہ عقائدی پستی کے بھی اس عہد میں جی رہے تھے جسے سراسر ظلمت اور جہل کا دور قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر آپ ﷺ تھوڑے ہی عرصے میں تمام عربوں کی زندگی کے ہر گوشے میں ان کے راہنما بن گئے۔ آپ ﷺ ان کے لیے عظیم وبے نظیر مفکر، ہادی وراہنما، مصلح ومعلم انسانیت، مدبر وسیاستداں، ماہر حربیات وسپہ سالارِ اعظم، فاتح وحکمران، منتظم وقاضی اور ماہر معاشیات واخلاقیات بن گئے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ کے بے پناہ ایثار ومحبت اور جذبہ اہتمام نے اس بات کو ممکن بنایا کہ اس عظیم انقلاب کے تمام مراحل دامنِ تاریخ میں ایک تابندہ باب کی حیثیت سے ہمیشہ کے لیے رقم ہو گئے۔

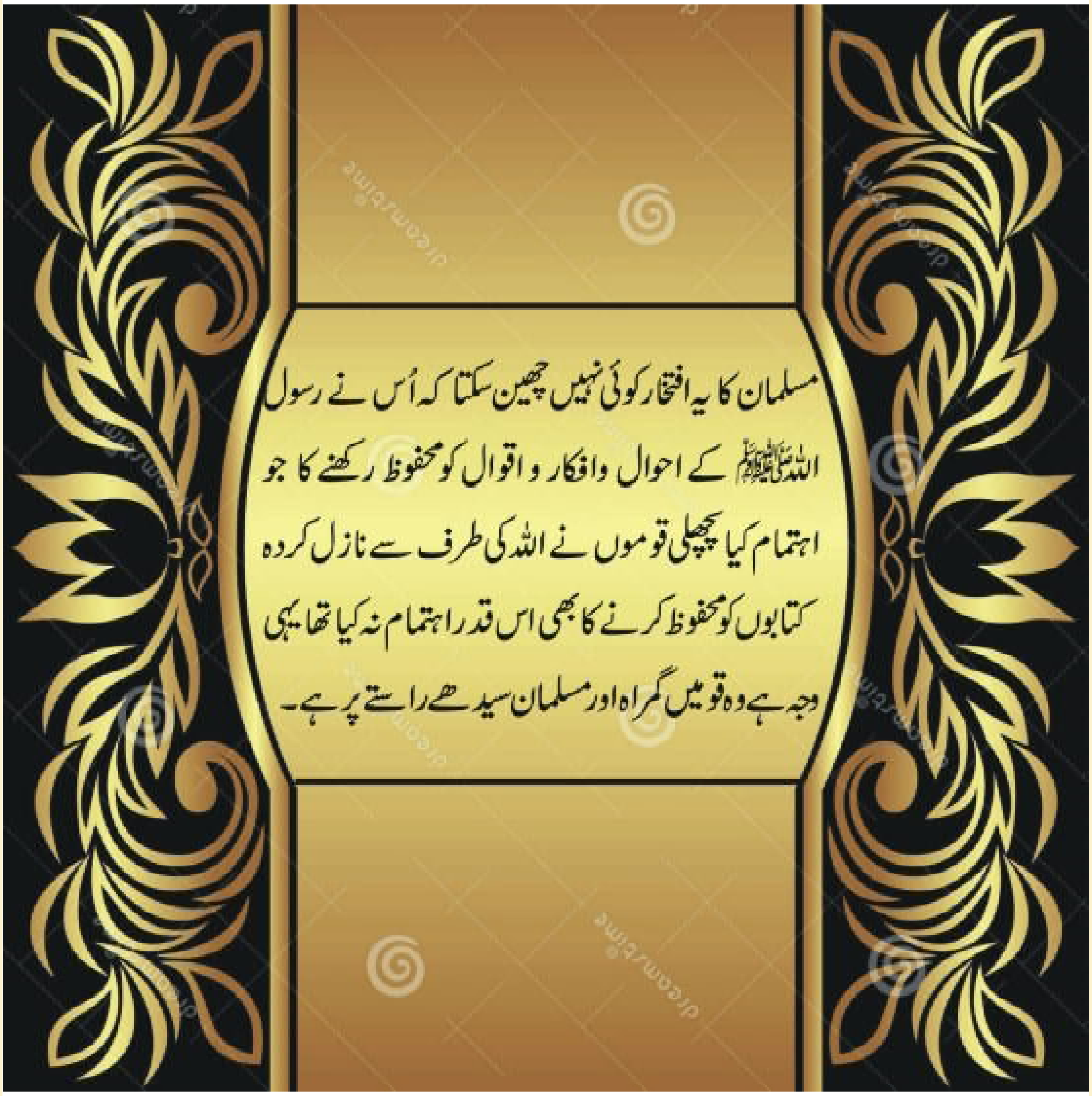
مسلمان کا یہ افتخار کوئی نہیں چھین سکتا کہ اُس نے رسول
اللہ ﷺ کے احوال وافکار و اقوال کو محفوظ رکھنے کا جو
اہتمام کیا پچھلی قوموں نے اللہ کی طرف سے نازل کردہ
کتابوں کو محفوظ کرنے کا بھی اس قدر اہتمام نہ کیا تھا یہی
وجہ ہے وہ قومیں گمراہ اور مسلمان سیدھے راستے پر رہے۔

گذشتہ صفحات میں اسوہ ءرسول ﷺ کے اہتمام تحفظ کو زیر بحث لایا گیا اب اس کے معاشرتی اور اخلاقی پہلوؤں سے بحث کی جاتی ہے۔ تاریخ کے ابتدائی ادوار میں سیرت کی ضرورت صرف تاریخ اور واقعہ نگاری تک محدود تھی۔ تاہم فن سیرت نے رفتہ رفتہ ایک باقاعدہ صنف کی صورت اختیار کر لی اور آج کے متمدن دور میں علوم وفنون کی صف میں سیرت نگاری کو ایک خاص درجہ حاصل ہے، اس کی علمی حیثیت اب مسلّمہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر آدمی کی زندگی ایک داستان کی صورت ہے اب یہ قاری پہ ہے کہ وہ اس داستاں سے عبرت پذیری کے ان مراحل کا ادراک حاصل کر پاتا ہے یا نہیں جو بیان کرنے والے نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے چھوڑے ہیں۔ ایک عام انسان کی زندگی میں بھی وہ تمام مراحل پوری آب و تاب سے موجود ہوتے ہیں جو کسی شہنشاہ کی زندگی کا خاصہ کہلاتے ہیں۔ وہ بھی سعی وعمل اور جدو جہد کی انھیں راہوں کا مسافر ہوتا ہے جس پہ چل کے کوئی تو سکندر اعظم کہلاتا ہے اور کوئی وقت کی بے پناہ راکھ تلے بے نام ونشاں رہ جاتا ہے، کہتے ہیں تاریخ بادشاہوں کے تذکرے کا دوسرا نام ہے۔ مگر فن سیرت

نگاری کی وجہ سے اب تاریخ کے صفحات میں بہت سے فقیروں مصلحین اور علمی ارتقاء کے حامل علمی نظریات پیش کرنے والوں نے بھی جگہ بنالی ہے، علم کلام کی حیثیت سے سیرت نگاری کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ معترضین کا ایک گروہ اس امر کا اعادہ کرتا ہے کہ مذہب اگر خدا پہ یقین کرنے کا نام ہے تو پھر تو اور بات ہے مگر جب اس میں رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان لانے کو ضروری قرار دیا جائے تو یہ بات متبعد ہو جاتی ہے کہ حامل وحی اور سفیر الٰہی کی ذات سے بھی بحث کی جائے اور اس کی عادات واخلاقیات کو بھی معیار قرار دیا جائے۔ چنانچہ آغاز اسلام کے کچھ عرصہ بعد ہی پورے اہتمام کے ساتھ سیرت ومغازی کو مدون کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور یہ نظریہ محض ایک خیالِ خام کی حیثیت رکھتا ہے کہ چونکہ اہل عرب میں پڑھنے لکھنے کا زیادہ رواج نہ تھا اس لیے یہ کام بہت دیر کے بعد شروع کیا جا سکا۔ دراصل یہ یورپی مستشرقین کی پھیلائی ہوئی ایک بڑی غلط فہمی ہے جس کی زد میں بہت سے سادہ لوح مسلمان بھی آتے رہتے ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے اپنے پیغمبر ﷺ کے حالات وواقعات کا ایک ایک حرف اس استقصاد کے ساتھ محفوظ رکھا ہے جس کی مثال تاریخ کے صفحات سے پیش نہیں کی جا سکتی۔ اب یہ آج کے انسان کی اپنی بدقسمتی ہے کہ وہ اس ذخیرہ ادب سے اپنی روح کو سرشار نہ کرے۔

پچھلی کئی صدیوں سے مسلمانوں میں عربی زبان کے عمومی فہم کا فقدان پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس بات پہ خود کو مجبور پاتے ہیں کہ اپنے ہی نبی ﷺ کے حالات وواقعات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے مستشرقین کے اس سرمایہ سے رجوع کریں جو انھوں نے بڑی محنت سے تیار کیا ہے۔ چونکہ وہ مستشرقین کی زبانوں سے واقفیت رکھتے ہیں اس لیے وہ اس میٹھے زہر کو رفتہ رفتہ اپنی رگوں میں اتارتے رہتے ہیں اور ان کو محسوس بھی نہیں ہو پاتا کہ کہاں اور کب علمی بددیانتی کا آغاز ہوتا ہے اور کہاں جا کر انسان رحمتِ عالم ﷺ کو محض ایک عام سا مصلح قرار دے کر اپنی دانست میں ان کی عظمت کا اقرار کر رہا ہوتا ہے مگر دراصل وہ خود کو اس دلنشیں حصار سے دور لے جا رہا ہوتا ہے جہاں نبی کریم ﷺ کی محبت زندگی کا سرمایہ بن جاتی ہے۔ مستشرقین علم کلام میں اپنی مہارت کی وجہ سے آپ ﷺ کی زندگی کے ان گوشوں سے زیادہ بحث کرتے ہیں جن کے متعلق ان کو ضعیف الاسناد روایتوں کی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ ثبوت ہمارے ہی اس ذخیرے سے حاصل کرتے ہیں جس کی ہمارے اہل علم کے نزدیک چاہے کوئی وقعت نہ ہو مگر یہ بھی

حقیقت ہے کہ ہمارے ہاں تقلید اور نقل در نقل کے رویوں نے ایسے بہت سے خلا چھوڑ رکھے ہیں جوان کے لیے کسی نعمتِ غیر مقرتبہ سے کم نہیں۔ اگرچہ مسلمانوں نے اپنے علوم کی حفاظت اور ان کی شفافیت کے لیے کئی ایسے وقیع علوم وضع کئے دنیا جن کے نام تک سے آشنا نہ تھی۔ اسلامی تاریخ میں جہاں نبی کریم ﷺ کی زندگی کے ہر گوشے کو ابدیت فراہم کرنے لیے گوناگوں اہتمام کئے گئے۔ وہیں آپ ﷺ کے قریبی حلقے کے بہت سے لوگوں کی زندگیوں اور ان کے اعمال و افعال کو محفوظ رکھنے کا بھی برملا اہتمام کیا گیا اس سلسلے میں امت کے کام کو خراج تحسین پیش نہ کرنا بخل ہوگا کہ آپ ﷺ کے ساتھ مختلف مقامات پر دیکھے اور سنے جانے والے تقریباً تیرہ ہزار صحابہ اور تابعین کے حالات و واقعات بھی ایک سرمایہ سے کم نہیں اور یہ کارِ عظیم اس دور کی یادگار ہے جس کے متعلق مستشرقین کا دعویٰ ہے کہ وہ تصنیف و تالیف کا دور ہی نہ تھا ۔اس کارِ خیر اور عظیم اثاثے کی تفصیلات تو بہت طویل ہیں تاہم اس سلسلے میں شہرت حاصل کرنے والی تصنیفات میں طبقات ابنِ سعد کتاب الصحابتہ لابن السکن، کتاب بعبد اللہ علی بن جارود، کتاب العقیلی فی الصحابتہ، کتاب ابن حاتم الرازی، کتاب الازرق، کتاب الادولابی، کتاب البغوی طبقات ابن ماکولا اسد الغابتہ اور استعیاب اصابہ فی الاحوال اصحابتہ شامل ہیں۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ حدیث پاک ﷺ پہ اس دور میں جو کام ہوا وہ اس کے علاوہ ہے۔ مندرجہ بالا تمام تصنیفات ان لوگوں کے احوال کے متعلق ہیں جو آپ ﷺ کی اس عظیم تحریک میں لحہ بہ لحہ قدم بہ قدم آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔ جن کو قرآن نے ستاروں سے تشبیہ دی اور جن کا اسوہ مبارک ہمارے لیے روشن راہوں کی دلیل ہے کہ آج کی مادیت سے لتھڑی دنیا میں بھی اس ایثار و عزم کا وزن اتنا ہی زیادہ ہے جتنا کہ گزرے کل میں عرب کے تپتے ریگستانوں میں تھا۔ صحابہ نے جس داستان عزیمت کو تاریخ کے صفحات کے سپرد کیا، صبر واستقلال کے جس معیار کا مظاہرہ کیا، دین حق کی تسلیم ورضا اور دین کی خاطر سختی و شدت کو جس استقلال کے ساتھ برداشت کیا وہ یقیناً امت کا اثاثہ ہے اور رہنمائی کے لیے سنگ میل ہے۔

مسلمانوں نے اپنے علوم دین کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ رکھنے کے لیے بہت سے علوم وضع کیے۔ انھی علوم میں علم فن سیرت اور علم فن روایت شامل ہیں۔ انھی علوم کی بدولت رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ ہمارے سامنے آج بھی اس طرح روشن اور واضح ہے جیسے یہ پندرہ سو سال پہلے کی نہیں بلکہ کل کی بات ہو۔

ایک عرصے تک لوگ اس غلط فہمی کا شکار رہے کہ علم حدیث اور فنِ سیرت ایک ہی کام کے دو نام ہیں۔ مگر تیسری صدی ہجری میں علمائے اسلام نے تحقیق کی بنا پر ان دونوں اسلوب میں واضح تفریق کی اور امت کو اس امر سے آگاہ کیا کہ فنِ حدیث کا رتبہ اہل سیر کے فن سے بدرجہا بلند ہے اس لیے کہ کوئی سیرت نگار اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کا دامن ہر پہلو سے ضعیف اور ناتواں روایات سے پاک ہے۔ جبکہ کئی محدثین اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے مجموعے ضعیف اسناد سے پاک ہیں۔ جیسے کہ امام مسلمؒ اور امام بخاریؒ۔ چنانچہ علامہ شبلی نعمانیؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''سیرت النبی ﷺ'' میں لکھتے ہیں کہ آج تک کوئی کتابِ سیرت ایسی نہیں لکھی جا سکی جس کے متعلق اس بات کا دعویٰ کیا جا سکے کہ وہ ہر پہلو سے تیقن کا وہی معیار رکھتی ہے جس کا اہتمام حدیث کے معاملے میں کیا جاتا ہے۔ چنانچہ محدثین اور اہل سیر کے درمیان جو پہلا نقطہ زیر بحث آیا وہ یہ تھا کہ سیرت کا اطلاق کن کن حوالوں سے کونسی مخصوص علامات کا حامل ہے۔ اس لیے کہ اول اول تو سیرت کے نام پر شہرت حاصل کرنے والی تصنیفات صرف

آپ ﷺ کے ان خاص غزوات کے حالات پیش کرنے تک محدود تھیں جو آپ ﷺ کی زندگی میں پیش آ ئے۔ کئی صدیوں تک یہی سلسلہ جاری رہا اور تیسری صدی تک جن کتابوں نے سیرت کے نام پہ قبول عام حاصل کیا ان میں زیادہ تر غزوات نبوی ﷺ کے حالات بیان کرنے پر ہی اکتفاء کیا گیا۔ مثلاً سیرت ابن اسحاق، حافظ ابن حجر کی فتح الباری، سیرت ابن ہشام، سیرت ابن عائذ اور سیرت اموی دراصل فن مغازی پہ ہی دلیل تھیں۔

البتہ زمانہ مابعد میں مغازی کے علاوہ نبی کریم ﷺ کی زندگی کے دیگر گوشوں کو بھی اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی اور پھر محدثین سے جدا فنِ سیرت نگاری کی بنا پڑی۔ جیسا کہ مواہبِ لدنیہ میں غزوات نبوی ﷺ کے ساتھ ساتھ دیگر بہت سے واقعات کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے اور سیرت نبوی ﷺ کے بہت سے نئے در وا ہوئے۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری کے بعد سیرت پہ جس عظیم تحقیق کی روایت پڑی یہ اسی کا ثمر ہے کہ آج نبی کریم ﷺ کی زندگی کا شاید ہی کوئی لمحہ ایسا ہو جسے اہل سیر کی آنکھ سے پوشیدہ قرار دیا جا سکے۔ اب اس امر میں بھی شبہ کی گنجائش نہیں کہ سیرت نگاری کے فن نے آپ ﷺ کی زندگی کے بیشتر لمحات کو جو لاثانی ترتیب فراہم کی ہے اس سے وہ تشنگی کافی حد تک دور ہو جاتی ہے جو حدیث کا تمام ذخیرہ پڑھنے کے بعد بھی برقرار رہتی ہے۔

اگرچہ یہ ایک قدیمی فن ہے اور اس کی افادیت سے بھی کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا تاہم حدیث نبوی کو مدون کرنے کے لیے احتیاط کا جو التزام کیا جاتا ہے وہ سیرت نگاری میں ممکن ہی نہیں اس لیے کہ حدیث کی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے حالات و واقعات اور اخلاق و عادات کے متعلق نہایت کثرت سے واقعات تو موجود ہیں جو اہل سیر کی یقینی مدد بھی کرتے ہیں مگر تنہا ان سے ایک بلند پایہ اور تسلسل قائم رکھنے والی تصنیف تیار نہیں کی جا سکتی کہ ان میں اس تاریخی ترتیب کا فقدان پایا جاتا ہے جو سیرت نگاری کا لازمہ ہے۔ چنانچہ حافظ زین الدینؒ عراقی جو حافظ ابن حجرؒ کے استاد بھی ہیں، اپنی سیرت میں لکھتے ہیں کہ طالبِ فن کو جاننا چاہیے کہ اسلوبِ سیرت کے محاسن التزام فنِ حدیث سے قطعی مختلف ہیں کہ تمام واقعات میں ترتیب اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ اہل سیر ہر قسم کی روایات سے استفادہ کریں۔ چنانچہ اب یہ بات تقریباً پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ فن سیرت نگاری اور تدوین حدیث دو الگ الگ فنون ہیں اور دونوں کی اپنی اہمیت ہے۔ تاہم اہل سیر کی تحقیقات کو فنِ حدیث پہ کسی بھی صورت برتری حاصل نہیں ہے۔ اس کی

مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ مشہور محدث اور فن سیرت نگاری کے اولین دستے میں شامل دمیاطی جو اول اول اہل سیر کی رائے محدثین کی رائے پر مقدم رکھتے تھے انھوں نے اپنی سابقہ روش سے خود ہی بے زاری کا اظہار کیا اور اس بات کا برملا اعتراف کیا کہ محدثین کی رائے اہل سیر پہ مقدم ہے۔ دراصل وہ اپنی سیرت میں کئی مقامات پر محدثین کی رائے سے اختلاف کر چکے تھے مگر بعد میں جب مزید تحقیق سے ان پہ صورت حال واضح ہوئی تو انہوں نے اپنی سیرت میں تصحیح کا ارادہ ظاہر کیا مگر اس وقت تک وہ کتاب شائع ہو کر تقسیم ہو چکی تھی ۔

حافظ ابن حجر نے اس سلسلے میں بحث ونقد کے اس معیار کو جو صحاح ستہ کے ساتھ مخصوص ہے اہل سیر کے ہاں خارج از امکاں قرار دیا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ فقہ کا فن اگرچہ قرآن و حدیث سے ہی ماخوذ ہے مگر کوئی اس کو قرآن وحدیث کے ہم پلہ قرار نہیں دے سکتا۔ اسی طرح اہل سیر کے ہاں واقعات کا تسلسل جس قسم کی جزئی تفصیلات کا تقاضا کرتا ہے وہ اسے تنقید اور تحقیق کے اس معیار سے قدرے دور کر دیتی ہیں۔ جس کا التزام فن حدیث کا خاصہ سمجھا جاتا ہے۔ تاہم اس تصور کو بھی حتمی اور اعلیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا کہ محض تنقید ونقد کے خوف سے محمد ﷺ کے ذکر سے منہ موڑ لیا جائے جن کے ذکر کو خود خالق نے بلند کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اسوۂ مبارک کی آج پہلے کے تمام ادوار سے زیادہ ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ آج کا انسان نجانے کیوں روحانیت کے احساسِ لطیف سے دور مادیت کے آزار میں الجھا اپنے ہی ہاتھوں لگائے زخموں سے کراہ رہا ہے۔ تو اس ذاتِ اقدس کا ذکر اور اسلوبِ زیست ہی اسے وہ مرہم عطا کرسکتا ہے جو اس کے دکھ سمیٹ لے، جو تمام جہانوں کے لیے رحمت العالمین ﷺ ہیں ۔ چنانچہ سیرت مصطفیٰ ﷺ پر کام کرنا صرف دینی اور مذہبی ضرورت نہیں بلکہ آج یہ ایک علمی ضرورت ہے، ایک اخلاقی ضرورت ہے، ایک تمدنی ضرورت ہے، ایک ادبی ضرورت ہے اور دنیا اور آخرت میں فلاح کے لیے بھی اس کی ضرورت ہے۔ انسانیت حق وارستی کے نشان کے کھو چکی ہے اور مادی رفعتوں کے باوجود سکون و عافیت سے دور ہے ۔ چونکہ خوشی کا تعلق مادیت کی بجائے روحانیت سے ہے اس لیے روحانیت تو اُسی در سے ملے گی جسے در مصطفیٰ ﷺ کہا جاتا ہے اور در مصطفیٰ کی خاک نشینی ہی سے فن سیرت جنم لیتا ہے۔

۵۵۵

ان صفحات میں ہم اُن مشاہیر اسلام کا تذکرہ کریں گے
جن سے فن سیرت کا آغاز ہوتا ہے۔حق تو یہ ہے کہ یہ
انھی لوگوں کو محنت کا ثمر ہے جس کی بنا پہ آج فن سیرت
اور سیرت رسول ﷺ پہ عظیم الشان کتابیں لکھی جا رہی
ہیں جن سے انسانیت کی راہیں روشن ہیں۔

فن سیرت کی ابتداء

یہ خیال کہ خلیفہ منصور عباسی کے عہد تک مسلمانوں میں تدوین وتالیف کا آغاز ہی نہ ہوا تھا ایک اورسفید جھوٹ ہے جو یورپ کے مستشرقین سے ہمارے ہاں منتقل ہوا اور بہت سے لوگ اس سے متاثر ہوئے۔ جب کہ حقیقت حال یہ ہے کہ اہل عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج گو کم سہی مگر مدتوں سے چلا آ رہا تھا اور آپ ﷺ کی حیات مبارک میں ہی اس امر کا اہتمام موجود تھا کہ صحابہؓ قرآن کریم کی آیات کو جہاں اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے تھے وہیں اسے کاغذ کپڑے ہڈی پتھر چمڑے اور کھجور کے پتوں تک جو چیز بھی دستیاب ہو پر تحریری شکل میں بھی محفوظ کرنے کا اہتمام بھی کرتے تھے۔کئی صحابہؓ تو زبانِ اقدس ﷺ سے نکلنے والے ہر لفظ کو تحریر کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ نے ان کو منع نہیں کیا۔ بلکہ ان کے استفسار پہ فرمایا کہ اس زبان سے خیر کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ میں سے حضرت عمرؓ ،حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ ،حضرت طلحہؓ،حضرت زید بن ثابتؓ،حضرت ابو حذیفہؓ ،حضرت ابوسفیانؓ ،حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ اور حضرت امیر معاویہؓ لکھنا بھی جانتے تھے اور

پڑھنا بھی۔امام بخاریؒ اپنی صحیح کے باب العلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت لائے ہیں کہ ابو ہریرہؓ کہا کرتے کہ میں نہیں سمجھتا کہ مجھ سے زیادہ اور کسی کو نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ یاد ہیں، مگر عبداللہ بن عمرؓ کے کہ وہ آپ ﷺ کی احادیث کو لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھنا نہیں جانتا تھا۔اہل عرب میں فنِ تحریر کی قدامت کے بارے میں ابن ندیم نے عمرو بن شبہ کی تصنیف ''**کتاب المکہ**'' سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے مامون الرشید کے کتب خانے میں ایک ایسی دستاویز دیکھی جو آنحضرت ﷺ کے جدامجد عبدالمطلب ابن ہاشم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔

حق عبدالمطلب بن ھاشم من اھل مکۃ علیٰ فلا بن فلان الحمیری من اھل وزل صنعا علیہ الف درھم فضۃ کیلاً بالحدیدۃ و متیٰ دعاۃ بھا اجابۃُ شھداللہ و المکا۔

''یہ عبدالمطلب بن ہاشم جو مکہ کے رہنے والے ہیں کا قرضہ فلاں شخص پہ ہے جو صنعا کا رہنے والا ہے یہ چاندی کے ہزار درھم ہیں جو مطالبے پر وہ شخص ادا کرے گا خدا اور دو فرشتے اس کے گواہ ہیں''۔

****

چنانچہ یہ امر اب بالکل شفاف ہے کہ مستشرقین کا یہ پراپیگنڈہ کہ اہل عرب لکھنا اور پڑھنا نہیں جانتے تھے ایک دوراز کار خیال ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔اسلامی ریاست جب مدینہ میں نبی کریم ﷺ کی بے مثال قیادت کی وجہ سے قوت پکڑ گئی تو سلطنت کے بیشتر معاملات میں تحریر کو ہی دخل حاصل تھا جس کا ثبوت اہل سیر بھی لائے ہیں اور محدثین بھی۔محدثین نے اس دور کے بہت سے مکتوبات اور دیگر تحریری اثاثوں کی حفاظت اور تدوین کے لیے بے مثال کام کیا ہے۔آپ ﷺ کے وصال کے بعد اہل مدینہ حضرت انسؓ کے پاس احادیث سننے کے لیے جمع ہوا کرتے کہ لوگ جانتے تھے کہ ان کے پاس لکھی ہوئی احادیث کا ایک مجموعہ موجود ہے۔علاوہ ازیں آپ ﷺ متعدد قبائل کو صدقات اور زکواۃ کے جو

احکامات ارسال کرتے وہ بھی تحریری ہوا کرتے جو محدثین نے بعینہٖ نقل کیے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے اردگرد کی ریاستوں کے ائمائدین کو دعوت اسلام دینے کے لیے جو خطوط لکھے وہ بھی آج تک اس امت نے محفوظ رکھے ہیں جن کا بیشتر حصہ ترکی اور مصر کے عجائب گھروں کی رونق ہے اور جن کی زیارت سے لوگ آج تک اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر رہے ہیں۔ الغرض آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہی تحریرات کا ایک مجموعہ جمع ہو گیا تھا جس کی بنا پر بعد میں فنِ سیرت اور علومِ حدیث کی بنیاد رکھی گئی ان میں وہ احادیث تھیں جو حضرت علیؓ، حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے قلم بند کی تھیں۔ بہت سے تحریری فرامین تھے جو آپ ﷺ نے مختلف قبائل کو تحریر کیے اور معاہدات تھے جو آپ ﷺ نے دیگر قبائل یا اقوام سے کیے تھے جیسے کہ صلح حدیبیہ اور میثاق مدینہ وغیرہ۔ پھر وہ خطوط تھے جو آپ ﷺ نے مختلف سلاطین اور امرا کے نام ارسال فرمائے تھے۔ تاہم آپ ﷺ کے وصال کے بعد فنِ روایت پہ کام اتنی تیزی سے ہوا کہ ولید بن یزید کے قتل کے بعد جب روایات اور احادیث کا دفتر ولید کے کتب خانے سے منتقل کیا گیا تو صرف امام زہریؒ کی مرویات اور تالیفات کو منتقل کرنے کے لیے گھوڑوں اور گدھوں کی مدد حاصل کی گئی۔ اس وقت روایات کے سلسلے میں مختلف صحابہؓ کی ترجیحات کے مدارج مختلف تھے عمومی طور پر صحابہؓ ان اقوال وافعال پر زیادہ توجہ کرتے جن کا تعلق امورِ شریعت سے تھا۔

یہی وہ کوششیں تھیں جنھوں نے بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے دین کی آسان فقہ کے راستے ہموار کیے۔ اہل عرب میں رواج تھا کہ وہ اپنی باہم لڑائیوں کی یاد میں طویل نظمیں تحریر کرتے جس میں اس معرکے کی تمام تفصیلات کا احاطہ کیا جاتا۔ مگر آپ ﷺ کی تربیت نے اہل عرب کے مزاج کو پوری طرح بدل کے رکھ دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام اور کفر کے درمیان ہونے والے معرکوں کی تفصیلات کو احکام شریعت سے موخر رکھا گیا اور خلفائے راشدین اور اکابر صحابہؓ کا طرز عمل یہی رہا ہے کہ انھوں نے احکامِ شریعت کو فن مغازی پہ مقدم رکھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس دور میں جن علماء نے فنِ مغازی پہ کام کا آغاز کیا ان کو ابتدا میں زیادہ شہرت حاصل نہ ہو سکی۔ چنانچہ اس فن کے سرخیل واقدی اور ابن اسحاق ہیں جن کو قبول عام کا درجہ کبھی بھی حاصل نہ ہو سکا بلکہ واقدی کو تو محدثین علانیہ کذاب کہتے ہیں۔ تاہم تحریر و تدوین کام جب ایک بار شروع ہو گیا تو پھر اس فن نے اپنے نقطہ عروج تک پہنچ کے ہی دم لیا۔ مسلمان حکمرانوں کو اس بات کا بخوبی ادراک حاصل تھا کہ چونکہ یہ دین رہتی دنیا تک قائم رہنے والا ہے اور اس میں عرب وعجم کی پہچان

اب ختم ہوئی جاتی ہے۔ بلکہ پہلی صدی ہجری کے اختتام سے پہلے ہی دین اسلام دنیا کے کونے کونے پہ دستک دے رہا تھا۔ اس لیے اب عجمی مسلمانوں کی تعداد اہل عرب سے زیادہ ہوگئی تھی۔ چنانچہ تمام اسلامی اثاثوں کو سپردِ قلم کر دیا گیا تاکہ قیامت تک آنے والا ہر مسلمان دین متین کی روشنی سے اپنے سینوں کو منور کرتا رہے۔ حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ جب اول اول حضرت عمرؓ نے مجھ سے اس بات کا تذکرہ کیا کہ آیات قرآنی کو اب لکھ لینا چاہیے تو مجھے اس بات پہ حیرت ہوئی اور میں نے برملا انکار کر دیا کہ میں بھلا کوئی ایسا کام کیسے کر سکتا ہوں جس کو نبی کریم ﷺ نے نہ کیا ہو اور میں اپنی اس بات پہ اڑا رہا اس وقت تک جب تک کہ اللہ نے میرے سینے کو اس بارے میں وسعت عطا نہ کر دی پھر میں بھی حضرت عمرؓ کے ہمراہ ہو گیا۔ تب قرآن کو پہلی بار ایک ہی لوح میں محفوظ کیا گیا اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے اسے لہجہ قریش کے مطابق تدوین کرایا اور باقی تمام لہجوں میں قرات کی ممانعت فرما دی۔

خلفائے راشدین کے زمانے میں درسِ فقہ اور حدیث کے بہت سے حلقے قائم تھے جو لوگوں کو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے روشناس کراتے اور اسوہ رسول ﷺ سے آگاہی فراہم کرتے۔ تاہم جونہی بنی امیہ کے دور کا آغاز ہوا انھوں نے فوراً ہی مبادیاتِ دین کی تدوین کا بڑے پیمانے پر اہتمام کیا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے عبید بن شرعیہ کو یمن سے بلا کر قدماء کی تاریخ مرتب کرنے کا حکم دیا اور اس سلسلے میں ان کو ہر قسم کی سہولت بہم پہنچائی جس کے نتیجے میں "**اخبار الماضیین**" مرتب ہوئی۔ اس کے بعد عبدالملک بن مروانؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا اور گراں قدر تصنیفات تحریر کرائیں۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ میں تفسیر قرآن جیسے بڑے منصب کا خود کو اہل نہ جانتا تھا مگر عبدالملک بن مروانؒ نے بڑی محبت سے مجھے اس کام پہ آمادہ کیا۔ چنانچہ حضرت سعید بن جبیرؒ نے قرآن کی اولین تفسیر کی جو اُن کی زندگی میں طبع نہ ہو سکی بعد میں جس تفسیر نے "**تفسیر عطا بن دینار**" کے نام سے شہرت پائی وہ دراصل انھی کی تحریر تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عنانِ حکومت سنبھالنے کے بعد ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزمؒ کو جو وقت کے بڑے محدث تھے۔ تدوین احادیث نبوی ﷺ پر آمادہ کیا۔ ابو بکر بن محمد شہر نبوی مدینہ کے قاضی تھے اور مشہور محدث سیرت نگار تاریخ نگار اور فقیہہ امام زہریؒ کے استاد تھے۔ امام زہریؒ مشہور محدث اور صحیح بخاری کے مولف امام محمد بخاریؒ کے استاد تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور تک سیر و مغازی پہ سیر حاصل کام نہ ہوا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی توجہ فنِ روایت کی اس خاص صنف کی جانب

مبذول کی اور غزوات نبوی ﷺ کے احوال بیان کرنے کے لیے عاصم بن عمر بن قتادہؒ انصاری کا انتخاب کیا جو جامع مسجد دمشق میں بیٹھ کر لوگوں کو مغازی نبوی ﷺ کا احوال بیان کیا کرتے۔فن روایت کے استحکام اور سیرت و مغازی کے واقعات کو محفوظ رکھنے لیے اہل علم کا ایک پورا قافلہ تھا جنھوں نے اپنی زندگیاں خاص اس فن سے وابستہ کر رکھیں تھیں۔ان اصحابِ دانش اور اہلِ ذوق پہ سیر حاصل تبصرے کے لیے تو علیحدہ سے ایک تصنیف کی ضرورت ہے سر دست چند درخشاں ستاروں سے آشنائی کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

☜ امام زھریؒ:

امام زہریؒ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے عبدالمالک بن مروانؒ کے دربار میں ان کی بہت قدر و منزلت تھی۔آپ کا شمار اپنے زمانے کے شیوخ میں ہوتا تھا نسباً قریشی تھے۔آپ نے بہت سے صحابہؓ کی صحبت پائی۔فقہ اور حدیث میں ان کا کوئی ہم عصر نہ تھا۔عمر بن عبدالعزیزؒ کے دربار میں بھی آپ یکساں مقبول تھے اور مسندِ علم پر فائز تھے۔انھی کے ایما پر آپ نے مغازی نبوی ﷺ پر ایک مستقل کتاب لکھی۔امام سہیلی نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف "**الروض الانف**" میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ فنِ روایت مغازی پر یہ پہلی مستند کتاب تھی جو ایک زمانے تک لوگوں میں مقبول رہی۔امام زہریؒ کا حلقہ درس خاص سیر و مغازی سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں پر مشتمل تھا۔یہی وجہ ہے کہ ان تلامذہ میں بڑے بڑے اہلِ فن پیدا ہوئے جنھوں نے سیر و مغازی پہ سیر حاصل کام کیے اور قیامت تک لوگوں کی راہنمائی کے لیے وہ اثاثہ مہیا کیا جس کی نظیر سابقہ امتوں میں تلاش کرنی مشکل ہے۔امام زہریؒ کے شاگردوں میں یعقوب بن ابراہیمؒ، محمد ابن صالح تمارؒ، عبدالرحمان بن عبدالعزیزؒ فن مغازی میں خاص شہرت رکھتے تھے۔تاہم محمد بن عبداللہ بخاریؒ نے فن روایت حدیث اور موسیٰ بن عقبہؒ اور محمد بن اسحاقؒ نے سیر و مغازی کے انتہائی افق تک سفر کیا اور اسلوبِ بیان کے وہ

معیار قائم کیے کہ رہتی دنیا تک جن کی تقلید کی جاتی رہے گی۔غرض اہلِ فن کا ایک قافلہ تھا جن کے دل ایمان سے روشن اور نبی کریم ﷺ کی محبت سے معمور تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنی جہدِ مسلسل سے امت کی فلاح کے لیے وہ چراغ روشن کیے جن کی روشنی میں منزل آج بھی درخشاں ہے۔شرط صرف اخلاص ہے کہ کوئی اپنی ابدی فلاح کی طرف متوجہ بھی ہے کہ نہیں۔

****

☜ موسیٰ بن عقبہؒ

آپ نے عبداللہ بن عمرؓ کی صحبت پائی تھی۔آپ غلام تھے اور مشہور محدث امام مالکؒ کے استاد تھے۔ فن مغازی میں آپ کا بہت مقام تھا۔اول اول آپ ہی نے فنِ سیر و مغازی کے لیے روایات کی صحت کا ایک معیار قائم کیا۔موسیٰ بن عقبہؒ کی کتابِ مغازی گو آج موجود نہیں مگر ایک مدت تک لوگوں کے دلوں میں زندہ رہی اور سیرت کی کتابوں میں آج تک اس کے حوالے دیئے جاتے ہیں۔

****

☜ محمد بن اسحٰقؒ:

سیرت ابن اسحاق سے کون واقف نہیں فنِ سیر کے افق پہ وہ آج بھی ایک درخشاں ستارے کی مانند ہے اور امت کی راہنمائی کا فریضہ ادا کر رہی ہے۔محمد بن اسحاقؒ امام زہریؒ کے شاگرد تھے وہ ان کے دروازے پر دربان مقرر تھے مگر ان کی علمی حیثیت کی وجہ سے امام زہری ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔محمد بن اسحاقؒ نے فنِ سیرت نگاری کو وہ فروغ بخشا جس نے سلطنتِ عباسیہ کے اعمائدین کا ذوق بدل کے رکھ دیا۔فنِ مغازی میں وہ واقدی کے ہم عصر ہیں۔مگر لغو بیانی اور

روایات میں غلو کی وجہ سے واقدی کی شہرت ہمیشہ کے لیے داغدار ہوگئی۔آپ تابعی ہیں اور آپ کی ملاقات حضرت انسؓ سے ثابت ہے۔آپ کو امام فنِ مغازی بھی کہا جاتا ہے حالانکہ علمِ حدیث میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا محمد بن اسحاقؒ کی معروف کتاب "**المغازی**" کا فارسی ترجمہ گذشتہ صدی تک بھارت میں محفوظ تھا۔تاہم ابن ہشامؒ نے اسی کتاب کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا تو وہ سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہوئی۔چونکہ محمد بن اسحاقؒ کی اصل کتاب اب وقت کی راکھ میں گم ہو چکی ہے اس لیے زمانہ اب سیرت ابن ہشام ہی کو جانتا ہے جو دراصل آپ ہی کی تصنیف تھی۔

****

☜ **علامہ ابن ہشامؒ:**

آپ کا اصل نام عبدالمالکؒ تھا۔انھوں نے فنِ سیرت اور روایتِ حدیث کے فن میں کمال حاصل کیا ۔سلاطینِ حمیر کی تاریخ بھی مرتب کی جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ خود آپ کا تعلق بھی قبیلہ حمیر سے تھا۔تفسیرِ قرآن بھی لکھی آپ کی مشہور سیرت "**سیرت ابن ہشام**" کو اس کے قبول عام کی وجہ سے کئی شعرا نے نظم بھی کیا۔چنانچہ "**فتح الغریب فی السیرۃالحبیب**" نامی منظوم کتاب جو دس ہزار شعروں پر مشتمل ہے اس کو بھی آپ کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔اگرچہ کئی لوگ اس سے اختلاف بھی کرتے ہیں اُن کا کہنا ہے کہ نثر اگرچہ ابن ہشام ہی کی تھی مگر منظوم کسی اور نے کیا تھا ۔واللہ وعالم

****

☜ ابن سعدؒ:

بصرہ میں پیدا ہوئے اور طلبِ علم میں بغداد کا رخ کا کیا۔ مشہور مورخ علامہ بلاذریؒ کے استاد ہیں۔ اگرچہ واقدی سے بھی صحبت رہی اور ان سے فیض حاصل کیا۔ مگر واقدی کی طرح ان کی شہرت داغدار نہیں بلکہ علمائے سلف ان کی روایت کو قابل سند قرار دیتے ہیں۔ ابن سعدؒ نے آنحضرت محمد کریم ﷺ اور آپ کے جانثار صحابہ کی جدوجہد اور تحریک اسلامی کے حالات اتنی جامعیت کے ساتھ مرتب کیے کہ جس کا جواب آج تک نہیں دیا جا سکا۔ بارہ جلدوں پر مشتمل آپ کی یہ تصنیف طبقات ابن سعد کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ علمِ حدیث میں بھی آپ بلند پایہ محدث کے طور پہ جانے جاتے ہیں۔ اس زمانہ میں اگرچہ سیرت کی اور بہت سی کتابیں بھی تصنیف کی گئیں مگر آپ کا رتبہ اس لیے جدا ہے کہ آپ نے سیر و مغازی کے جس اسلوب کو اختیار کیا ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ نے نبی کریم ﷺ آپ کے صحابہؓ اور تابعینؒ کے احوال جس جامعیت سے بیان کئے ہیں وہ آپ ہی کا خاصہ ہے۔ آپ نے ۶۲ سال کی عمر میں ۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ طبقات ابن سعد اب تقریباً ناپید ہو چکی ہے جو نسخے عموماً نظر آتے ہیں وہ یورپی مستشرقین نے ہالینڈ سے شائع کیے ہیں۔ تاہم علمائے عصر نے کتاب کی صحت پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ اگرچہ وہ ابھی نامکمل ہے طبقات ابن سعد اب ہماری درخشاں تاریخ کا ایک نشان ہی ہے۔

****

☜ محمد بن عبداللہ بخاریؒ:

امام بخاری کا نام اوراقِ تاریخ میں ہمیشہ کے لیے ثبت ہو چکا ہے آپ مشہور محدث اور مورخ کے طور پہ جانے جاتے ہیں۔ اگرچہ آپ نے تاریخ کبیر اور تاریخ صغیر کے نام سے دو کتابیں لکھی ہیں جو فن سیرت پہ دلیل ہیں۔ مگر اب وہ ناپید ہو چکی ہیں اور ان میں نبی کریم ﷺ کے احوال کی تفصیل بھی نہایت مختصر تھی۔ آپ امام زہریؒ کے شاگرد ہیں اور آپ کا حلقہ درس بہت وسیع تھا۔ آپ کے شاگردوں میں سے فقہ اور تدوین حدیث کے بہت سے ماہر پیدا ہوئے۔ تاہم آپ کا اصل میدان

سیرت و مغازی اور تاریخ نویسی نہ تھا آج دنیا آپ کو ایک نامور محدث کے طور پہ جانتی ہے۔آپ نے امام مالکؒ اور دوسرے محدثین کے دفاتر سے صحیح تر احادیث کو الگ کرنے کا بے مثال کارنامہ انجام دیا۔آپ نے روایت اور درایت کے اصولوں کی سختی سے پیروی کرتے ہوئے امت کے لیے صحت کاملہ کے لحاظ سے ایک ایسے مجموعے کی تدوین کی جسے دنیا آج قرآن کے بعد سب سے زیادہ قابل اعتبار کتاب قرار دیتی ہے۔

****

☜ امام ابن جریر طبریؒ:

امام طبریؒ مشہور مورخ ہیں ان کی تاریخ نویسی کو اسلامی تاریخ میں سب سے ممتاز مقام حاصل ہے ۔بلکہ علامہ ذہبیؒ کا کہنا تو یہ ہے کہ باقی تمام مورخوں نے اسی تاریخِ کبیر کی تلخیص کی ہے چاہے وہ ابن خلدونؒ جیسا بڑا عالم ہو یا ابن الاثیرؒ یا ابن الفوادؒ جیسے قد آور مورخ ہوں۔امام طبریؒ کا علمی درجہ ایسا تھا کہ تمام محدثین اُن کے فضل و کمال وثوق اور وسعتِ علم کے معترف تھے۔انھوں نے قرآن کی تفسیر بھی کی جو احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے۔انھوں نے تاریخ کبیر میں جس جامعیت اور عرق ریزی سے کام لیا ہے اس کی مثال اب ملنا مشکل ہے۔

****

☜ عروہ بن زبیرؒ:

عروہ بن زبیرؒ (م ۹۴ ھ) جو حضرت زبیرؓ کے بیٹے اور حضرت ابوبکرؓ کے نواسے تھے انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی گود میں پرورش پائی۔ان کا تذکرہ صاحبِ کشف الظنون نے مغازی کے بیان میں کیا ہے۔علامہ ذہبیؒ نے بھی " **تذکرۃ الحفاظ**" میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ بعضوں کی رائے کے مطابق فنِ مغازی کی سب سے پہلی کتاب انھوں نے ہی تدوین کی تھی۔

****

☜ امام شعبیؒ:

ان کے بعد علامہ شعبیؒ کا نام آتا ہے جنہوں نے ۱۰۹ھ میں وفات پائی وہ مشہور محدث تھے اور اکثر فنون میں ان کو درجہ کمال حاصل تھا وہ خلافتِ دمشق کی طرف سے سفیر بن کے قسطنطنیہ بھی گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کی روایتِ مغازی سے اتنا متاثر تھے کہ کہا کرتے اگرچہ میں ان غزوات میں بذات خود شریک تھا مگر ان کے حالات علامہ شعبیؒ مجھ سے بہتر بیان کرتے ہیں۔

****

☜ وھب بن منبہؒ:

یمن کے ایک عجمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ تابعی تھے اور ان کی ملاقات حضرت ابو ہریرہؓ سے ثابت ہے۔ انھوں نے بہت سی احادیث حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہیں۔ انھوں نے سیرت کے ایک مختلف پہلو پہ کام کیا اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق سابقہ الہامی صحائف میں جو بشارتیں اور پیشین گوئیاں کی گئیں تھیں ان کو اکٹھا کیا آج تک کثرت سے ان کی روایات لی جاتیں ہیں۔

****

☜ عاصم بن عمروؒ؛

عاصم بن عمر بن قتادہ انصاریؒ مشہور تابعی ہیں۔ وہ حضرت انسؓ اور اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ مغازی اور سیرتِ رسول ﷺ کے متعلق نہایت وسیع علم رکھتے تھے۔ خلیفہ حضرت عمرؓ بن

عبدالعزیز کے حکم سے جامع دمشق میں بیٹھ کر طلبا کو اس فن کی تعلیم دیتے تھے۔آپ نے ۱۲۱ھ میں وفات پائی۔

****

☜ یعقوب بن عتبہ بن مغیرہؒ:

یعقوب بن عتبہ بن مغیرہؒ نہایت ثقہ راوی تھے کئی علوم کے ماہر اور دانشور تھے جس کی وجہ سے عمّال اور گورنران سے ملکی اور انتظامی معاملات میں مشاوّرت کیا کرتے۔اُن کا شمار فقہائے مدینہ میں ہوتا تھا۔آپ سیرتِ نبوی ﷺ کے بہت بڑے عالم تھے۔اگرچہ ان کا دادا اخنس بن شریق وہی شخص تھا جو رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا دشمن تھا مگر اللہ نے آپ کو نہ صرف ایمان کی دولت سے نوازا بلکہ نبی مکرم ﷺ کی محبت بھی عطا کی۔

****

☜ ھشام بن عروۃ ابن زبیرؒ:

وہ زیادہ تر اپنے باپ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں۔آپ نے امام زہریؒ سے فیض حاصل کیا اور ان کے حلقہ درس میں ایک عرصہ تک تربیت حاصل کی آپ کا شمار علمائے مدینہ میں ہوتا ہے مگر جب آپ بغداد تشریف لے گئے تو بعض لوگوں نے آپ پر روایت کے معاملے میں تساہل برتنے کا الزام عائد کیا مگر ان کے تلامذہ نے اس بات کو سختی سے رد کیا اور اپنے علم کی بدولت اپنے استاد کی شہرت کو بھی چار چاند لگائے۔

****

☜ محمد بن سحق یسارؒ:

آپ نے بھی امام زہریؒ کے حلقہ درس سے تربیت حاصل کی آپ بڑے فخر سے اپنے استاد امام زہریؒ کی خصوصیات کا ذکر کیا کرتے اور ان کے متعلق امام کی محبت کا بھی یہ عالم تھا کہ وہ انہیں امام مالک ؒ کے بعد اپنا سب سے لائق شاگرد تصور کرتے۔آپ اساطینِ علم حدیث میں سے تھے ۔مغازی میں ان کی ایک کتاب تھی جس کا نام ابن ندیم نے اپنی تاریخ میں ''**کتاب المغازی** ''لکھا ہے آپ ۱۵۰ھ میں اس دارِفانی سے کوچ کر گئے۔

****

☜ محمد بن صالح دینارؒ:

وہ واقدی کے استاد تھے مگر خود امام زہریؒ کی مجلس میں بیٹھنا پسند کرتے۔بہت عرصے تک امام زہری ؒ سے فیض و تربیت حاصل کیا۔ابن سعدؒ کا کہنا ہے کہ وہ سیرت و مغازی کے بہت بڑے عالم تھے ۔اکثر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ابوالزنادؒ جو خود بڑے پائے کے محدث ہو گزرے ہیں کہا کرتے کہ اگر صحیح مغازی سیکھنی ہو تو محمد بن صالحؒ سے سیکھو۔

****

☜ ابو معشر نجیح المدانیؒ:

اگرچہ محدثین کے ہاں آپ کا رتبہ کچھ زیادہ بلند نہیں مگر خود محدثین نے ہی سیرت و مغازی کے سلسلے میں ان کی جلالتِ شان کا تذکرہ کیا ہے۔آپ ہشام بن عروہؒ کے شاگرد ہیں۔واقدی اور ثوریؒ ان سے روایت بھی کرتے رہے ہیں۔امام احمد بن حنبلؒ نے آپ کو صاحبِ نظر قرار دیا۔ابن الندیم نے اپنی تاریخ میں ان کی مغازی کا ذکر کیا ہے۔قدیم کتب سیرت میں ان کا نام کثرت سے آتا رہا ہے۔

****

☜ عبد الرحمان مخزومیؒ:

آپ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں جو نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے تھے جن کا نام نامی مبارک مسور بن مخزمہؓ ہے۔فنِ علمِ حدیث میں آپ کا نام جانا پہچانا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کا شمار سیرتِ نبوی ﷺ کے بلند پایہ علماء میں بھی ہوتا تھا۔ابن سعدؒ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ آج کے دن مدینہ میں ان جیسا عالم موجود نہیں۔لوگو ان کی صحبت اختیار کیا کرو۔آپ نے ۱۶۹ھ میں وفات پائی۔

****

☜ عبداللہ بن محمد بن ابی بکرؒ؛

فنِ حدیث و سیر میں ان کا خاندان ہمیشہ نامور رہا۔ان کے دادا وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے فنِ حدیث کی تدوین کی۔ان کے رشتہ کی دادی حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تربیت یافتہ تھیں۔باپ اور چچا سے فنِ حدیث ان کی طرف منتقل ہوا۔خلیفہ ہارون الرشیدؒ نے ان کو قاضی مقرر کیا۔لوگ ان سے مغازی سیکھنے کے لیے دور دور سے آیا کرتے۔

****

☜ زید بن عبداللہ بن طفیل البکائیؒ ؛

مشہور سیرت نگار ابن اسحاقؒ کے شاگرد ہیں۔آپ نے اپنا گھربار بیچا اور عشق مصطفی ﷺ کے لیے

اپنی زندگی وقف کر کے استاد کے ہمراہ نکل کھڑے ہوئے اور ایک مدت تک اپنے استاد کی صحبت بھی حاصل کی۔ان کے ساتھ سفر وحضر میں شامل بھی رہے۔محدثین کی بارگاہ میں ان کا اعزاز گو کم ہے مگر کتاب السیر ۃ کا سب سے معتبر راوی انھی کو سمجھا جاتا ہے۔آپ مشہور سیرت نگار ابن ہشامؒ کے استاد ہیں اور ۱۹۳ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

****

☜ سلمیٰ بن الفضل بن الابرش الانصاریؒ:

مشہور سیرت نگار ابن سحاقؒ کے شاگرد ہیں اپنے استاد کی سیرت کے راوی بھی ہیں ابن معین جو علم اسماء الرجال کے بہت بڑے ماہر ہو گذرے ہیں ان کی توثیق کرتے ہیں۔آپ رے کے قاضی بھی تھے اوران کی سیرت کو بہترین سیرت ہائے نبوی ﷺ میں شمار کیا جاتا تھا۔تاریخ طبری میں ان کے حوالے سے کئی روایات موجود ہیں۔

****

☜ ولید بن مسلم القرشیؒ:

آپ دمشق میں رہتے تھے اور تب پورے شام میں ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا۔تاریخ ومغازی میں ان کا درجہ ''وکیع'' سے بڑا تصور کیا جاتا تھا۔ان کی تصنیفات کی تعداد ستر سے زائد ہے جن میں کتاب المغازی بہت مشہور تھی۔گو کہ اب وقت کی راکھ تلے گم ہو چکی تاہم اس کا تذکرہ کتاب '' الفہرست '' میں موجود ہے۔آپ شام کے مشہور محدث تھے اور آپ کا حافظہ قدرتی طور پہ بہت مضبوط تھا اس لیے آپ کو ہزاوں کی تعداد میں احادیث زبانی یاد رہا کرتیں۔درس حدیث دیتے وقت آپ ہمیشہ خالی ہاتھ ہوا کرتے۔لوگ آپ سے بہت محبت کرتے اور دور دور سے آکر اپنا سینہ ذکرِ نبی ﷺ سے منور کیا کرتے۔

****

☜ **یونس بن بکیرؒ** ؛

اپنے وقت کے مشہور سیرت نگار ہیں۔فنِ حدیث میں ان کا درجہ متوسط ہے مگر سیرت و مغازی کا میدان ہی آپ کی شہرت کا باعث تھا۔اکثر محدثین نے ان کی توثیق بھی کی ہے۔علامہ ذہبیؒ نے اپنی کتاب ” **تذکرہ** “ میں ان کا نام بہ لقب صاحب المغازی بیان کیا ہے۔انھوں نے مغازی ابن اسحاقؒ کا ذیل بھی لکھا تھا۔ہشام بن عروہؓ اور ابن اسحاقؒ کے شاگرد ہیں ۱۹۹ھ میں وفات پائی۔

****

☜ **محمد بن عمر الواقدیؒ**:

ان کے متعلق امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ” واقدی کی تمام تصنیفات جھوٹ کا انبار ہیں اور کتبِ سیرت کی اکثر بیہودہ روایات کا سرچشمہ ہیں۔اس پہ ایک ظریف محدث نے کیا خوب کہا ہے کہ ” اگر واقدی سچا ہے تو دنیا میں اس کا ثانی نہیں اگر وہ جھوٹا ہے تب بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں“ واقدی نے سیرت نبوی ﷺ پہ دو کتابیں لکھیں جن کے نام ” **کتاب السیرۃ** اور **کتاب التاریخ المغازی و لمبعث** “ ہیں۔کسی دور کے علما نے بھی ان کی توثیق نہیں کی بلکہ فنِ روایت میں ان کی شہرت ہمیشہ داغدار ہی رہی۔انھوں نے دوسو سات ہجری میں وفات پائی۔

****

☜ **علی بن محمد امدائنیؒ**:

آپ کا خاص میدان تاریخ اور اِنسابِ عرب تھا۔ اپنے وقت میں ان دونوں علوم کا آپ سے بڑا ماہر اور کوئی نہ تھا اور اس سلسلے میں آپ کی معلومات مشہور و معروف تھیں۔ اگر چہ آپ کا شمار محدثین میں نہیں کیا جاسکتا تاہم آپ کو مورخین کا امام ضرور کہا جاتا ہے۔ اغانی کے دفترِ بے پایاں کا مخزن آپ ہی کو قرار دیا جاتا ہے۔ تاریخ اور علمِ اِنساب میں سینکڑوں تصنیفات کو ان سے متعلق قرار دیا جاتا رہا ہے۔ آنحضرت محمد کریم ﷺ کی سیرت پہ بھی ایک بلند پایہ کتاب تحریر کی۔ ابن الندیم نے ان کا تذکرہ بہت ہی اچھے لفظوں میں کیا ہے۔ ابومحشر نجیحؒ اور سلمۃ بن الفضلؒ کے شاگرد تھے۔ ۲۱۶ھ میں وفات پائی۔

****

☜ عیسیٰ بن محمد ترمذیؒ:

مشہور محدث کے طور پہ آج تک جانے جاتے ہیں۔ صحاح ستہ میں ان کی کتاب کا درجہ تیسرا ہے۔ تاہم آپ نے سیرت نبوی ﷺ پہ بھی خاطر خواہ کام کیا ہے۔ جسے "**شمائلِ ترمذی**" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ کتاب آج کی زندہ کتابوں میں موجود ہے۔ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ نے کتاب الشمائل میں رسول اللہ ﷺ کے ذاتی حالات عادات اور اخلاق کا ذکر وسعت کے ساتھ کیا ہے اور خاص اس التزام کے ساتھ کیا ہے۔ کوئی ضعیف روایت اس میں شامل نہ ہونے پائے۔ شمائلِ ترمذی پر بہت سے علماء نے شرح و حواشی تحریر کیے ہیں۔ ۲۸۰ھ میں اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ اللہ اِن پر اپنی رحمت فرمائے آمین۔

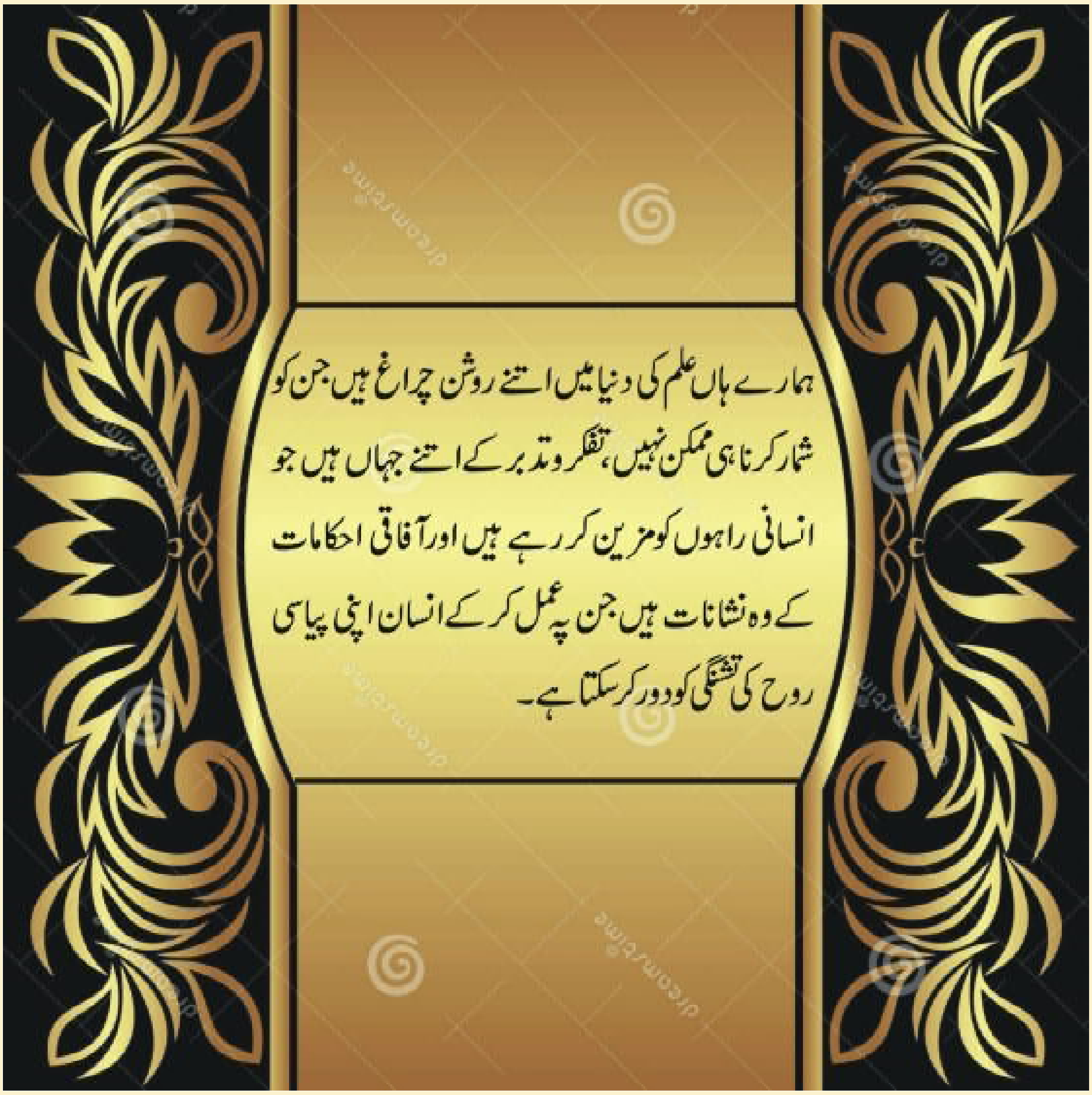
ہمارے ہاں علم کی دنیا میں اتنے روشن چراغ ہیں جن کو
شمار کرنا ہی ممکن نہیں، تفکر و تدبر کے اتنے جہاں ہیں جو
انسانی راہوں کو مزین کر رہے ہیں اور آفاقی احکامات
کے وہ نشانات ہیں جن پہ عمل کر کے انسان اپنی پیاسی
روح کی تشنگی کو دور کر سکتا ہے۔

یہ قدماء کی اس جہدِ مسلسل کا یہ ایک سرسری سا جائزہ تھا۔اس کی تفصیل اگرچہ بہت طویل ہے لیکن ہم نے نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔آج اگر ہمارے دامن میں سیرتِ پاک سے متعلق وسیع اثاثہ جات کی انمول دولت ہے تو وہ انھی اللہ کے بندوں کی شب وروز کی محنت تھی جس نے آج ہمارے لیے نبی ﷺ کی محبت کو زندہ رکھا ہوا ہے۔رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم آج بھی اتنے ہی واضح ہیں جتنے کہ ہمارے چاند اور سورج۔انھی مستحکم بنیادوں پہ سیرت کی تمام تر بنیاد رکھی ہوئی ہے،انھی تصنیفات کی شرح اور انھی روایات کی بنا پہ متاخرین نے جو سرمایہ امت کے لیے مہیا کیا ان کی تفصیلات مختصراً بیان کی جاتی

ہیں[*6]۔

****

☜ روض الانف:

سیرت ابن اسحاق کی شرح ہے مصنف کا نام عبدالرحمان سہیلی ہے جن کا شمار اکابر محدثین میں کیا جاتا ہے۔

****

☜ سیرت دمیاطی:

حافظ عبدالمومن دمیاطیؒ کی تصنیف ہے سیرت میں اس کتاب کے حوالے کثرت سے آتے ہیں۔

****

☜ سیرت خلاطی :

علاء الدین علی بن محمد خلاطیؒ حنفی کی تصنیف ہے انہوں نے سیرت ومغازی میں کافی نام پیدا کیا۔

****

☜ سیرت گارزونی:

شیخ ظہیر الدین علی بن محمد گارزنیؒ کی تحریر ہے جنہوں نے ۶۹۴ھ میں وفات پائی۔

****

☜ سیرت ابن ابی طے :

مصنف کا نام یحیی بن حمیدہؒ ہے یہ سیرت تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

****

☜ سیرت مغلطائی:

سلسلہ سیرت ومغازی کی معروف کتاب ہے جواب مصر میں طبع ہوئی ہے علامی عینیؒ نے اس کے ایک حصے کی شرح بھی لکھی ہے جس کو ''کشفا اللثام'' کہا جاتا ہے۔

****

☜ شرف المصطفیٰ :

حافظ ابوسعید عبدالملک نیشا پوریؒ کی آٹھ جلدوں پر مشتمل مفصل سیرت ہے تاہم چونکہ مجوزہ کتاب میں نہایت مہمل اور لغو روائتیں بھی شامل ہوگئی ہیں اس لیے علماء کے نزدیک اس تصنیف کا کوئی خاص درجہ نہیں ہے۔

****

☜ سیرت ابن عبدالبر:

ابن عبدالبرؒ مشہور محدث اور امام ہیں سیرت کی کتابوں میں کثرت سے ان کے حوالے موجود ہیں۔

****

☜ عیون الاثر:

ابن الاثرؒ سید الناسؒ کی تصنیف ہے آپ کا تعلق ہسپانیہ سے بتایا جاتا ہے سیرت کے بلند پایہ عالم اور محدث مانے جاتے ہیں سیرت پہ آپ کی تصنیف نہایت جامع اور متین ہے روایت کے حوالے سے بھی عمدہ مانی جاتی ہے اور اسے سیرت کی بہت سی معتبر کتابوں کا ماخذ بھی مانا جاتا ہے پچھلی صدی تک یہ کتاب بھارت میں مل جاتی تھی ابن سید الناسؒ نے 734ھ میں انتقال کیا۔

****

☜ نور النبراس :

سید الناسؒ کی مشہور سیرت عیون الاثر کی شرح ہے جن کا ذکر ابھی گزرا ہے مصنف کا نام ابراہیم ابن محمدؒ ہے یہ کتاب نہایت محققانہ لکھی گئی اور سیرت و مغازی پہ بے شمار معلومات کا مجموعہ ہے۔ندوہ بھارت میں اس کا ایک نسخہ دیکھا جاسکتا ہے۔

****

☜ سیرت منظوم :

حافظ زین الدین عراقیؒ نے لکھی روایت کے حوالے سے بہت سی خامیاں پائی جاتی ہیں حافظ زین

الدین عراقی حافظ ابن حجرؒ کے استاد ہیں مگر حافظ ابن حجرؒ کا رتبہ ان سے بلند بیان کیا جاتا ہے۔

****

☜ مواہب لُدنّیہ :

سیرت کی معروف اور مفصل کتاب ہے بعد میں آنے والوں نے اس کتاب سے خوب استفادہ کیا ۔مصنف حافظ قسطلانیؒ ہیں جنہوں نے بخاری کی شرح بھی لکھی ہے۔آپ حافظ ابن ہجرؒ کے ہم عصر ہیں۔تاہم روایت کے حوالے سے یہ کتاب بہت عمدہ نہیں مانی جاسکتی۔

****

☜ زرقانی علی المواہب:

حافظ قسطلانیؒ کی سیرت مواہب لدنیہ کی شرح ہے اور حقیقت یہ ہے کہ امام سہیلیؒ کے بعد اور کوئی کتاب اتنی جامعیت اور تحقیق سے نہیں لکھی گئی جتنی کہ المواہب لکھی گئی یہ آٹھ جلدوں پہ مشتمل ہے اور مصر میں چھپ چکی ہے۔

****

☜ سیرت حلبی :

امام حلبیؒ کی مشہور سیرت ہے کہتے ہیں اِک زمانے تک اس سیرت کا ثانی نہ تھا سیرت کی کتابوں میں کثرت سے اس کے حوالے ملتے ہیں۔ بعد کے سیرت نگاروں نے ان کی روایات کو خوب

استعمال کیا ہے سند کے لحاظ سے بھی قابل قبول قرار دیئے جاتے ہیں سیرت حلبی کی شرح بھی لکھی گئی جوآج بھی عراق میں موجود ہے[7*]۔

دنیا میں بہت کم قومیں ہیں جنھوں نے اپنے مشاہیر کے تذکرے کو اس محبت سے آنے والے دِنوں کے لیے محفوظ کیا ہو جس طرح کہ مسلمانوں نے کیا۔ یہاں مسلمانوں کے فن تاریخ پر کچھ روشنی ڈالنا مقصود ہے تاکہ اس فن میں اُن کی مہارت سے آگاہی حاصل ہو سکے۔

فن تاریخ نویسی اور مسلمان

جب یورپ میں گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا، روما کی عظیم سلطنت ٹوٹ چکی تھی، انسانیت پہ اس آئین کہن کا منحوس عکس تھا جس کو جہالت کہنا بھی دشوار محسوس ہوتا ہے، جس نے انسانیت سے وہ سب لطیف احساس چھین لیے تھے جو اسے جانور سے ممتاز کرتے ہیں۔ ایران کی شہنشاہیت ظلم وفساد کا وہ منظر پیش کر رہی تھی جس کا بیان تک حسّاس روحوں کو جھنجوڑ کے رکھ دے۔ چین اور ترکستان میں بھی انسانی خون بہت ارزاں تھا۔ ہندوستان میں بکرماجیت کا تصور اب خاک ہو چکا تھا ان کے دامن میں نہ شری کرشن بھگوان کا برہمنی تصور تھا نہ بدھ کی پاکیزہ تعلیمات۔ چنانچہ دنیا حقیقی معنوں میں ایک اندھیر نگری کا تصور پیش کر رہی تھی۔ لیکن اس وقت ایک ایسی قوم بھی تھی جو اپنے پیغام کو لیے دنیا کے اندھیروں میں روشنی بکھیر رہی تھی اور آفاقیت کے اس ابدی تصور کو پیش کر رہی تھی جس کی ابتدائی کرنوں نے اہل عرب جیسی وحشی قوم کو ایک متمدن معاشرے میں بدل کر رکھ دیا تھا۔ جہاں ایک طرف مسلمان دینِ اسلام کو دنیا کے کونے کونے تک منتقل کرنے کی سعی وجہد میں مصروف تھے وہیں اسی جماعت کے اہل علم اس اثاثے کے بارے میں بھی متفکر

تھے جوانھوں نے دنیا بھر کے سامنے پیش کرنا تھا۔چنانچہ بہت سے اہل علم تاریخ حدیث سیر ومغازی اور تدوینِ فقہ کے لیے اپنے دن رات ایک کیے ہوئے تھے۔یہی وجہ ہے کہ آج کا مسلمان برملا اس بات کا اظہار کرسکتا ہے کہ دنیا کی کسی متمدن قوم نے اپنی تاریخ اور اس سے متعلقہ تمام اجزا اور ہر قسم کے مشاہیر و اکابرین کے حالات کو محفوظ کرنے اور آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے کا وہ اہتمام نہیں کیا جو عہدِ اول کے مسلمانوں نے کیا۔

مسلمانوں نے اپنی تاریخ کا جو سرمایہ محفوظ کیا وہ کیفیت اور کمیت دونوں اعتبار سے وقیع اور قابلِ قدر ہے۔انھوں نے تاریخ اور فنِ روایت کے دیگر حوالوں سے جو بے پناہ کام کیا ہے اور اس عہد میں کیا ہے جب وسائل نہایت کمیاب تھے اور علوم اپنی ابتدائی شکل میں تھے۔لوگ آج بھی اس پہ ششدر ہیں کہ وہ کون سا جذبہ تھا وہ کون سا محرک تھا جس کے آڑے وقت کی کوئی دیوار نہ آسکی اور انھوں نے وہ وسیع اور شفاف آئینہ مرتب کیا کہ تاریخ کے جس عہد میں بھی انسان اس میں اپنا عکس دیکھے اسے سچ کا ہی سامنا کرنا پڑے۔آج یورپ کے مستشرقین تاریخ نویسی کے فن میں چاہے جتنے بھی دعوے کرلیں وہ اس امر کو جھٹلانے کے قابل نہیں ہیں کہ ان کے پیش کردہ اکثر تاریخی اور عمرانی نظریات کہیں نہ کہیں جا کر مسلمان مورخین ہی کا تصور نکلتے ہیں۔اس لیے کہ ان کے ہاں آج بھی مذہب کا ایک دھندلا سا عکس ہی موجود ہے اور کسی دھندلے عکس سے شفاف آئینے مرتب نہیں کیے جاسکتے ۔

اپنے قیمتی اثاثوں اپنے آفاقی نظریات کے تحفظ اور اپنی تاریخ کے زریں واقعات کو روشن رکھنے کے لیے مسلمان قوم کا یہ حال تھا کہ چوتھی صدی ہجری کے ایک مورخ مسعودی اپنی کتاب ''**مروج الذھب**'' میں اپنے قدماء کا ذکر کرتے ہوئے 80 بلند پایہ مورخوں کے حالات قلم بند کرتے ہیں۔مسعودی سے چالیس سال بعد محمد بن اسحاق الندیم بغدادی نے اپنی کتاب '' **الفہرست** '' میں سینکڑوں تاریخ نویسوں اور اوران کی مطبوعات کا احوال بیان کیا ہے۔بعد میں آنے والوں میں سے آٹھویں صدی ہجری کے مورخ'' **الذھبی** '' مسلمان ممالک میں لکھی جانے والی ہزاروں کتابوں کے مطالعے کے بعد تاریخ کی چالیس قسمیں بیان کرتے ہیں۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے فنِ روایت نے انسانی تمدن میں علم تاریخ کو کس بام عروج تک پہنچایا ہے۔الذہبی کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ ان کے ذاتی کتب خانے میں محض تاریخ کی ایک ہزار سے زائد کتابیں موجود تھیں۔حافظ سخاویؒ (متوفی ۹۰۲) نے اپنی

کتاب "الاعلان با لتوریخ" میں علم تاریخ کے سینکڑوں پہلوؤں پر افادیت کے حوالے سے روشنی ڈالی ہے اور ایسی سینکڑوں کتابوں کے حوالے دیئے ہیں جو قصص الانبیاء سیرت بنوی ﷺ تاریخ صحابہؓ خلفاو سلاطین وزرا مورخین اور محدثین اطباء وادبا اور شعرا کے حالات پر لکھی گئیں تھیں۔ الغرض مسلمانوں نے تاریخ نویسی کے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ انھوں نے تاریخ وسیر کے ہر حوالے سے یادگار اثاثہ چھوڑا ہے۔ ایک جرمن مستشرق (Westan field) نے اسلام کی پہلی دس صدیوں میں پیدا ہونے والے مورخین کی خدمات اوران کے احوال پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس نے ان کی تعداد 590 بیان کی ہے جن میں اکثر مولفین کی تصنیفات کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔

علمِ تدوینِ حدیث سے شروع ہونے والی اس عظیم مہم کو جسے متاخرین تاریخ کے نام سے یاد کرتے ہیں اگر ہم اس کو دو عہدوں میں تقسیم کریں تو دور اول کے مسلمان مورخین میں الواقدی (م ۲۰۸ھ) ابو عبیدہ (م ۲۰۹ھ) ابن سعد (م ۲۳۰ھ) المدائنی (م ۲۳۵ھ) الدینوری (م ۲۶۹ھ) بلاذری (م ۲۸۴ھ) اور امام طبری (۳۱۰ھ) کے نام بہت نمایاں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی عہد ساز جہدِ مسلسل نے لوگوں کے دلوں سے اس ابہام کو دھو دیا ہے کہ تاریخ بادشاہوں کے قصوں کا نام ہے۔ اس میں سامان عبرت کم اور قصہ گوئی زیادہ ہوتی ہے۔ اسلام آنے کے بعد جہاں انسانی تمدن میں ہر حوالے سے گراں قدر تبدیلی محسوس کی گئی۔ وہیں تاریخ نویسی کے بھی نئے در وا ہوئے۔ اس عہد کے تاریخ نویس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ حالات و واقعات کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اللہ کی حکمت اور اس کے مقاصد اجاگر ہوں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآنِ حکیم میں گذری قوموں کے حالات بیان کر کے اپنی حکمت اور مقاصد کو واضح کیا ہے اور لوگوں کو وہ راہ دکھائی ہے جو سراسر بھلائی کی راہ ہے۔ مثال کے طور پہ دیکھیں کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ روم 8/30)

ترجمہ؛

’’کیا یہ لوگ ملک میں چلتے پھرتے نہیں کہ نکلیں تو دیکھیں کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں ان کا حال یہ تھا کہ وہ ان سے قوت میں بھی بڑھ کے تھے اور انہوں نے زمین کو بھی زیادہ عمدگی سے کاشت کیا تھا اور پھر جب پہنچے ان کے پاس اللہ کے رسول کھلی نشانیاں لے کر تو انہوں نے انکار کیا‘‘۔

****

عہدِ اول کے مورخین نے اپنے اس جدا فنِ تاریخ نویسی میں اسلوب کی ندرت اور سہل نگاری کے تمام پہلو مدنظر رکھے۔ تاہم علامہ طبریؒ کے دور سے متصل ہی ایک دوسرے مسلمان مورخ المسعو دیؒ نے تاریخ نویسی کو اس پہلو سے قدرے وسعت دی کہ تاریخ محض حالات و واقعات کی تمثیل ہی بن کے نہ رہ جائے بلکہ اس نے تجزیاتی انداز کے بجائے تنقیدی اور سماجی و معاشرتی نقطہ نظر پیش کرنے کا آغاز کیا یہی وہ بنیاد تھی جس پہ آگے چل کے علامہ ابن خلدونؒ نے وہ رفیع الشان عمارت تعمیر کی جس نے دنیا میں ایک تہذیبی اور عمرانی تہلکہ پیدا کر کے رکھ دیا۔ چنانچہ ہم المسعو دیؒ کے عہد سے ہی علمائے تاریخ نویسی کے دوسرے دور میں داخل ہوتے ہیں۔ جہاں ابن خلدونؒ نے المسعو دیؒ کی وضع کردہ ان راہوں پہ چلتے ہو ئے فنِ تاریخ نویسی کو بے کراں وسعتوں سے روشناس کرایا جن سے آج کا جدید یورپ بھی مستفیذ ہو رہا ہے۔ انسانی رویوں اور ان کے ابتدائی معاشرتی ڈھانچے کی بنیادی خامیوں اور اس عہد کے عمرانی چیلنجوں کا جس انداز میں ابن خلدونؒ نے جواب دیا ہے اس کی مثال آج کا جدید دور بھی دینے سے قاصر ہے۔ اس عہد کے یہ نام تاریخ نویسی کے حوالے سے قابل قدر ہیں ابن مسکویہ (م ۴۲۱ھ) ابن الندیم (م ۳۸۵ھ) ابوالفراج (م ۳۵۶ھ) خطیب بغدادی (م ۳۶۳ھ) ابن حزم (م ۴۵۶ھ) ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) ابن الجوزی (م ۵۹۶ھ) ابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) ابن سعد مغربی (م ۳۶۹ھ) یاقوت حموی (م ۶۲۶ھ) ابن خلقان (م ۶۸۱ھ) ابوالفداء (م ۶۸۹ھ) ابن کثیر (م ۶۹۶ھ) ابن خلدون

(م۸۰۸ھ)۔

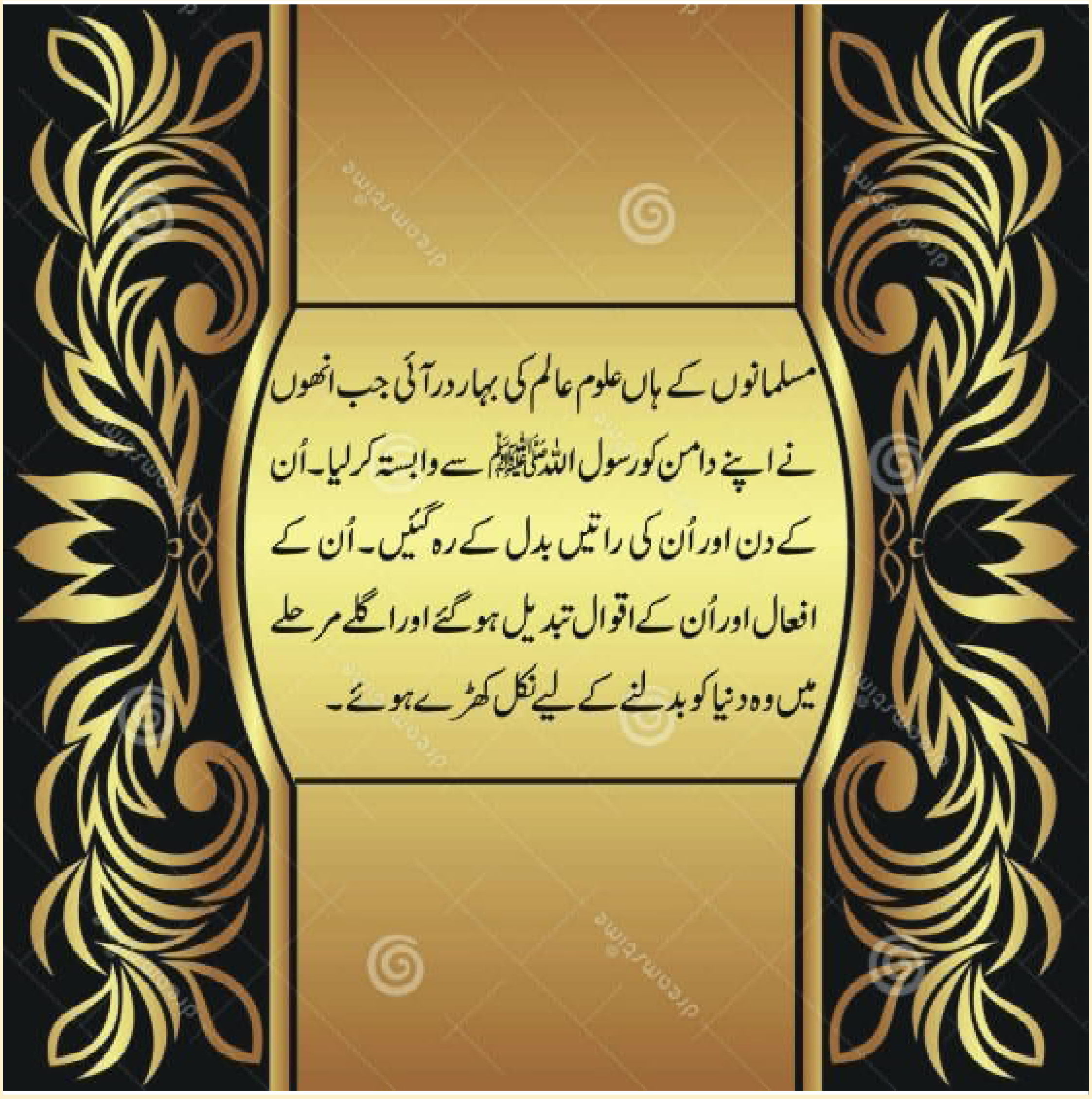
مسلمانوں کے ہاں علوم عالم کی بہار در آئی جب انھوں
نے اپنے دامن کو رسول اللہ ﷺ سے وابستہ کرلیا۔ اُن
کے دن اور اُن کی راتیں بدل کے رہ گئیں۔ اُن کے
افعال اور اُن کے اقوال تبدیل ہو گئے اور اگلے مرحلے
میں وہ دنیا کو بدلنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

تاریخ نویسی و دیگر علوم میں عروج امت

اہل مغرب جس دور کو قرونِ وسطی کے نام سے یاد کرتے ہیں یہی دور طلوع اسلام اور عروجِ اسلام کا دور ہے۔اسلامی تہذیب وتمدن کے عروج وارتقاء کا دور ہے۔یہی وہ عرصہ ہے جس میں مسلمانوں نے نہ صرف سیاسی اور عسکری فتوحات کے ذریعے ایک عالم کو سرنگوں کیا بلکہ علم وتہذیب کے میدان میں بھی وہ سنگِ میل عبور کئے دنیا جن سے کبھی آشنا نہ تھی۔انھوں نے دنیا کو اس آفاقی تصور کی طرف بلایا جس میں خیر ہی خیر تھی اور سب کے لیے بھلائی اور آسانی کے وہ مظاہر تھے کہ انسانی طبع جن کی طرف جلد متوجہ ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے وہ اقوام جن میں مذہبی تعصب ذرا کم تھا فوراً اس آفاقی نظام کی طرف متوجہ ہوئیں اور اپنے سینے اس روشنی سے بھر لیے جو عرب کے ریگستانوں سے نکل کر اب قریہ قریہ نگر نگر اور ملک ملک پھیل رہی تھی۔لوگ اپنے سماجی اور معاشی استحصال سے اکتائے ہوئے تھے اور کسی ایسے ہی دامن کی تلاش میں تھے جو ان کے زخموں پہ مرہم رکھ سکے اور اسلام میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے کہ وہ کل بھی زخموں کے لیے ایک خنک مرہم تھا اور آج بھی سسکتی انسانیت کی فلاح کا واحد راستہ یہی ہے کہ وہ اس آفاقی پیغام کی

طرف متوجہ ہو اور اپنی دنیا اور آخرت کو سنوار لے۔ ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں جب مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہوئی تو کوئی اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ پیغام دنیا بھر کے لوگوں کو اتنی جلدی اپنی طرف متوجہ کر لے گا اور لوگ اپنی ہزار سالہ تاریخ سے منہ موڑ کے دامنِ اسلام میں پناہ گزیں ہو ں گے۔ اسلام مدینے سے ایک سیلاب کی طرح نکلا اور دنیا کی بہت سی مستحکم تہذیبوں کو ملیا میٹ کرتا ہوا خشکی کے ہر اس خطے پہ دستک دینے لگا جہاں انسانوں کا کوئی گروہ بستا تھا۔

چنانچہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے نویں صدی عیسوی کے نصف اول تک اسلامی قلمرو کی سلطنت کی حدود شمال میں بحیرہ اسود جنوب میں ملتان مشرق میں سمرقند اور مغرب میں جنوبی فرانس اور ساحلی اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھیں۔ انھی دنوں میں بغداد، ایران، مصر، اسپین اور سسلی کے جزیروں سے اسلامی فنون اور تہذیب و تمدن کی لہریں اٹھ رہی تھیں اور ایک عالم کو بقعہ نور بنا رہی تھیں۔ مسلمانوں نے جس ملک کو بھی فتح کیا اس کی شان میں اضافہ ہی کیا وہ جہاں بھی گئے وہاں انھوں نے اپنی تہذیب کے نقش اتنے گہرے چھوڑے کہ ماضی کی تہذیبوں کو حرفِ غلط کی طرح مٹا کے رکھ دیا۔ ایران کے آتش کدوں میں جلنے والی آگ کے متعلق روایتیں ہیں کہ وہ ساڑھے تین ہزار سال سے مسلسل جل رہی تھی مگر جب اسلام نے اپنی روشن اور واضح تعلیمات سے ان لوگوں کے دل فتح کیے تو انھوں نے اپنے ہاتھوں سے ان آتش کدوں پہ پانی ڈالا اور ایسا پانی ڈالا کہ پھر وہ آگ کبھی نہ جل سکی جس کی پوجا کی جاتی تھی۔

مصر میں گئے تو فرعونوں کی ہزاروں سال سے مستحکم تہذیب کو اپنے قدموں تلے یوں روندا کہ فرعونیت کو ہمیشہ کے لیے ایک گالی اور برائی کا استعارہ بنا کے رکھ دیا۔ آج بھی لوگ کسی کی برائی کرنے میں مبالغہ کی حد تک جانا چاہیں تو کہتے ہیں فلاں بڑا فرعون ہے۔ مسلمانوں نے ملک تو فتح کیے مگر ان کی محبت اور دین اسلام پہ استقلال نے وہ معجزہ دکھایا جس کی مثال انسانی تاریخ میں مفقود تھی۔ ملک تو اس سے قبل بھی فتح کیے جاتے تھے مگر انھوں نے لوگوں کے دل فتح کیے۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ جناب ابوعبیدہ بن جراحؓ نے ملک شام کے لوگوں سے زرفدیہ وصول کیا مگر چند ہی دنوں بعد خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ کے حکم سے یہ علاقہ چھوڑ کر کسی اور محاذ کی طرف چلے کہ حکم یہ تھا کہ فلاں محاذ پہ حضرت خالد بن ولیدؓ کی مدد کو پہنچو کہ وہاں رومیوں کا دباؤ بڑھ گیا ہے تو انھوں نے مقامی لوگوں کو بلایا اور زرِفدیہ کی رقم ان کو لوٹا دی اور کہا کہ چونکہ زرِفدیہ لینے کے بعد تم لوگوں کی فلاح حفاظت اور امن وسلامتی کی ذمہ داری ہم پہ آتی ہے مگر

سردست ہم اس محاذ کو خالی چھوڑ کے جا رہے ہیں اور تمہاری حفاظت سے معذور ہیں اس لیے میں تم لوگوں کو فدیہ میں لی گئی رقم لوٹا رہا ہوں۔ اس پر وہ لوگ ششدر رہ گئے کہ فاتح قوموں کی طرف سے اس معیار کا عدل انھوں نے کیا دیکھنا تھا زمین و آسماں تک اس سے نا آشنا تھے۔ وہ منظر بھی تاریخ نے اپنے دامن میں محفوظ کر لیا جب اسلامی فوجوں کی رخصتی کے وقت ان لوگوں کی آنکھوں کے آنسو اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ ان کے دل فتح ہو چکے اور جب دل فتح ہو جائیں تو جسم کی حیثیت ثانوی سی رہ جاتی ہے ۔مسلمان فاتحین نے جہاں جہاں اپنے قدم رکھے ہزاروں سال بعد بھی ان کی خوشبو وہاں محسوس کی جا سکتی ہے۔ انھوں نے ہر ملک میں خوبصورت عمارتوں، رنگا رنگ پارکوں، سڑکوں، باغات، پلوں، تالابوں کی تعمیر کی، مسافروں کے لیے سراؤں اور رستوں میں تازہ پانی کے کنوؤں کا وسیع پیمانے پر انتظام کیا اور اپنی علم دوستی کی وجہ سے ہر جگہ مدرسوں اور کتب خانوں کے جال بچھا دیئے۔ دنیا بھر سے علمی اثاثوں کی کھوج کی اور ہر موضوع پہ علمی شاہپارے جمع کیے۔ انھیں جہاں بھی علم کی روشنی نظر آئی یا کسی عالم کا پتہ چلا اسے دربارِ خلافت میں بلا کر اس کی تحسین اور اعانت کی اور اسے انسانی فلاح کے لیے علم کی خدمت پہ لگا دیا یہی وجہ تھی کہ ان علماء نے دنیا بھر کے علوم کو عربی زبان میں منتقل کیا۔

یونان کے جامد فلسفے کی تشریح کچھ اس طرح کی کہ وہ انسانی فلاح اور ترقی میں کام آیا اور اس کا ثمر یہ تھا کہ لوگ تمام تہذیبوں اور مذاہب کے تقابلی جائزے کے قابل ہوئے اور ان پر اسلام کی حقانیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہونے لگی۔ اسلام علم و عمل کا دین ہے اور اس کی الہامی کتاب کا بنیادی موضوع انسان ہے۔ وہ انسانی زندگی میں علم کی افادیت پہ زور دیتا ہے کہ جب تک کسی امر پہ مستحکم یقین نہ ہو اس پہ عمل میں وہ رنگ وہ جذبہ وہ خود فراموشی وہ والہانہ پن مفقود ہوتا ہے جو مطلوب و مقصود ہے اور کسی امر پہ مستحکم یقین کی دلیل صرف راہ علم ہی سے مہیا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے بار بار علم کی عظمت کو بیان کیا ہے اور خود نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشادات سے مسلمانوں کے دلوں میں علم کی محبت کا وہ جذبہ بیدار فرمایا ہے کہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد نے اپنی زندگیاں علم کے لیے وقف کر دیں اور انھوں نے اپنی مادی ضروریات سے بے نیاز ہو کر علم کے اس رستے کو چنا جس کے دوسرے سرے پہ یقینی فلاح کا کامل یقین ان کو حاصل تھا۔ چنانچہ انھوں نے الہامی نور کے علم سے اپنے سینوں کو منور کیا۔ قرآن حکیم کے ایک ایک لفظ کو یاد بھی کیا تحریر بھی کیا اور آنے والوں تک حفاظت سے اسے منتقل بھی کیا۔ کیا عجیب اور خوبصورت

بات ہے کہ آج کی مادیت سے گھری اس دنیا میں بھی اگر اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب کون سی ہے تو جواب ہوگا قرآن، اور اگر یہ سوچا جائے کہ آج بھی وہ کون سی کتاب ہے جس کو لوگوں کی کثیر تعداد نے زبانی یاد کر رکھا ہے تو جواب ہوگا قرآن، دراصل حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھر میں اور کوئی کتاب اس قابل ہے ہی نہیں کہ کوئی انسان اسے زبانی یاد کرنے کی سعی کرے۔ آج بھی ہمارے معاشرے، ہمارے سماج اور دنیا کے کونے کونے میں حفاظِ قرآن کی اکثریت موجود ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمان آج بھی روزِ اول کی طرح ہی قرآن سے والہانہ محبت رکھتے ہیں اور اسی لیے قرآن کو زبانی یاد کرنے کا لازوال فن آج بھی اسی طرح زندہ ہے جس طرح پندرہ سو سال قبل زندہ تھا۔ چناچہ قرون وسطیٰ میں جب اہل مغرب سر تا پا جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے تو اس وقت امت مسلمہ اپنے علمی سیاسی اور تہذیبی عروج کو چھو رہی تھی اور ان کے ہاں ہر قسم کے علوم وفنون ترقی کی راہ پہ گامزن تھے۔

وہ جہاں علمی رفعتوں کی بلندیوں پر تھے، وہیں سماجی اور معاشی میدانوں میں بھی ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ جب مامون الرشید کا عہد خلافت تھا تو صرف بغداد میں مساجد کی تعداد تیس ہزار تھی۔ اس سے مسلمانوں کا اپنی تہذیب اور اساس کے ساتھ والہانہ لگاؤ کا اظہار ہوتا ہے۔ انھوں نے شہر بغداد میں ایک دارالحکمت بنوایا جہاں دنیا بھر کے اہل علم موجود رہتے جن کا تعلق ایران، عراق، شام، مصر اور ہندوستان سے ہوتا اور وہ دنیا بھر کے علوم کا عربی زبان میں ترجمہ کرتے اور اسے مفید عملی علوم میں منتقل کرتے تاکہ اس سے انسانیت کی فلاح کا کام لیا جاسکے۔ اس دور میں عوام بہت خوشحال تھے اور ان کے عمومی مسائل کے تدراک کے لیے حکومتی سطح پر نہایت اعلیٰ انتظامات کیے جاتے اور ان کو ہر قسم کی سہولیات فراہم کی جاتیں۔ معروف مغربی تاریخ دان ”Well deuran“ کے مطابق بغداد کے مسلمانوں کی شہری سہولیات کا یہ عالم تھا کہ ہر سہ پہر کو شہر بھر کی سڑکوں پہ گلاب اور کیوڑے کے عرق کا چھڑکاؤ کیا جاتا تاکہ گذرنے والے راحت محسوس کریں اور عبدالرحمان سوم کے قرطبہ کا یہ حال تھا کہ شہر میں صرف لائبریریوں کی تعداد سو سے زیادہ تھی۔ پانچ لاکھ کی آبادی والے اس شہر میں سات سو مساجد تین سو حمام ایک لاکھ تیرہ ہزار مکانات تھے اور اکیس مضافاتی بستیاں تھیں جن میں عموماً امراء کی رہائش گاہیں ہوا کرتیں۔ اس کے علاوہ شہر میں سینکڑوں باغات تھے حکومت اور فرمانروائی کی شان وشوکت کا یہ حال تھا کہ مشرقی یورپ کا

حکمران قیصر مسلمانوں کا باجگذار تھا جس کا نام (Naieforce) بتایا جاتا ہے اس نے ایک بار جزیہ دینے سے نکار کر دیا تو خلیفۃ المسلمین ہارون الرشید نے اس کو خط میں لکھا کہ:

امیر المومنین ہارون الرشید کی طرف سے رومی کتے کے نام؛

''اے فاحشہ ماں کے بچے! میں نے تمہارا خط پڑھا اس کا جواب تُو عنقریب اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا''۔

****

چنانچہ چند روز بعد اسلامی فوجوں نے قیصر پر حملہ کر دیا اور اسے شکست فاش دی اور اسے دوبارہ باجگذاری پر مجبور کر دیا۔ادھر اندلس میں مسلمانوں نے ہر قسم کے فنون کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی بلکہ عوام الناس کی زندگی میں آسانی کے لیے صنعت وتجارت کو بھی بڑے پیمانے پر فروغ دیا۔مسلمانوں نے جزیرہ سسلی سے نہریں نکالیں اور دور دور سے پھل دار درخت لا کر کاشت کیے اور کھجور سے تو ان کو ایسی محبت ہے کہ وہ جہاں بھی گئے اسے اپنے ساتھ لے کر گئے۔انھوں نے کپاس اور نیشکر کی فصلوں کو عام کیا،ریشم کو رواج دیا اور تعمیرات میں سرخ وسفید پتھر کے استعمال کی روایت ڈالی۔مسلمانوں کے ہاں ان کا اپنا خالص فنِ تعمیر پایا جاتا ہے جس میں نوکدار محرابوں آرائشی طاقچوں جالیوں اور میناروں کو بہت اہمیت حاصل ہے۔انھوں نے مساجد کے اندر خط طغرائی میں آیات نویسی کا کام اتنی محبت اور والہانہ پن کے ساتھ کیا کہ ہزار سال گذرنے کے باوجود بھی قرطبہ اشبیلیہ اور غرناطہ میں اس کے آثار آج تک زندہ ہیں اور لوگوں کی آنکھوں میں حیرت کے وہ جہان اجاگر کر رہے ہیں جن کا جواب صرف اپنی اساس سے محبت ہی دے سکتی ہے.
جہاں تک مسلمانوں کی علم دوستی کا تعلق ہے تو اس دور میں خطہ ارض پہ مسلمان ہی وہ واحد قوم تھے جن کو متمدن قرار دیا جاسکے جن کے پاس نہ صرف ایک آفاقی دین کی تعلیمات تھیں بلکہ ان کی سماجی،معاشی ،سیاسی اور علمی برتری بھی روز روشن کی طرح عیاں تھی۔اہل مغرب کی جہالت کے برعکس جہاں غسل

کرنے تک کو سخت ناپسندیدہ قرار دیا جاتا تھا مسلمان ہر طرح کے علوم سے بہرہ ور تھے۔ دورِ صحابہؓ اور تبع تابعین کے دور کی علمی جدو جہد کو ہم کسی حد تک بیان کر چکے ہیں۔ چنانچہ یہاں متاخرین کا ذکر کیا جاتا ہے کہ یزید اول کے بیٹے خالدؒ نے دمشق میں ایک بہت بڑا دارالترجمہ قائم کیا جس کی نگرانی پر ایک پادری مامون تھا جہاں دن رات تصنیف وتالیف کا کام جاری رہتا۔ خود خالدؒ کا شمار بھی اہل علم میں کیا جاتا ہے کہ ابن الندیم نے اپنی کتاب" **الفہرست** " میں اس کی چار کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔ عباسی خلفاء نے کتابوں کی دنیا بھر میں تلاش کے لیے بھاری خرچ پر ایک مہم بھیجی جو اپنے ساتھ کتابوں کے انبار لے کر لوٹی۔ ان کے ہاں ہر طرح کے اہلِ علم کی بہت قدر ومنزلت تھی۔ سو اہل علم بھی دربار خلافت کا ہی رخ کرتے۔

اُن کے ہاں دن رات علمی مباحث اور ان کی عملی تفسیر کی روایت پائی جاتی تھی اور اہل علم کا گروہ ہر لحظہ نامعلوم سے معلوم کی سمت گامزن رہتا تھا۔ یہی علم وتحقیق کی اصل راہ ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے (Thalees 640 ق م) سے لے کر (بطلمیوس 151ء) تک کے علوم عربی زبان میں منتقل کر دیئے۔ جالینوس اور ارسطو کے بنیادی افکار پہ شرحیں لکھیں اور ان کی کمزوریاں بیان کیں اور تنقید کے نئے اسلوب وضع کیے۔ انھوں نے سائنس کے میدان میں انمول خدمات سرانجام دیں۔ نہایت دقت نظر اور تحقیق سے ستاروں کے مقامات اور ان کی نقل وحمل کی تفصیلات مرتب کیں۔ اول اول زمین کی جسامت اور ہیت کا درست تصور پیش کیا۔ ستاروں سیاروں اور کہکشاؤں کے اس انبار کی طرف توجہ کی جس کی ایک ایک حرکت کسی خالقِ مطلق کی فرمانروائی پہ دلیل کی طرح ہے۔ کئی قسم کے اصطرلاب بنائے اور رصدگاہوں کو ترتیب دیا گیا تاکہ نظام شمسی پہ علمی نگاہ ڈالی جاسکے۔ انھوں نے بارود ایجاد کیا اگرچہ آج اہل مغرب اس کو اپنے کھاتے میں ڈالنے پہ مُصر نظر آتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ راجر بیکن کے دعوے سے سو سال قبل ہی مسلمان بارود کے استعمال سے واقف تھے۔ انھی لوگوں نے بنی نوع انسان کی اس مادی ترقی کی بنیادیں استوار کیں جس پہ آج مغرب اپنی اجارہ داری تصور کرتا ہے۔ یہی وہ علم دوستی تھی جس کا احوال (*Well* duran) یوں بیان کرتا ہے کہ قرطبہ سے سمرقند تک ہر طرف علم ہی علم تھا۔ روشنی ہی روشنی تھی۔ ہر جگہ ہزاروں درس گاہیں تھیں جس کی بنا پر شہر کی سڑکوں پر ہر وقت جغرافیہ دانوں مورخوں، منجموں، فقیہوں، محدثوں اور طبیبوں کا رش لگا رہتا۔ گیارویں صدی میں اٹلی کا ایک پادری (Peter) اپنی علمی پیاس کے

ہاتھوں مجبور ہو کر جب قرطبہ گیا تو یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ عام لوگوں کے ساتھ ساتھ حکمرانوں کو بھی راہ علم کا ہی مسافر پایا۔ چنانچہ وہ بتاتا ہے کہ خلیفہ کے محل میں اس کی ذاتی لائبریری میں چار لاکھ سے زائد کتابوں نے اس کی آنکھوں کو خیرہ کر کے رکھ دیا۔ اس نے دیکھا کہ محل کا ایک حصہ ان لوگوں کے قبضے میں ہے جو کتابوں کی جلد سازی کرتے۔ ان میں نقاش بھی تھے اور کاتب بھی، ان میں مترجم بھی تھے اور مولف بھی، غرض ایک پورا محکمہ قائم تھا جو دنیا بھر سے قیمتی کتابیں لا کر خلیفہ کی خدمت میں پیش کرتا اور انعام و اکرام سے نوازا جاتا۔ جامعہ قرطبہ جو عربوں کی قدیم ترین یونیورسٹی تھی جس کی بنیاد عبدالرحمان سوم نے رکھی اس میں ہر ملک ہر نسل اور ہر مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنی علم کی پیاس کو بجھاتے۔ یونیورسٹی میں جدید طرز تعلیم کی طرح مختلف شعبہ جات کے انتظامات الگ الگ تھے اور ان میں قرآن حکیم، حدیث ،فقہ، فلسفہ، ریاضی، علم ہیت اور دیگر علوم کے شعبہ جات شامل ہیں۔

ایک اور شعبہ اجنبی زبانوں کا بھی تھا جہاں یونانی، عبرانی، لاطینی، سنسکرت اور فارسی کی تعلیم دی جاتی۔ تیر اندازی گھڑ سواری اور تیغ بازی کے علیحدہ شعبہ جات تھے۔ یونیورسٹی میں یورپ ایشیا اور افریقہ سے تعلق رکھنے والے کثیر تعداد طلبا ہمیشہ موجود رہتے۔ جامع کی لائبریری میں چھ لاکھ سے زیادہ کتابیں موجود تھیں جن کی فہرست ہی چوالیس جلدوں پر مشتمل تھی۔ مامون الرشید کی زندگی علمی حوالے سے بہت روشن ہے اور تاریخ کے صفحات اس کی علم دوستی پہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار مامون الرشید نے قیصر روم کے دربار کے کسی عالم کی شہرت سنی تو انھوں نے قیصر روم کو لکھ بھیجا کہ اس عالم کی دربارِ خلافت میں تم سے بہتر پذیرائی کی جائے گی اس لیے تم اسے ہمارے ہاں بھیج دو۔ قیصر روم نے مامون الرشید سے اس کی قیمت طلب کی تو مامون الرشید کے قاصد نے کہا کہ وہ منہ مانگی قیمت پر بھی اس عالم کو حاصل کرنے کو تیار ہیں۔ چنانچہ چالیس من سونے کے عوض سودا طے پا گیا اور قیمت ادا کر کے اس عالم کے علم کو وہ پذیرائی بخشی گئی کہ تاریخ کے صفحات اس واقعہ کا ذکر کرنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں۔ ایک اور مسلمان سالار سلطان محمود غزنوی کی علم دوستی بھی بہت شہرت کی حامل ہے کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی کو جب علم ہوا کہ خوارزم شاہ کے دربار میں البیرونی اور ابن سینا جیسے علماء موجود ہیں تو اس نے اپنے قاصد خوارزم شاہ کی طرف روانے کیے اور اسے کہلا بھیجا کہ ان دونوں علماء کو میرے حوالے کر دو ورنہ میں تم پہ حملہ کر دوں گا اور تم جانتے ہو کہ تم مجھ سے مقابلے کی سکت نہیں رکھتے۔ محمود کے دربار میں چار سو سے زائد علماء محقق اور شعرا

موجود تھے۔ایک مغربی مورخ پروفیسر (Brown) تو مبالغے کی حد بھی پھلانگ گیا وہ کہتا ہے کہ محمود غزنوی علماء کو طاقت کے زور پہ اغوا کیا کرتا تھا۔آج اگرچہ مسلمانوں کی علمی اور سماجی پستی پہ دل خون کے آنسو روتا ہے کہ ہماری نئی نسل کو کوئی یہ تک بتانے کو تیار نہیں کہ وہ کس بے مثال قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی تاریخ کتنی روشن اور اجلی ہے۔چنانچہ وہ مغرب کے اس سماجی اور مادی ڈھانچے کو حسرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس کی پس ماندگی حقیقی ہے یا کچھ ناگزیر اسباب کی بنا پہ اس مسلط کی گئی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ امت کا مقدر نہ تھا حالات کا جبر اس پہ تھوپا جا رہا ہے جب انسان اپنی اساس سے ناطہ توڑ کے غیروں کے بنائے ہوئے اسلوبِ زیست اپنائے گا تو پھر یہی ہوگا کہ ''کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا'' یہی کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے مگر مایوسی کے اس اندھیرے میں بھی وہ روشنی ہمارے دامن میں موجود ہے جو معاشی سماجی اخلاقی اور سیاسی رفعتوں کی طرف ہمیں بلا رہی ہے مگر ہم اس آواز پہ کان تو دھریں اپنی اصلاح کے لیے خود کو آمادہ تو کریں پھر زیادہ وقت نہیں لگے گا کہ ہم اپنی تہذیبی اقدار کو ازسرنو منوانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ان شاءاللہ

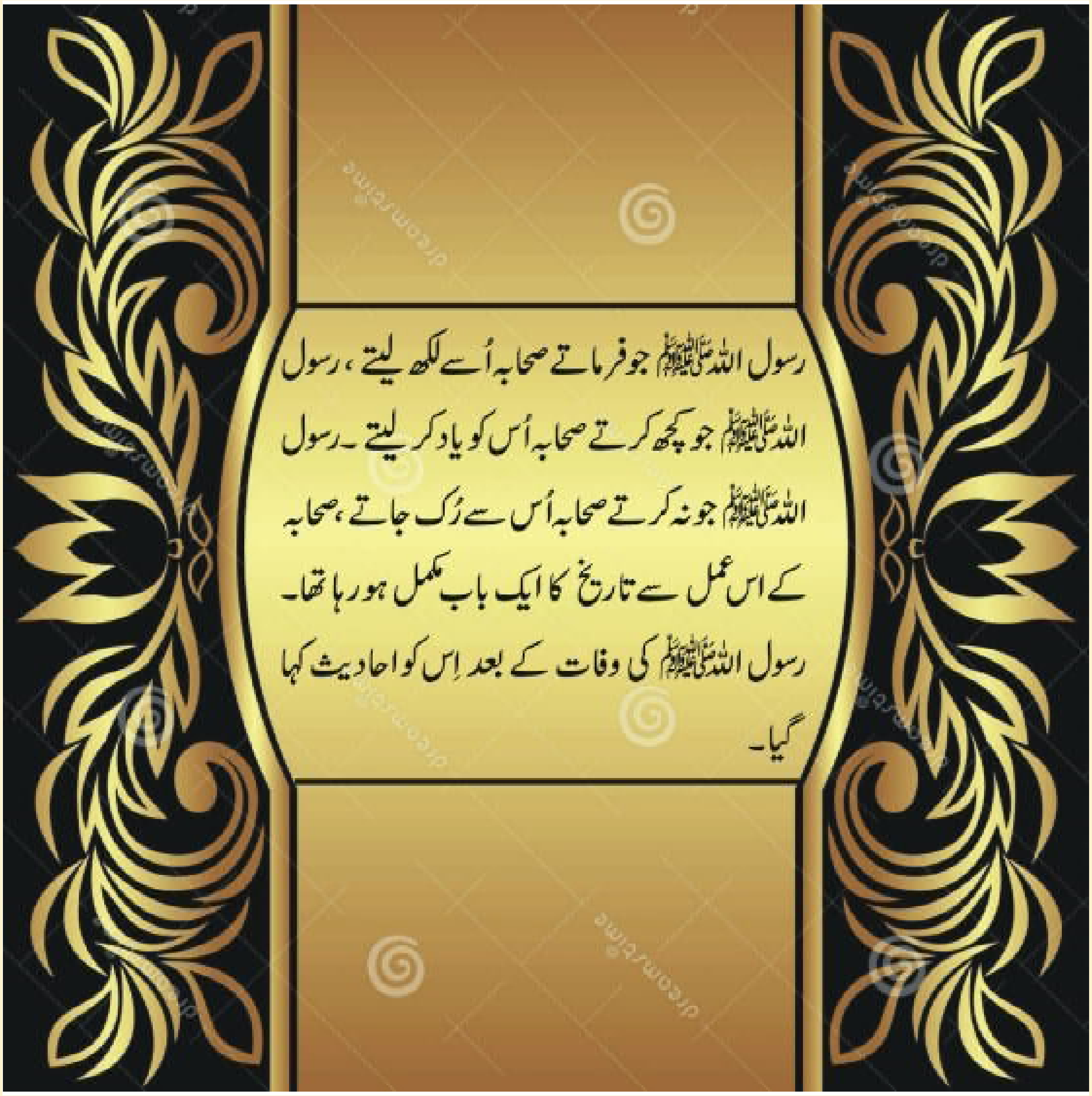
رسول اللہ ﷺ جو فرماتے صحابہ اُسے لکھ لیتے ، رسول
اللہ ﷺ جو کچھ کرتے صحابہ اُس کو یاد کر لیتے ۔رسول
اللہ ﷺ جو نہ کرتے صحابہ اُس سے رُک جاتے ،صحابہ
کے اس عمل سے تاریخ کا ایک باب مکمل ہو رہا تھا۔
رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اِس کو احادیث کہا
گیا۔

فن روایت کے اصول

جانے آج کے مسلمان کو کس کی نظر لگ گئی ہے کہ وہ امت کے عظیم تر تصورِ امہ سے نابلد دکھائی دیتا ہے۔ اس کے دل میں پارہ پارہ امت کی ذرا بھی ندامت نہیں۔ بلکہ اس کے نزدیک اگر کوئی قابلِ فخر متاع اس کے دامن میں موجود ہے تو وہ ہے اس کا وہ مسلک وہ فرقہ وہ مذہب جس کا وہ پیرو ہے اور اسے ہی دین اسلام سمجھتا ہے اگر کوئی دوسرا مسلمان اسے عقل وتدبر کے حوالے سے کوئی نصیحت کرنا چاہے تو وہ فوراً بپھر جاتا ہے اور بعض اوقات جذباتی ہو کر اپنے مخالف کو کافر قرار دے دیتا ہے۔ میں شب وروز اُن لوگوں کے افعال پہ کڑھتا رہتا ہوں جو عشق مصطفیٰ ﷺ کا دعوی کرتے نہیں تھکتے اور نماز نکل جاتی ہے۔ وہ اپنے مجوزہ عشق کو جانے کس کسوٹی پہ پرکھتے ہیں جنہیں معشوق کی ایک ادا ایک مطالبہ بھی یاد نہیں۔ وہ مدینے کے گن تو گاتے ہیں مگر مدینے والے کے دین سے کوئی خاص سروکار نہیں رکھتے۔ عشق کا دعوی ہے مگر معشوق کی طلب سے بے نیازی ہے۔ جنوں کا اعادہ ہے مگر اس کی تکمیل امامہ باندھ کے ہی ہو جاتی ہے۔ جو شان وشوکت سے حج کو جاتے ہیں مگر ان کا ہمسایہ بھوکا سوتا ہے، جو مسجد کی تزئین و آرائش کے لیے

لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں مگر اس مسجد میں جانے کے لیے اپنے دل کو آمادہ نہیں کر پاتے۔ جو بات بات پہ کلمہ پڑھتے ہیں مگر زندگی بھر اس کلمے کے مفہوم سے عاری رہتے ہیں۔اور اکثر بد ہیت سماجی روایات کو دین قرار دینے پہ اصرار کرتے ہیں۔الغرض ہم اتنی مختلف انتہاؤں پہ کھڑے ہیں جہاں حقیقت کا سر ندامت سے جھکا ہوا ہے۔کوئی قرآن کو سینے سے لگائے کھڑا ہے اور حدیث سے یوں بھاگتا ہے جیسے اسے کسی بچھو نے کاٹ لیا ہو۔کوئی دوسرا لفظوں کے ہر اس مجموعے کو حدیث قرار دینے پر مُصر ہے جو تاریخی حوالے سے ہم تک پہنچ گیا۔تو کوئی قرآن کو عقل کی تزویر پہ چڑھائے ششدر بیٹھا ہے اور مرضی کے جواب نہ پا کر وجودِ خالق کے متعلق تذبذب کا زہر اپنی رگوں میں اتار رہا ہے۔

چنانچہ آج کا مسلمان محدود ہو کے رہ گیا ہے تقسیم امت کا نوحہ اگرچہ بہت طویل ہے مگر میں اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں کہ مسلمانوں کے ہاں فنِ روایت کی اتنی پختگی وجود میں آئی کہ نبی ﷺ کی زندگی کا شاید ہی کوئی لمحہ ایسا ہو جو دائرہ روایت سے باہر ہو۔آپ ﷺ کی زندگی اور دعوت کے تمام مراحل کا احاطہ اس خوبصورتی سے کیا گیا ہے کہ محبت اور عشق کی وہ سب راہیں آج بھی روشن ہیں جن پہ چل کے صحابہ ؓ نے محبت اور جنوں کے وہ سب فاصلے طے کئے جس کی بنا پہ قرآن ان کو انجم قرار دیتا ہے۔ وہ ساعتیں روشن ہیں، وہ گلیاں زندہ ہیں، مسجد نبوی کی کھجور کے پتوں والی وہ چھت موجود ہے، مدینے کے وہ باغات اور کنویں موجود ہیں، غزوات کی ایک ایک للکار، صاحب عزم صحابہؓ کا ایک ایک زخم، حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمرؓ کی وہ بے تابیاں، انصار کا وہ بے مثال ایثار اہل صفہ کا گروہ، یہودیوں کی سازشیں، اہل قریش کی بے بسی، مدینہ کی گلیوں میں آپ ﷺ کی دعوت کے مناظر، مسجد نبوی کے صحن میں صحابہؓ کی وہ محافل جن میں سرکار دو عالم ﷺ تشریف فرما ہوتے اور اس نور کو تقسیم فرماتے جو وحی کی صورت آپ پہ اتارا جا رہا تھا۔

چنانچہ سب کچھ ویسا ہی ہے جیسا پندرہ سو سال قبل تھا۔تاریخ کے دریچوں میں تو آج بھی وہ سب گلیاں، وہ سب محفلیں روشن ہیں مسلمان خود کو اس وادی کا مسافر تو بنائے تاریخ کے اس بحرِ بے کراں میں قدم تو رکھے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کچھ وقت تو گذارے۔تب وہ جانے گا اسلام تو صرف اس بات کا نام ہے جو اس دہنِ مبارک سے نکلی اور جس بات کی حفاظت کے لیے اتنا کڑا نظام مرتب کیا گیا جس کی نظیر انسانی تاریخ سے نہیں دی جا سکتی۔ مسلمانوں نے فنِ حدیث و سیر کی صحت کے لیے جو معیار قائم کیا وہ بہت زیادہ بلند ہے۔ ہمارے ہاں فنِ روایت کا پہلا اصول یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کے متعلق جو واقعہ بیان کیا جائے

اسے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا اور اگر وہ خود شریک واقعہ نہ تھا تو واقعہ میں شریک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بیان کرے۔اب اگر کوئی شخص ایک واقعہ بیان کرتا ہے اور اس میں مزید سات راوی شامل ہیں تو اس واقعہ کو روایت کرنے والے تمام سات افراد کو تحقیق کی اس کسوٹی پہ پرکھا جائے گا جو نہایت سخت ہے۔ان تمام راویوں کے متعلق طے کیا جائے گا کہ یہ کون لوگ تھے، کیسے لوگ تھے ،ان کے مشاغل کیا تھے، چال چلن کیسا تھا، حافظہ کیسا تھا، سوچ سمجھ کیسی تھی، ثقہ تھے یا غیر ثقہ، سطحی الذہن تھے یا دقیقہ بین، عالم تھے یا جاہل، غرض صرف ایک روایت کی تحقیق کے لیے تمام راویوں کو اس کسوٹی پر کس دیا جاتا ہے جہاں سچ اور جھوٹ کے مابین مہین سا پردہ بھی حائل نہیں رہتا۔اس طرح جب نبی کریم ﷺ کی ہر روایت کے پس پردہ راویوں کی زندگی اور اعمال کا سراغ لگانا شروع کیا گیا تو دنیا کا ایک منفرد اور سب سے مشکل علم وجود میں آیا جس کا نام علم اسمائے الرجال رکھا گیا۔ایک جرمن مفکر DR "Esprenger" نے اپنی کتاب میں اس موضوع کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوہوئے لکھا کہ:

''نہ دنیا میں ایسی کوئی قوم گذری ہے اور نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسمائے الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ کے قریب اشخاص کا احوال موجود ہے''۔

****

محدثین نے اپنے اس فن کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر رکھیں تھیں۔وہ گاؤں گاؤں قریہ قریہ ،نگر نگر گھومے اور ان لوگوں سے ملے جو نبی کریم ﷺ کی روایت بیان کرتے تھے۔وہ ان سے ہر قسم کی معلومات اخذ کرتے، جو لوگ موجود نہ تھے ان کے احوال دریافت کرتے۔محدثین نے روایت کرنے والے کسی شخص کے رتبے اور حیثیت کی کبھی پرواہ نہ کی۔بادشاہوں سے لے کر بڑے بڑے مقتداؤں تک کی اخلاقی سراغ رسانیاں کیں اور اس طرح سینکڑوں تصنیفات کا وہ دفتر تیار ہوا جس میں ہر طرح کے راویوں پہ جرح اور تعدیل کی گئی۔یہی وہ مستحکم بنیاد تھی جس کی بنا پرفنِ روایت کے وہ علوم ایجاد ہوئے

جنہوں نے زبانِ رسول ﷺ سے نکلے لفظ لفظ کی صحت کے متعلق جامع معلومات فراہم کیں اور اعتماد کی اس مستحکم فضا کو جنم دیا جس کی نظیر سابقہ امتوں میں نہیں ملتی۔

چنانچہ آج جو لوگ ہر دوسری حدیث کو اپنی عقل کی کسوٹی پہ پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے اس رویہ کو کسی بھی طور پسندیدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جبکہ صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ جب حضرت عمرؓ معاملاتِ خلافت میں مشغول تھے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ان سے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ انھوں نے تین مرتبہ حضرت عمرؓ کے دروازے پر دستک دی اور جواب نہ ملنے پر واپس چلے گئے۔ حضرت عمرؓ نے فارغ ہوتے ہی ان کو بلوا بھیجا اور ان سے دریافت کیا کہ وہ واپس کیوں چلے گئے تھے ۔جس پہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جواب دیا کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا کہ:

''تم میں سے جب کوئی کسی کے گھر جائے تو دروازے پر دستک دے تین بار جواب نہ ملنے کی صورت میں واپس چلا جائے''۔

****

اس پر حضرت عمرؓ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ پر برہم ہوئے اور انھیں حکم دیا کہ وہ اس بات پہ گواہ پیش کریں ورنہ انہیں سزا دی جائے گی۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے گواہ پیش کر دیا۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جب ایک آدمی فوت ہوا تو ایک عورت جو اس متوفی کی دادی تھی نے حضرت ابوبکرؓ سے مطالبہ کیا کہ اس کو میراث میں سے حصہ دلوایا جائے۔ تو اس پہ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ قرآن میں دادی کی کوئی میراث مذکور نہیں اور نہ نبی مکرم ﷺ سے اس سلسلے میں کوئی روایت مجھ تک پہنچی ہے۔ جس پر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے شہادت دی کہ نبی اکرم ﷺ دادی کو میراث سے چھٹا حصہ دلوایا کرتے تھے۔ اس پہ حضرت ابوبکرؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ سے پوچھا کیا تم اس مر پہ گواہ پیش کر سکتے ہو تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے ایک اور صحابی محمد ابن مسلمہؓ کی گواہی پیش کی۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس عورت کو میراث سے حصہ دلوایا۔ چناچہ محدثین نے جس کارِ عظیم کو انجام دیا اور دین کی مبادیات کا جو بے پناہ ذخیرہ مہیا کیا اسی

کی بنیاد پہ تفسیر قرآن کے وہ بے شمار پہلو سامنے آئے جنہوں نے انسانی زندگی کا کچھ اس انداز سے احاطہ کیا جس سے نظام زندگی کا وہ پورا ڈھانچہ وضع ہوا جو اسلامی تہذیب وتمدن کہلایا۔فن روایت میں یحیی بن سعید القطانؒ کو اولیت حاصل ہے ان کے متعلق امام احمد بن حنبلؒ کا کہنا ہے کہ ''فن روایت میں میری آنکھوں نے ان کا نظیر نہیں دیکھا'' تاہم ان کے بعد اس فن کو زیادہ رواج حاصل ہوا اور اس پہ کثرت سے کتابیں لکھیں گئیں چند مشہور تصنیفات کا احوال بیان کیا جاتا ہے۔

''**رجال عقیلی** '' فن رجال کی مشہور کتاب ہے جس میں خاص طور پہ ضعیف راویوں کے احوال بیان کئے گئے ہیں۔رجال احمد بن عبدالعجلی کی کتاب ''**الجرح و لتعدیل** '' بھی اس سلسلے میں بہت معروف ہے۔امام عبدالرحمان بن حاتم رازیؒ کی '' **کتاب الرجال** '' کو بھی اہم مقام حاصل ہے۔تاہم کامل بن عدیؒ کی کتاب کو فن رجال کا حرفِ آخر کہا جاسکتا ہے۔اس لیے کہ متاخرین نے فنِ رجال پہ جو بھی اثاثہ مرتب کر کے آئندہ نسلوں تک منتقل کیا وہ دراصل اسی سے ماخوذ ہے۔مذکورہ بالا کتابوں کا اب کوئی نام و نشان باقی نہیں سوائے اس کے کہ ان کا تذکرہ مورخوں کی تصانیف میں مل جاتا ہے۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ فنِ رجال کے اولین نقش انھی لوگوں نے اجاگر کیے اس لیے ان کا مقام کسی دلیل کا محتاج نہیں ہو سکتا۔

****

علامہ یوسف بن الزکی کی تصنیف'' **تہذیب الکمال** '' اور حافظ ابن حجرؒ کی فنِ رجال پہ عظیم اور مفصل تصنیف '' **تہذیب التہذیب** ' ' کا ماخذ بھی انھی کتابوں کو قرار دیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ ''لسان المیز ان،تقریب،تاریخ کبیر بخاری،تاریخ صغیر بخاری، ثقات ابن حبان،تذکرۃ الحافظ علامہ ذہبی ،مشتبہ النسبۃ ذہبی،انساب سمعانی اور تہذیب الاسماء بھی اسی دور کی تصنیفات ہیں جنہوں نے فنِ اسماء الرجال کی بنیادوں کو وہ استحکام بخشا کہ اِک عالم اس بات پہ گواہ ٹھہرا کہ اس فن نے نبی مکرم ﷺ کی زبان سے نکلے ہر حرف کو وہ دوام اور استحکام بخشا کہ آج صدیاں گذرنے کے بعد بھی ہم لوگ پورے اعتماد اور

محبت کے ساتھ حدیثِ پاک میں بیان کیے گئے احکامات کی پیروی کرتے ہیں۔[8*]۔

فن درایت کے اصول

فن روایت پہ تو ہم سیر حاصل بحث کر چکے ہیں اور اس کی مزید تشریح بھی اپنے مقامات پہ ہوتی رہے گی۔ یہاں ہم اصولِ درایت پہ گفتگو کریں گے۔ اصولِ روایت ہو یا اصولِ درایت ان کی بنیاد قرآن وسنت پہ ہی رکھی گئی ہے۔ اللہ پاک قرآنِ حکیم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا ۔

القرآن الحکیم (سورۃ الحجرات 6/49)

ترجمہ؛

”مسلمانوں اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو“۔

****

اور اسی سلسلے کی وضاحت نبی کریم ﷺ نے یوں فرمائی ہے کہ؛

”آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے بغیر تحقیق کے آگے بیان کردے“

(الحدیث البخاری)

****

حقیقت یہ ہے کہ اس طرزِ تحقیق یعنی درایت کی ابتدا خود صحابہؓ کے دور میں ہو چکی تھی۔ مثال کے طور پہ مدینہ کے بعض فقہا اس بات کے قائل تھے کہ آگ پہ پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے جب اس بات کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا تو عبداللہ بن عباسؓ نے کہا اگر یہ بات درست ہو تو پھر اس پانی سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا جس کو آگ پہ گرم کیا گیا ہو۔ چنانچہ صورت یہ ہے کہ اگرچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ کو ضعیف الروایت نہیں سمجھتے تھے لیکن چونکہ مجوزہ روایت اصولِ درایت کے خلاف تھی اس لیے انھوں نے اسے تسلیم نہیں کیا بلکہ یہ موقف اختیار کیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو سننے میں غلطی لگی ہوگی۔

تدوین حدیث کے ساتھ ہی فن اصولِ روایت اور اصولِ درایت کی بنیاد رکھی جا چکی تھی چنانچہ علامہ ابن جوزیؒ نے کہا کہ جو روایت عقل اور اصولِ مسلمہ کے خلاف ہو تو جان لو کہ وہ مصنوعی ہے اور اس کی نسبت اس بات کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی کہ اس کے راویوں پہ بحث کی جائے کہ وہ معتبر ہیں یا غیر معتبر۔ اسی طرح وہ حدیث بھی قابلِ اعتبار نہیں جو عام محسوسات اور مشاہدے کے خلاف ہو اور تاویل کی گنجائش سے عاری ہو یا وہ حدیث جس میں ذرا سے عمل کی بہت بڑی جزا بیان کی گئی ہو یا وہ حدیث جس میں ذرا سی خطا کی بہت بڑی سزا بیان کی گئی ہو یا وہ حدیث جس میں لغویت پائی جائے۔ مثال کے طور پہ یہ حدیث کہ ”کدو کو ذبح کیے بغیر نہ کھایا جائے“ یا یہ کہ حاکم نے مستدرک میں بیان کیا کہ ”جب حضرت آدم سے خطا ہوئی تو

انھوں نے کہا کہ اے میرے رب تو مجھے محمد ﷺ کے واسطے معاف کر دے۔ تو خدا نے حضرت آدمؑ سے سوال کیا تم نے محمد ﷺ کو کیسے جانا۔ تو حضرت آدمؑ نے جواب دیا کہ میں نے سر اٹھا کے عرش کے پائیوں پر نظر ڈالی تو میں نے یہ الفاظ لکھے ہوئے دیکھے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" تو میں نے سوچا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس کا نام ملایا ہے وہ تجھے ضرور محبوب ہوگا اس لیے تو مجھے اس کے واسطے سے معاف کر دے ۔خدا نے جواب دیا تم نے سچ کہا اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔ آئمہ حدیث نے حاکم کی ایسی بہت سے حدیثوں کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حاکم کی مستدرک میں بہت سی جھوٹی اور وضع کی گئی حدیثیں موجود ہیں۔ احیا العلوم اور غنیۃ الطالبین کا بھی یہی حال ہے۔

چنانچہ محدثین نے ایسی لغویات کو راوی کی کذب بیانی کی دلیل قرار دیا ہے اور ایسی روایات کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ ان کے نزدیک احتیاط اور قولِ رسول ﷺ کے بیان کی صحت کے مدارج بڑے سخت ہیں۔ وہ قالَ قالَ رسول اللہ کے اقرار کے باوجود ہر روایت کو مسلمہ اصولوں کی اس کسوٹی پہ پرکھتے پھر کہیں جا کر کسی روایت کو حدیث کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کی جانے والی ہر روایت کے متعلق دیکھا جائے گا کہ وہ مندرجہ ذیل اصولوں پہ پوری اترتی ہے یا نہیں۔

۱۔ روایت عقل کے مخالف نہ ہو۔

۲۔ روایت اصولِ مسلمہ کے خلاف نہ ہو۔

۳۔ محسوسات اور عام مشاہدے کے خلاف نہ ہو۔

۴۔ قرآن مجید یا حدیث متواتر کے خلاف نہ ہو۔

۵۔ اجماع امت کے قطعی خلاف نہ ہو۔

۶۔ معمولی عمل پہ سخت عذاب کی دھمکی نہ ہو۔

۷۔ معمولی کام پہ بہت بڑے انعام کا وعدہ نہ ہو۔

۹۔ روایت رکیک المعنی نہ ہو۔

۱۰۔ راوی اس شخص سے روایت کرے جس سے وہ کبھی نہ ملا ہو۔

۱۱۔ ایسے واقعہ کا بیان جس کے وقوع ہونے پہ بہت سے لوگوں کا آگاہ ہونا ضروری تھا مگر اس کو صرف

ایک ہی راوی روایت کرے۔

۱۲۔ایسی روایت کہ تمام لوگوں کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو مگر اسے صرف ایک ہی روای بیان کرے باقی سب لوگ خاموش ہوں۔

۱۳۔ایسی روایت جس میں فضول باتیں بیان کی گئیں ہوں۔

۱۴۔ایسی روایت جو عام مشاہدے کے خلاف ہو جیسے کہ یہ حدیث ''کہ کدو ہر مرض کی دوا ہے، کہیں لکھا ہے بینگن ہر مرض کی دوا ہے وغیرہ وغیرہ۔

۱۵۔وہ روایت جو صریح حدیثوں کے خلاف ہو۔

۱۶۔جو روایت امر واقعہ کے خلاف ہو جیسے کہ ''دھوپ میں رکھے پانی سے غسل کیا جائے تو برص ہو جاتا۔

۱۷۔وہ روایات جو مزاج انبیاء سے مشابہت نہ رکھتی ہوں جیسا کہ یہ روایت'' کہ تین چیزیں نظر کو ترقی دیتی ہیں، سبزہ زار، آبِ رواں، خوبصورت عورت کا چہرہ دیکھنا۔

۱۸۔وہ روایتیں جن میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کی تاریخ اور سنہ کے مطابق پیش گوئی کی گئی ہو۔

۱۹۔وہ حدیثیں جو طبیبوں کے کلام کے مشابہ ہیں مثال کے طور پہ یہ روایت کہ'' ہریسہ کھانے سے قوت آتی ہے وغیرہ۔

۲۰۔ایسی روایات جن کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہوں،، جیسا کہ یہ روایت'' عوج بن مالک کا قد تین ہزار گز تھا وغیرہ۔

۲۱۔وہ روایت جو ظاہری طور پہ علوم قرآن کے خلاف جائے،، جیسا کہ یہ روایت کہ'' دنیا کی عمر سات ہزار برس ہے یا یہ روایت کہ'' لوگوں کے نوحہ کرنے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے جب یہ روایت حضرت اماں عائشہ صدیقہؓ تک پہنچی تو انھوں نے اسے ایک لمحے میں یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ تو قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزرَ اُخرٰی ۵

القرآن الحکیم (سورۃ بنی اسرائیل 17)

ترجمہ:

''اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''۔

۲۲۔ایسی روایات جو آیات اور سورتوں کے وہ فضائل بیان کریں کہ قدماء نے جن کا ذکر تک نہیں کیا وغیرہ۔

****

چنانچہ محدثین اور علمائے فن رجال نے روایت کے فن کو اس درجہ ترقی دی اور زبان و بیان کے وہ اسلوب دریافت کئے جن کی بنا پہ دین و شریعت کے احکام بہ حسن وخوبی امت تک منتقل ہوئے۔انھوں نے ہر واقعہ کے علل و اسباب پہ کڑی نظر رکھی اور نوعیت واقعہ کا شہادت کے لحاظ سے وہ معیار قائم کیا جو دراصل مطلوب تھا۔چنانچہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک ثقہ راوی ایک ایسا واقعہ بیان کرتا ہے جو عموماً پیش آتا ہے یا کسی کو بھی پیش آسکتا ہے تو اس کی روایت بلا تکلف قبول کر لی جائے گی۔دوسری صورت میں وہی راوی ایک ایسے واقعے کی روایت کرتا ہے جو عموم کے خلاف ہو اور گردو پیش کے حالات سے مناسبت نہ رکھتا ہو تو اب صرف اس راوی کے وثوق پہ اکتفاء کرنا ممکن نہیں رہے گا۔اس لیے کہ اگر یہ واقعہ پیش آیا ہے تو ضروری ہے کہ بہت سے لوگ اس بات سے آگاہ ہوں اور روایت کریں یا پھر راوی کا درجہ عدل نہایت بلند ہو وہ زیادہ محتاط زیادہ بردبار اور اول درجے کا دانشور ہو پھر بھی روایت احاد کو اس حدیث کے مقابل وہ اہمیت حاصل نہ ہوگی جس کو متعدد لوگ روایت کریں۔پھر ایک بحث یہ بھی ہے کہ راوی پہ عمر کی بھی کوئی قید لگائی جا سکتی ہے یا نہیں اور کیا پانچ برس کا لڑکا روایت کرسکتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ فقہا نے اس مسئلے میں طویل بحثیں کی ہیں۔امام شافعیؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ بچوں سے روایت کے معاملے میں گریز کی راہ اختیار کرتے ہیں۔تاہم بہت سے دوسرے فقہا ان کے خلاف بھی گئے ہیں اور انھوں نے بچوں سے روایت لی ہے جیسا کہ یہ روایت ''محمود بن الربیعؓ کا شمار آپ ﷺ کے صحابہؓ میں ہوتا ہے کہ نبی مکرم ﷺ کی وفات کے وقت

ان کی عمر پانچ سال سے کچھ زیادہ تھی۔آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ اظہارِ محبت کے طور پہ ان کے منہ پہ کلی کا پانی ڈال دیا۔محمود بن الربیعؓ جب جوان ہوئے تو انھوں نے اس روایت کو بیان کیا جس کو بلا تکلف لے لیا گیا۔تاہم مجھے اس معاملے میں ''**فتح المغیث**'' میں کی گئی بحث عمدہ لگی ہے جس میں اس قدرے پیچیدہ معاملے کا بہترین حل تلاش کیا گیا ہے۔کتاب کے باب شرح المھذب میں بیان کیا گیا ہے کہ نابالغ لڑکے کی وہ روایت مقبول تصور کی جائے گی جس کا تعلق دیکھنے سے ہے۔یا ان معاملات سے ہو جو عموم سے تعلق رکھتے ہوں۔یعنی یہ کہ اگر کوئی پانچ چھ سالہ لڑکا یہ بیان کرے کہ وہ ایک بوڑھے آدمی سے ملا جس کے بال سفید تھے اور اس نے مجھے گود میں اٹھا کر یوں پیار کیا تو اس روایت کو بیان کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔لیکن یہی بچہ اگر فقہ یا دین و شریعت کا کوئی دقیق معاملہ بیان کرے تو محدث کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ یہ خیال کرے کہ بچے نے معاملہ کو صحیح طور نہ سمجھا ہوگا یا صحیح طور پہ یاد نہ رکھ سکا ہوگا اور وہ اس روایت کو لینے میں گریز کی راہ اختیار کر سکتا ہے۔تاہم عام طور پہ اس اصول کو تسلیم نہیں کیا گیا۔

ایک بحث یہ تھی کہ ان صحابہ کی روایت جو فقیہ نہ تھے اور ان کی روایت قیاسِ شرعی کے خلاف ہو تو اس پہ عمل کی کیا صورت ہوگی۔اس بارے میں امام فخر الاسلام ''**بحر علوم**'' میں تحریر کرتے ہیں کہ چونکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ روایت بلفظ کی جائے اس لیے ایک ہی واقعہ کو اگر کئی لوگ روایت کریں گے تو لازمی امر ہے کہ ہر کوئی اس واقعہ کو اپنے ہی انداز میں بیان کرے گا اور لوگ عموماً اکثر اپنے موقف کو مجازی عبارتوں میں ہی ادا کرتے ہیں۔اسی بنا پر جب تک راوی فقیہ نہ ہوگا تو اس بات کا احتمال موجود رہے گا کہ راوی نے مقصودِ شرعی کو سمجھنے یا اس کو ادا کرنے میں غلطی کی ہو اور یہ محض احتیاط ہے اس سے راوی پہ کذب بیانی کا الزام نہیں لگتا۔چنانچہ محدثین کا یہ اصول رہا ہے کہ وہ دیکھتے کہ واقعہ جس درجہ اہم ہے شہادت بھی اسی درجہ اہم ہے یا نہیں۔چنانچہ امام بیہقی اپنی کتاب ''**المدخل**'' میں بیان کرتے ہیں کہ جب ہم آنحضرت ﷺ سے حرام اور حلال کی یا دیگر احکامات کے متعلق حدیث روایت کرتے تو سند کے معاملے میں نہایت تشدد کرتے اور روایوں کو سختی سے پرکھتے اور جب ثواب و عتاب اور فضائل کا بیان آتا تو ہم سندوں میں نسبتاً سہل اختیار کرتے اور راویوں کے متعلق زیادہ جرح نہ کرتے۔چنانچہ اکثر اوقات سیرت و مغازی کی روایات کو اس سلسلے میں اہمیت نہیں دی جاتی۔اسی بنا پر امام احمد بن حنبلؒ نے یہ تفریق کی کہ ابن اسحاق کی شہادت حرام اور حلال میں معتبر نہیں۔تاہم سیرت و مغازی میں ان کا درجہ ہے۔علمائے حدیث میں اس

معاملہ پہ بھی بہت سے مباحث مروی ہیں کہ روایت بالفظ ہو یا بالمعنی اس سلسلے میں عبدالملک بن عمرؒ، ابو زرعہؒ سالم بن جعدؒ، قتادہؒ اور امامؒ مالک بہت سختی کرتے تھے۔لیکن عمومی طور پہ علمائے حدیث کہتے ہیں کہ اگر راوی اپنے الفاظ میں حدیث کا مطلب اس طرح بیان کرے کہ اس سے اصل الفاظ کی حقیقت میں کوئی فرق نہ پڑتا ہو تو روایت لینے میں کوئی قباحت نہیں۔اس لیے کہ سینکڑوں راویوں میں سے دو چار ہی اس بات کا حقیقی التزام کر سکتے ہیں کہ وہ روایت بالفظ کریں ورنہ بالعموم روایت بالمعنی ہی کی جاتی ہے۔

امام ترمذی اپنی جامع میں حضرت سفیان ثوریؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں نے جو سنا اس کو بعینہٖ بیان کرتا ہوں تو میری بات مت مانو کہ میں تو صرف مفہوم ادا کرنے پر قادر ہوں اور اپنے اللہ سے ڈرتا ہوں۔ چنانچہ صحابہ علیہ رضوان اللہ اس بات کا حقیقی ادراک رکھتے تھے کہ نبی کریم ﷺ سے جھوٹی بات منسوب کرنا کتنا بڑا گناہ ہے۔اس لیے وہ حدیث بیان کرتے ہوئے بہت خوفزدہ رہا کرتے ۔ابن میمونؒ کہتے ہیں کہ میں ہر جمعرات کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا میں نے ان کو اس طرح بات کرتے کبھی نہ سنا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا۔تاہم ایک دن یہ لفظ بلا ارادہ ان کے منہ سے نکل گیا تو میں نے دیکھا کہ ان کے گلے کی رگیں پھول گئیں ہیں اور آنکھوں میں آنسوؤں کے بادل امنڈ رہے ہیں اور آپ بار بار دہرا رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے یوں کہا کہ یوں اس سے زیادہ یا اس سے کچھ کم یا اس کے مشابہ۔

مشہور محدث امام مالکؒ کا یہ حال تھا کہ جب کسی حدیث کی روایت لیتے تو خوف سے کانپنے لگتے اور اپنے اللہ سے یہ دعا فرماتے کہ میں نے دانستہ کسی لفظ کی نسبت تیرے نبی ﷺ کی طرف نہیں کی۔ میں اتنا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں ہوں البتہ جس بات کے متعلق مجھے علم ہی نہ ہو اس سے مجھے بری الذمہ رکھنا۔ چنانچہ اصولِ درایت کے سلسلے میں اس بحث کے نتیجہ کے طور پہ یہ بات سامنے آئی ہے کہ عقلی شہادت کے بغیر وہ روایت جو عموم کے بھی خلاف جا رہی ہو محدثین اس کو اصولِ درایت کی بنا پہ رد کر سکتے ہیں۔محدثین نے اس سلسلے میں بہت سی روایات بیان کی ہیں جن کے راوی اگرچہ ثقہ تھے مگر اصولِ درایت کی بنا پر محدثین نے مذکورہ روایت کو اہمیت کے قابل نہ جانا۔جیسا کہ عمرو بن میمونؒ کی اس روایت کو حافظ ابن البر رد کرتے ہیں عمرو بن میمونؒ کی روایت کچھ یوں ہے کہ "میں نے زمانہ جاہلیت میں دیکھا کہ ایک بندر نے زنا کیا تو دوسرے بندروں نے اکٹھے ہو کر اس کو سنگسار کر دیا۔انھوں نے اس پہ عقلی دلائل دیتے ہو کہا کہ جانور تو غیر

مکلّف ہیں اس لیے ان پر حد جاری کرنا اس لیے فضول ہے کہ ان پہ زنا کا اطلاق ہی نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ کہ جانوروں پہ کسی قانون کے اطلاق کا کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی قرآن وسنت میں موجود نہیں۔ اس لیے یہ محض افترا ہے اور فنِ روایت کے ابتدا میں خود صحابہؓ میں ایک گروہ موجود تھا جو عقلی اور نقلی وجوہ کی بنا پر روایات کو تسلیم کرنے میں متامل تھا۔ خود اماں حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی ان میں شامل ہیں۔ انھوں نے عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت ماننے سے انکار کر دیا کہ نبی کریم ﷺ نے کشتگانِ بدر کی نسبت یہ فرمایا کہ یہ سنتے ہیں جس طرح تم سنتے ہو۔ حضرت اماں عائشہ صدیقہؓ کا موقف یہ تھا کہ یہ روایت آیات قرآن سے متصادم ہے۔ تاہم اکثر محدثین نے اس روایت کا اثبات کیا ہے۔

یا مثلاً یہ روایت کہ ''جس شخص نے عشق کیا اور پاک دامن رہا اور اسی حالت میں فوت ہو گیا تو وہ شہید ہوگا۔ حافظ ابن القیم اس پہ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ روایت دلائلِ عقلی اور نقلی ہر حوالے سے باطل ہے اور میں تو اس کو کسی صورت قبول نہ کروں گا حتیٰ کہ اس کی سند آفتاب کی طرح روشن ہو تب بھی یہ روایت غلط اور وہم ہی ہوتی۔ ثقہ راویوں کے متعلق اگرچہ دروغ گوئی کا خیال نہیں کیا جاتا۔ تاہم ثقہ رواۃ کے متعلق بھی اس بات کا احتمال بہرحال موجود رہے گا کہ اس کو مقصودِ روایت کے سمجھنے یا بیان کرنے میں غلطی لگی ہو اور ثقات کی روایت سے جب کسی موقع پر انکار کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہی ہوتی ہے۔

اسی لیے عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کے متعلق حضرت اماں عائشہ فرماتی ہیں کہ ''نہ تم لوگ جھوٹے ہو نہ تمہارے راوی جھوٹے ہیں لیکن کان غلطی کر سکتا ہے'' چنانچہ اصولِ درایت کے حوالے سے کسی روایت پہ تنقید کا طریق دورِ اول میں ہی مروّج تھا اس لیے کسی اہم واقعہ کی توجیح کے لیے اول تو قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوا جاتا ہے اگر قرآن کی آیات سے امرِ واقعہ کی کوئی شہادت نہ ملے تو پھر اس کو حدیث صحیحہ میں تلاش کیا جائے گا۔ پھر اس کے بعد عام حدیثوں میں اس واقعہ کی کھوج کی جائے گی۔ تاہم اگر یہاں بھی کوئی نشان نہ ملے تو روایاتِ سیرت سے رجوع کیا جائے گا مگر سب اہلِ علم اس بات پہ متفق ہیں کہ سیرت کی روایتیں بہ اعتبارِ صحت احادیث کی روایات سے فروتر ہیں۔ تاہم اختلافِ روایت کی صورت میں رواۃ بابِ فقہ کی روایات کو دوسروں پر ترجیح حاصل ہوگی۔ چنانچہ مجوزہ اصول وتقرر کی تفصیل کے بعد یہ بات عیاں ہوگئی کہ اسلامی فنِ روایت میں عقل و درایت کا مقام کس قدر بلند ہے اور علمائے حدیث نے روایات کی اصلاح کے لیے کس قدر محنت جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ کیا اس طرح کے

اہتمام واعتناء کی مثال کسی اور قوم کے سرمایہ تاریخ وروایت کے حوالے سے دی جاسکتی ہے اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔اسی لیے ہم بغیر کسی ابہام کے اس بات کا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہماری تاریخ ہمارا فن روایت ہمارے دین کے اثاثہ جات اتنے محفوظ ہیں کہ ان پہ انگلی اٹھانے والا مغربی مستشرق دراصل اپنے دامن میں جھانکنے سے گریزاں ہے ورنہ اسے اپنا وہ عکس نظر آجائے جسے وہ قطعی پسند نہیں کرتا[9*]۔

کائنات میں رنگ و بو کی وہ بہار جب چہار سو چھانے کو تھی تب بہت سے صاحبِ علم لوگ جانتے تھے کہ لوگوں کی بھلائی کا فیصلہ کیا جا چکا ہے اور سر افلاک اِک ہلچل ہے جس کا عکس زمین کی موجودات اور نباتات تک نے محسوس کیا ہے۔ شیطان آسمانوں سے بھگا دیئے گئے تو زمین سے آسمان تک وہ راستے سج گئے جن راہوں سے فلاح انسان تک منتقل کی جانی تھی۔ جب نبی اکرم ﷺ کی آمد کا وقت قریب آ گیا تو دشتِ فاران کی رونق بھی بڑھ گئی۔ کئی راہبوں نے اپنی خانقاہوں پہ چراغاں کیا کہ وہ گل سر سبد تشریف لانے والے ہیں۔ جس کے بعد دنیا میں بستے انسانوں نے اس پیغام الٰہی سے آگاہ ہونا تھا جو انسان کے لیے آخری بار اتارا جا رہا تھا۔ یہود و نصاریٰ اس امر سے آگاہ تھے کہ کوئی بھی شخص اگر دعویٰ کرے کہ وہ اللہ کا نبی ہے تو اس کے دعوی کو اس وقت تک قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس کا تذکرہ سابقہ الہامی کتابوں میں نہ دیکھ لیا جائے اور اس آنے والے نبی کی بشارت سابقہ انبیاء نے دے دی ہو۔ اُن کے اسی خیال کو

قرآن حکیم نے یوں پیش کیا ہے۔

یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف ۷ ؛ آیات ۱۵۷)

ترجمہ؛

”جس پیغمبر کو وہ اپنے ہاں توراۃ وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں“۔

****

جب نبی اکرم ﷺ نے اہل مکہ کے سامنے اپنی نبوت کا اظہار کیا تب دنیا پہ یہود ونصاریٰ ہی وہ واحد امت تھے جن کے پاس الہامی کتاب موجود تھی اور وہ اپنے انبیاء کی اِن بشارتوں سے بھی آگاہ تھے جن میں نبی اکرم ﷺ کے متعلق خبر دی گئی تھی۔ چنانچہ مورخین نے یہود ونصاریٰ کی امت سے بہت سے ایسے لوگوں کے احوال بیان کیے ہیں جنھوں نے نبی اکرم ﷺ کو اپنی کتابوں میں بیان کی گئیں نشانیوں کی بنا پہ پہچان لیا تھا اور اپنی خوشی اور دل کی رضا سے آپ ﷺ پہ ایمان لائے اور اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو سنوار لیا۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ یہود ونصاریٰ کی اکثریت بد بخت ثابت ہوئی اور انھوں نے نبی اکرم ﷺ پہ ایمان لانے سے اعراض کیا۔ خاص طور پہ اُن کے علماء جو آپ ﷺ کو بخوبی پہچان چکے تھے لوگوں کو آپ ﷺ پہ ایمان لانے سے روکتے تھے کہ ان کے دل تعصب وعناد سے آلودہ ہو چکے تھے اور وہ جو صدیوں سے اُن کی آمد کی امید اپنے دلوں میں سجائے بیٹھے تھے۔ جب آبِ حیات کا وہ سرچشمہ اُن کے سامنے آیا تو وہ پیاسے ہی رہ گئے اور اسی تشنگی میں اُن کے دلوں میں حسد وعناد کی آگ بھڑک اٹھی جو آج تک جل رہی ہے اور قیامت تک اُن کے دل اسی آگ میں ہی جلنے کے لیے ہیں۔ جب نبی اکرم ﷺ سے آپ کے صحابہ نے آپ ﷺ کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں حضرت ابراہیمؑ کی دعاہوں میں اپنے بھائی عیسیٰؑ کی بشارت ہوں اور اپنی ماں آمنہؓ کا خواب ہوں اور آپ ﷺ نے جو فرمایا اس کی تصدیق قرآن

حکیم نے ان الفاظ میں کی۔

ارشاد ہوتا ہے کہ؛

وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لاَ يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ O وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْناً وَاتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ O وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَـَذَا بَلَداً آمِناً وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلاً ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ O وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ O رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ O رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ العَزِيزُ الحَكِيمُ O

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ ۲ ؛ آیات ۱۲۹)

ترجمہ؛

''اور یاد کرو جب ابراہیمؑ کے پروردگار نے ابراہیمؑ کا چند باتوں میں امتحان لیا، پس ابراہیمؑ نے اِن کو پورا کیا تو خدا نے کہا کہ اے ابراہیمؑ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ ابراہیم نے کہا! اور میری اولاد میں سے۔ خدا نے کہا! میرا وعدہ گنہگار نہ پائیں گے۔ اور یاد کرو جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا مرجع اور مامن بنایا اور حکم دیا کہ ابراہیم کے قیام گاہ کو نماز کی جگہ مقرر کرو۔ اور ابراہیم اور اسماعیل کو فرمایا! میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف کرو! اور یاد کرو جب ابراہیم نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار!

اس (مکہ) کو امن کا شہر بنا دے اور اس کے رہنے والوں میں سے جو خدا اور آخرت پر یقین رکھتے تھے ان کو پھل اور روزی دے۔ خدا نے کہا! جو ان میں سے خدا کا منکر ہوگا ہم اس کو بھی چندروزہ زندگی میں بہرہ مند کریں گے پھر اِن کو مجبور کر کے دوزخ کے عذاب میں ڈال دیں گے جو بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ اور یاد کرو جب ابراہیم اور اسماعیل خانہ کعبہ کی بنیاد رکھ رہے تھے تو انھوں نے دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہماری یہ خدمت قبول فرما کہ تو ہی دعاؤں کا سننے والا ہے نیتوں کا جاننے والا ہے۔ خداوند! ہم کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری نسل میں سے بھی ایک گروہ ایسا پیدا کر جو تیرا فرمانبردار رہے اور ہم کو عبادت کے طریقے سکھا اور ہم سے درگزر فرما کہ تو بڑا ہی درگزر کرنے والا اور مہربان ہے۔ اے ہمارے رب! اور اِن میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرما جو اُن کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور کتاب وحکمت سکھائے اور ان کا تذکیہ کرے اور تو ہی غالب اور حکمت والا ہے"۔

****

یاد رہے کہ جب ظہورِ نبوت کا زمانہ قریب آیا تو عرب کے کاہنوں اور ان کے جنوں پہ عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا اور ان پر آسمان کے دروازے سختی کے ساتھ بند کر دیئے گئے۔ عرب کاہنوں کے مطابق اُن پہ یہ سختی دو دفعہ کی گئی۔ ایک دفعہ تب جب نبی اکرم ﷺ پیدا ہونے والے تھے اور دوسری دفعہ تب جب آپ ﷺ پہ قرآن اترنے کو تھا۔ چونکہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ دونوں واقعات نادر تھے اس لیے زمین وآسمان پہ جو حفاظتی انتظامات کیے گئے تھے اُن کی بدولت عرب کے اکثر کاہن اور یہود ونصاریٰ کے علماء یہ بات جانتے تھے کہ کوئی اہم واقعہ رونما ہونے کو ہے۔ چنانچہ کتب سیر اور آثارِ تاریخ میں عرب کاہنوں اور نصاریٰ کی خانقاہوں سے بہت سی ایسی روایات منقول ہیں جن میں نبی اکرم ﷺ کی پیدائش یا نبوت کی بشارت دی گئی ہے۔ تاہم ان میں بہت سی روایات چونکہ اصولِ روایت ودرایت کی رو سے کمزور قرار دی جاتی ہیں اس لیے ہم اِن کا تذکرہ حذف کرتے ہوئے ان کی مشترک اساس کو قارئین کے لیے پیش کیا ہے۔ اُن کے خیال میں سرزمین عرب کے باشندوں کی گمراہی اور عقائدی پستی اس بات کی غماز تھی کہ یہاں کوئی اللہ

کا پیغمبر اترے اِن راہ سے بھولے قافلوں کو منزل کی نوید سنائے اور اس لیے بھی کہ روم وفارس کے درمیان دس سال تک جاری رہنے والی جنگ نے عرب کو بھی اس کا متلاشی کر دیا تھا کہ وہ اس امن و آشتی کی راہ تلاش کریں جس میں ان کی دنیا اور آخرت دونوں کا سکھ موجود ہو۔ خاص عربوں کے لیے اصحاب الفیل کا واقعہ دل ہلا دینے کے لیے کافی تھا اور یہ عین اسی موسم بہار کی بات ہے جب نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں تشریف فرما ہوئے اور اسی روح اعظم کی منتظر نگاہیں روم وفارس تک میں موجود تھیں جس کی بھرپور شہادت اہل تاریخ وسیر نے مہیا کی ہے۔ اس لیے کہ روم وایران کے بہت سے یہود ونصاریٰ اپنی کتابوں اور انبیاء کی بشارتوں کی وجہ سے اس امر سے آگاہ تھے کہ یہی وہ زمانہ ہے جس میں دنیا کے انسانوں کو دکھوں سے نجات دلانے کے لیے کسی مسیحا نے اترنا تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے جب نبی اکرم ﷺ کا قاصد قیصر روم کے دربار میں پہنچا تو اس نے کہا مجھ کو یہ خیال تو ضرور تھا کہ کوئی نبی آنے والا ہے مگر میں یہ نہ جانتا تھا کہ وہ عربوں میں ظہور کرے گا اگر میں اس کے قریب ہوتا تو اس کی حمایت کرتا اس کی تکریم کرتا اور اس کے پاؤں دھو کے پیتا اور قیصر کو اس کے محرم راز بشپ اور اس کے دوست ابن ناطور نے بتا رکھا تھا ختنہ والے رسول کے ظہور کا زمانہ قریب آلگا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے قاصد کو اسی قسم کا جواب شاہ مصر مقوقس سے ملا کہ اس نے کہا ہاں میں جانتا ہوں کہ ایک نبی اس دنیا میں انسانوں کی خیر وفلاح کے لیے اترنے والا ہے تاہم میرا خیال تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوگا۔ حبش کے عیسائی بادشاہ نجاشی نے جواب دیا کہ ہم اُن کو سچا جانتے ہیں اور اُن پہ ایمان لاتے ہیں۔ چنانچہ ابن سعد، ابن اسحاق مسند احمد، تاریخ بخاری مستدرک حاکم، دلائل بیھقی، معجم البلدان، طبرانی اور دلائل ابونعیم وغیرہ میں سینکڑوں ایسی روایات موجود ہیں جن سے مجموعی طور پہ یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ بہت سے صاحبِ دانش لوگ اس امر سے آگاہ تھے کہ سرکارِ دوعالم کی آمد آمد ہے اور آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے مدینہ کے یہودی تو باقاعدہ اس بات کا چرچا کیا کرتے تھے کہ ایک نبی عنقریب ظاہر ہونے والا ہے جس سے مل کر وہ عربوں پہ غلبہ حاصل کرلیں گے۔

چنانچہ ابن سعد وغیرہ کی سند کے ساتھ یہ واقعہ تاریخ وسیر کی کئی کتابوں میں منقول ہے کہ ایک انصاری نوجوان نے کہا:

ہمارے ہاں ایک یہودی وعظ تھا جو ہم کو نبی اکرم ﷺ کی بشارت دیا کرتا تھا۔

ایک بار جب وہ درس دے رہا تھا تو لوگوں نے اس سے سوال کیا؟

کہ وہ نبی کب تک ظاہر ہوں گے؟

تو یہودی وعظ نے جواب میں اپنے لڑکے کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

اگر یہ جیتا رہا اور جوان ہوا تو یہ یقیناً اُن کو پالے گا۔

اسی طرح وقت گزرتا رہا۔حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے۔

تو یہودی کا وہ لڑکا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کرتا تھا اور اُن کے چھوٹے موٹے کام کیا کرتا تھا۔

ایک دفعہ اس لڑکے کو بخار ہوگیا تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے اُس کی بیماری کا تذکرہ کیا۔

تب نبی اکرم ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ اُس یہودی لڑکے کی عیادت کو تشریف لے گئے وہاں اس لڑکے کا باپ بھی تھا جو اہل مدینہ یعنی اوس وخزرج کو آنے والے نبی ﷺ کی بشارت دیا کرتا تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے اس لڑکے کے باپ کو مخاطب کیا اور کہا:

کیا تم میرا ذکر اپنی کتاب میں نہیں پاتے۔

یہودی وعظ نے انکار کر دیا۔

اس پہ بخار میں تڑپتا اس کا لڑکا بولا!

اے میرے باپ !اب تو جھوٹ کو چھوڑ دے جس کی بشارت تو ہم کو ساری زندگی دیتا آیا ہے وہ تیرے سامنے بیٹھا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اس یہودی وعظ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی مگر اس نے انکار کر دیا۔

تب آپ ﷺ نے یہی دعوت اس کے بیمار بیٹے کو دی۔

تو اس نے اسے قبول کر لیا۔

عربوں کے یہودی لوگ اپنے اس دوغلے رویے کی بنا پہ اس سعادت سے محروم رہ گئے جو ازلی وابدی ہے۔قرآن حکیم میں اِن کے اس رویے پہ جا بجا تنقید کی گئی ہے چند آیات یہاں بطور مثال پیش کی

جاتی ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ؛

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرہ۲ ؛آیات 11)

ترجمہ؛

''اس سے پہلے کافروں پر اسی آنے والے پیغمبر کا نام لے کر فتح چاہا کرتے تھے۔پس جب وہ بات سامنے آ گئی جس کو انھوں نے پہچان لیا تو انکار کر دیا کافروں پہ خدا کی لعنت ہو''۔

****

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ،،،

القرآن الحکیم (سورۃ البقرہ۲ ؛آیات ۱۲)

ترجمہ؛

''جن کو کتاب پہلے دی جا چکی ہے وہ یقیناً (اِن نشانیوں کی بنا پر جو اس کتاب میں مذکور ہیں) جانتے ہیں کہ یہ حق ہے اوران کے پرورد گار کی طرف سے نازل ہوا ہے''۔

****

مزید ارشاد ہوا کہ:

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ

لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرہ ۲ ؛ آیات ۱۴۷)

ترجمہ:

"جن کو ہم پہلے کتاب دے چکے ہیں وہ اسلام (اور نبی اکرم ﷺ) کی صداقت کو اسی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں جس طرح کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں لیکن اِن میں سے ایک فریق سب کچھ جانتے ہوئے بھی چھپاتا ہے"۔

****

مزید ارشاد ہوا کہ:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام ۶؛ آیات ۲۰)

ترجمہ:

"جن کو ہم پہلے کتاب دے چکے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں"۔

****

مگر یاد رہے کہ یہود و نصاریٰ کے سارے گروہوں نے ہی نبی اکرم ﷺ کا انکار نہ کیا تھا بلکہ توراۃ و انجیل کے ماننے والوں میں سے ایک گروہ کو اللہ نے ہدایت اور سیدھی راہ عطا فرمائی تھی۔ اِن میں سے بہت سے لوگ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوتے اور اپنی کتاب میں بیان کی گئی نشانیوں کی بنا پہ آپ ﷺ کو پرکھتے سوالات کرتے اور جب اُن کے دل مطمئن ہو جاتے تب وہ ایمان لانے میں ایک لمحہ کی دیر بھی نہ کرتے تھے۔ اسی لیے تو شاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اسلام اور اس کی برکات پہ موثر اور مدلل انداز میں تقریر کی اور سورۃ مریم کی آیات اُن کو پڑھ کے

سنائیں تو نجاشی پہ رقت طاری ہوگئی اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

تب نجاشی نے نبی اکرم ﷺ پہ ایمان لانے کا اظہار کیا اور اس کی گواہی خود نبی پاک ﷺ کی زبان مبارک نے دی۔اس لیے کہ جب نجاشی فوت ہوگیا تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا:

اُٹھو اور اپنے بھائی نجاشی کی نماز جنازہ پڑھو"۔

الحدیث(بخاری ،مسلم)

****

اور اہل کتاب کی اس گواہی کو اللہ تعالیٰ نے کفارِ قریش اور دیگر عربوں کے لیے بطور حجت پیش کیا جو انکار پہ تلے کھڑے تھے۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ وَکَفَرۡتُمۡ بِہٖ وَشَہِدَ شَاہِدٌ مِّنۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآئِیۡلَ عَلٰی مِثۡلِہٖ وَاسۡتَکۡبَرۡتُمۡ ○

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ۲ ؛آیات ۱۹)

ترجمہ؛

"اے پیغمبر!ان سے (عربوں سے) کہو کہ وہ غور کریں کہ اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہو اور وہ اس سے انکار کررہے ہوں جب کہ بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ نے اس طرح کی ایک کتاب نازل ہونے کی گواہی بھی دی ہے اور ایمان بھی لایا ہے اور تم مغرور بنے ہوئے ہو تو سوچو ایسی صورت میں تمہارا انجام کیا ہوگا"۔

****

مزید ارشاد ہوا کہ:

اَوَلَمۡ یَکُنۡ لَّهُمۡ اٰیَةً اَنۡ یَّعۡلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ۔

القرآن الحکیم (سورۃ الشعرا۲٦ :آیات ۱)

ترجمہ:

"کیا ان کفار کے لیے یہ نشانی کافی نہیں کہ اِن کو تو علمائے بنی اسرائیل بھی جانتے ہیں"۔

****

عربوں کو اس طرف متوجہ کرنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ خاص طور پہ عرب کاہن اس بات کو جان چکے تھے کہ آسمانوں پہ کوئی اہم فیصلہ کیا جا چکا ہے جس کی وجہ سے اُن کے جن عاجز ہو کر رہ گئے تھے اور آسمانوں پہ پہرے سخت کر دیئے گئے تھے اور شہاب و ثاقب اُن کے جنوں کو بھسم کر رہے تھے۔اگر چہ ابن اسحاق کا یہ بیان بالکل درست ہے کہ عرب بہت صدیوں سے شہاب و ثاقب یا ٹوٹتے ستاروں سے واقف تھے اور بہت سے عرب شعرا نے اِن کا تذکرہ اور مدح بھی کی ہے جیسے کہ عوف بن اجرع، اوس بن حجر اور بشر بن ابی حازم بھی اُن شعرا میں شامل تھے جن کے ہاں شہاب و ثاقب کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔تاہم جب اسلام آیا تو انھوں نے جانا کہ اب شہاب و ثاقب کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اِن کی حرکت میں بہت تیزی اور سختی ہے۔جس کی وجہ سے عرب کاہنوں کے جن آسمانوں سے کوئی خبر نہ اچک سکتے تھے۔

چنانچہ عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں معمر سے اور انھوں نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ ان سے شہاب باری کے متعلق سوال کیا گیا کہ:

کیا عہد جاہلیت میں بھی شہاب و ثاقب برستے تھے۔

تو انھوں نے جواب دیا کہ ہاں۔مگر جب اسلام آیا تو اس میں سختی اور شدت آ گئی اور ان کے اس خیال کی تصدیق قرآن کی اِن آیات سے بھی ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآناً عَجَباً O
يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَداً O وَأَنَّهُ تَعَالَى جَدُّ رَبِّنَا
مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَداً O وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطاً O وَأَنَّا
ظَنَنَّا أَن لَّن تَقُولَ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِباً O وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ
يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقاً O وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنتُمْ أَن لَّن
يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَداً O وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَساً شَدِيداً
وَشُهُباً O وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَن يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ
شِهَاباً رَّصَداً O وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ
رَشَداً O

القرآن الحکیم (سورۃ الجن ۷۲ ؛ آیات ۱۰-۱)

ترجمہ:

"آپ (ﷺ) فرمائیے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بڑے غور سنا ہے کہ قرآن کو جنوں کی ایک جماعت نے پس انھوں نے (جا کر دوسرے جنات کو) بتایا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہ دکھاتا ہے ہدایت کی پس ہم (دل سے) اس پہ ایمان لے آئے ہیں اور ہم ہرگز شریک نہیں بنائیں گے کسی کو اپنے رب کا اور بے شک اعلیٰ وارفع ہے ہمارے رب کی شان نہ اس نے کسی کو اپنی بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا اور (یہ راز بھی کھل گیا ہے کہ) ہمارے کچھ احمق اللہ کے بارے میں ناروا باتیں کہتے رہے اور ہم تو یہ خیال کیے تھے کہ انسان اور جن اللہ کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے اور یہ کہ انسانوں میں سے چند مرد پناہ لینے لگے جنات میں سے چند مردوں کی۔ پس انھوں نے بڑھا دیا جنوں کے غرور کو اور اِن انسانوں نے بھی یہی گمان کیا جیسے تم گمان کرتے ہو کہ اللہ رسول بنا کر کسی کو مبعوث نہیں کرے گا اور سنو! ہم نے ٹٹولنا چاہا آسمانوں کو تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا اور

پہلے تو ہم بیٹھ جایا کرتے تھے اس کے بعض مقامات پر سننے کے لیے۔ لیکن اب جو جن سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لیے کسی شہاب کو انتظار میں اور نہیں سمجھتے (اس کی کیا وجہ ہے) کیا کسی شر کا ارادہ کیا جا رہا ہے زمینوں کے بارے میں یا اِن کے رب نے اِن کو ہدایت دینے کا ارادہ فرمالیا ہے''۔

****

عرب کاہنوں کے جنات کے ساتھ تعلقات ایک معروف بات تھی جس کو عرب اچھی طرح جانتے تھے اور اس امر کا انکار نہ کرتے تھے اس لیے کہ عرب کاہن ہی اہم معاملات میں اُن کی راہنمائی کا ذریعہ تھے۔ جیسا کہ سواد بن قارب کے جن کا تذکرہ پیچھے گزر چکا ہے اور ابن علاط کے جن کا قصہ آگے پیش کیا جائے گا اور یہ دونوں عرب کے نامور کاہن تھے اور بنو زہرہ کی ایک کاہنہ سودا بنت زہرۃ بن کلاب نے تو حضرت آمنہ کو دیکھتے ہی بتا دیا تھا کہ یہ اُس پیغمبر کو جنم دینے والی ہیں جو لوگوں کو ڈر سنائے گا۔

اوپر کی آیات میں جنوں کی جس جماعت نے نبی اکرم ﷺ کی زبان سے قرآنِ مبارک سن کر دین اسلام قبول کیا تھا یہ تعداد میں سات تھے تفاسیر اور مسندات میں اِن کے نام بیان کیے گئے ہیں جو کہ یہ ہیں۔

۱۔ شاصر
۲۔ ماصر
۳۔ ونشی
۴۔ ولاشی
۵۔ الاحقاب

۶۔ سرق

۷۔ جابر۔۔۔[*10]

اوران کے نام ابن ہشام نے ابن درید سے روایت کیے ہیں اور ساتھ ہی یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ:

ابوبکر طاہر الاشبیلی القیسی نے ابوعلی الغسانی سے روایت کرتے ہو کہا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ عازم سفر تھے کہ وہ ایک چٹیل میدان سے گزرے تو انھوں نے ایک مردہ سانپ کو پایا۔حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس سانپ کو اپنی چادر میں لپیٹا اور اسے زمین میں دفن کر دیا۔حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ساتھی نے بیان کیا کہ جب ہم اس سانپ کو دفن کر رہے تھے تب ہم نے یہ آواز سنی کوئی کہہ رہا تھا۔اے سرق یاد کر! رسول اللہ ﷺ نے تیرے بارے میں فرمایا تھا کہ تو ایک چٹیل میدان میں مرے گا اور تجھے ایک مرد صالح دفن کرے گا۔

ہم نے اس بولنے والے کو تلاش کیا مگر کہیں نہ پایا۔

تب ہم نے اسے آواز دی:

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے سوال کیا؟

تو کون ہے؟

تو بولنے والے نے جواب دیا:

کہ ہم جنوں کی اس جماعت سے تھے جنھوں نے اول اول نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے کلام پاک سنا تھا اور اسے اپنے ساتھیوں تک پہنچایا تھا اور ہم سات تھے۔ایک ایک کر کے سب گزر گئے صرف میں (ماصر) اور سرق ہی باقی بچے تھے اور آج سرق بھی چل دیا ہے اور اب میں اکیلا ہی اس جماعت سے باقی بچا ہوں جنھوں نے نبی اکرم ﷺ کی اُس روز زیارت کی تھی۔

اس جماعت میں سے عمرو بن جابر کی موت کا احوال ابن سلام رحمۃ اللہ علیہ نے ابواسحاق السبیعی کی سند سے اپنے شیوخ سے اور انھوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ عازم سفر تھا کہ اچانک تیز ہوا کے ایک بگولے نے ہمارا راستہ روکا۔

پھر ایک اور بگولا آیا جو ذرا بڑا تھا اور وہ دونوں بگولے باہم مل گئے۔ پھر یہ بگولے جدا ہو گئے گرد و غبار بیٹھ گیا تو ہم نے دیکھا کہ وہاں ایک مردہ سانپ پڑا تھا۔ ہم میں سے ایک شخص نے اپنی چادر کے دو ٹکڑے کیے اور ایک حصے میں اس سانپ کو لپیٹ کر زمین میں دفن کر دیا اور وہاں چلے گئے۔

شام کو ہم نے صحرا کے بیچ قیام کیا اور رات گئے جب ہم چاند کی روشنی میں ایک دوسرے کو پرانے قصے سنا رہے تھے تب اچانک ہی ہم نے دو خوبصورت عورتوں کو دیکھا، اُن کا حسن بے انتہا تھا اور لباس سے وہ کسی اور ہی دنیا کی عورتیں لگ رہی تھیں۔

اُن میں سے ایک نے ہم سے سوال کیا تم میں سے عمرو بن جابر کو کس نے دفن کیا ہے؟

ہم نے جواب دیا! ہم تو کسی عمرو بن جابر نہیں جانتے۔

اس پہ وہ مسکرائی اور کہا: ہاں تم اسے کیسے جان سکتے ہو۔

تاہم یہ جان لو کہ آج دن کے وقت تم نے جس سانپ کو دفن کیا تھا وہ ایک جن تھا اور اسی کا نام عمرو بن جابر تھا۔ وہ اس جماعت میں شامل تھا جس نے نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے کلام الٰہی سنا تھا اور ایمان لایا تھا۔ آج فاسق جنات کے ساتھ ایک جنگ میں وہ مومن جنوں کی قیادت کر رہا تھا اور شہید ہو گیا۔

اتنا کہنے کے بعد وہ عورتیں وہاں سے چلی گئیں اور بعض نے یہ کہا کہ اچانک ہی غائب ہو گئیں۔

ابن اسحاق علیہ رحمۃ کہتے ہیں کہ جب آسمانوں سے ٹوٹتے ستاروں کی تعداد میں بے حد اضافہ ہو گیا تب عربوں کا جو قبیلہ سب سے پہلے خوف زدہ ہوا وہ بنو ثقیفہ تھے۔ انھوں نے اس شدت کے ساتھ ستاروں کا ٹوٹنا دیکھا تو وہ عمرو بن امیہ کے پاس آئے اور عمرو بن امیہ اُن کے قبیلے کا ایک صاحبِ دانش فرد تھا۔ لوگوں نے اس سے کہا اے عمرو:

تم نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں سے ستارے کس طرح ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے ہیں اس نے ہاں میں اس امر سے آگاہ ہوں مگر بوڑھا ہو چکا ہوں۔

اس لیے ذرا غور کر کے مجھے بتاؤ کہ ٹوٹنے والے ستارے وہ ہیں جن سے ہم بر و بحر میں راہنمائی حاصل کرتے ہیں یا وہ کوئی اور ہیں۔

اس لیے کہ اگر تو وہ ستارے توڑے جا رہے ہیں جن سے انسان بھلائی کے کام لیتا ہے تب تو جان لو

کہ یہ دنیا بھی عنقریب ہی ختم ہونے والی ہے۔

تب لوگوں نے اسے بتایا کہ نہیں یہ ستارے اور ہیں۔

اس پہ عمرو نے کہا: میں یہ سمجھا ہوں کہ اللہ نے ہماری بہتری کا فیصلہ فرمالیا ہے

ابن اسحاقؒ ہی نے نبی اکرم ﷺ سے یہ روایت بھی کی ہے کہ:

''محمد بن مسلم بن شہاب الزہری نے حضرت علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اور انصار کی ایک جماعت سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہم سے سوال کیا؟

''اے انصار کی جماعت جب تم ستاروں کو ٹوٹتا دیکھتے تھے تو تم کیا کہتے تھے؟

انھوں نے عرض کی! یارسول اللہ ﷺ جب ہم دیکھتے کہ ستارے ٹوٹ کر گر رہے ہیں تب ہم کہتے کہ یا تو کوئی بادشاہ بنا ہے یا کوئی بادشاہ مرا ہے۔

یا کوئی بچہ پیدا ہوا ہے یا کوئی بچہ اس عالم فانی سے رخصت ہوا ہے۔

اس پہ نبی اکرم ﷺ مسکرائے اور فرمایا:

حقیقت یہ نہیں ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے بارے میں کوئی فیصلہ فرماتے ہیں تو اسے حاملین عرش سنتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں پھر ان کی اس دلنواز صدا سے متاثر ہو کے ان سے نچلے آسمان کے فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی مدح سرائی کرتے ہیں پھر ان ملائکہ کا عاشقانہ ترانہ سن کر اس سے نچلے آسمان والے بھی اللہ کی حمد وثنا میں مصروف ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ یہ خبر آسمان دنیا تک پہنچ جاتی ہے اور آسمان دنیا والے فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ پھر ملائکہ ایک دوسرے سے سوال کرتے حتیٰ کہ یہ سوال عرش بریں پہ متمکن فرشتوں تک پہنچ جاتا اور وہ ایک دوسرے کو اطلاع کرتے کہ اللہ رب العزت نے اپنی مخلوق کے بارے میں فلاں فلاں فیصلہ فرمایا ہے۔ پھر یہ خبر اسی ترتیب کے ساتھ ایک ایک آسمان سے نیچے اترنے لگتی ہے اور آسمان زمین تک اترتی چلی جاتی ہے اہل آسمان اس امر کی بابت آپس میں گفتگو کرتے ہیں تو اس گفتگو کے کچھ حصے کو شیاطین بھی سن لیتے اور اس بات کو اپنے کاہن کے کان میں ڈال دیتے اور وہ اس خبر میں بہت

سا جھوٹ شامل کر کے اسے لوگوں کے سامنے بیان کر دیتے۔کبھی اِن کی بات سچ ثابت ہو جاتی اور کبھی وہ خطا کھا جاتے ہیں۔پھر اللہ تعالیٰ نے شہاب وثاقب کے ذریعے اِن شیاطین کو روک دیا اس طرح آج سے کہانت ختم ہوئی۔

ابن اسحاقؒ نے ہی غطیلہ کے جن کا قصہ بھی بیان کیا ہے جو کہ یوں ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ بعض اہل علم نے مجھ سے بیان کیا کہ بنوسہم کی ایک عورت جو عہد جاہلیت کی معروف کاہنہ تھی اور مدینہ کی رہنے والی تھی اس کے قبضے میں ایک جن تھا۔

ایک رات اس کا جن آیا اور غطیلہ سے کہا!

اَدْرِ مَا اَدْرِ یَوْمَ عَقْرٍ وَنَحْرٍ

میں جانتا ہوں میں ذبح کرنے والے اور ہلاک کرنے والے دن کو میں جانتا ہوں جب قریش تک یہ خبر پہنچی تو انھوں نے اس کا مفہوم دریافت کیا۔

کاہنہ نے اُن سے کہا! ابھی انتظار کرو۔

اگلی رات پھر غطیلہ کا جن اس کے پاس آیا اور اس کے قدموں میں بیٹھ کر کہا!

شُعُوبٌ مَا شُعُوبٌ تُصْرَعُ فِیْهِ کَعْبٌ لِجُنُوبٍ۔

وہ درے کیسے درے ہیں جن سے بنی کعب پچھاڑے جائیں گے۔

تاہم غطیلہ نے اہل قریش سے صرف اتنا ہی بیان کیا کہ یہ امر عنقریب رونما ہونے والا ہے۔

چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور اس امر کا انتظار کرنے لگے اور جلد ہی وہ جان گئے کہ غطیلہ کے جن کے اُن الفاظ سے کیا مراد تھا۔

اسلام آیا اور قریش نے اس سے دشمنی کی"۔

اور بدر و احد کے دن جب اِن کے بہت سے سورما تہہ تیغ کیے گئے تب وہ جان گئے کہ کعب ہلاک ہوئے اور انھیں دروں سے ہانکا بھی گیا (یعنی وہ قیدی جو روز بدر مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے)۔

ابن ہشام علیہ رحمۃ کہتے ہیں کہ غطیلہ کا تعلق بنومرۃ بن عبد مناۃ بن کنانہ سے تھا اور عرب انھی کو "**ام الغیاطیل**" کہا کرتے تھے اپنے اس استدلال کے ثبوت میں انھوں نے حضرت ابوطالب

یہ شعر بھی پیش کیا۔

لَقَدْ سَفُهَتْ اَحْلَامُ قَوْمٍ تَبَدَّلُوْا
بَنِیْ خَلَفٍ قَیْضًا بِنَا والغَیَا طِیْلِ

ان لوگوں کی عقل ودانش کا خاتمہ ہوگیا جنھوں نے ہم کواور بنوغطیلہ کو چھوڑ کر بنوخلف کواختیار کرلیا۔

اس کے بعد بنوثقیف کے متعلق ابوجعفر عقیلی نے بنولہب کے ایک شخص سے یہ روایت کی ہے کہ اُن کا ایک شخص تھا جس کا نام لہیب یا لہب تھا وہ فرماتے ہیں کہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور کہانت کا ذکر کیا۔

میں نے عرض کی:

یارسول اللہ ﷺ! ہم پہلے لوگ تھے جنھیں آسمانوں کی حفاظت، شیطان کی رجز وتوبیخ اور ستاروں کے ٹوٹنے کے متعلق علم ہوا۔ تب ہم اپنے کاہن خطر بن مالک کے پاس جمع ہوئے اور اس وقت وہ بہت بوڑھا ہوچکا تھا اور عمر کی تیسری صدی میں داخل ہوچکا تھا۔

ہم نے اس سے کہا!

اے خطر ہمیں بتا یہ ستارے کیوں ٹوٹ رہے ہیں؟

ہم تو اِن کی وجہ سے مضطرب ہیں اور ہمیں اپنے انجام کا خطرہ ہے۔

خطر نے جواب دیا!

اِئْتُوْنِیْ بَسَحَرٍ ۔

وقت سحر میرے پاس آنا۔

اُخْبِرُکُمُ الْخَبَرَ۔

میں تمھیں اس کے متعلق خبر دوں گا۔

اَبِخَيْرٍ اَمْ ضَرَرٌ ۔

کہ اس سے بھلائی مقصود ہے یا برائی ۔

اَوْلِاَمْنٍ اَوْحَذَرٌ ۔

اس سے امن مقصود ہے یا تباہی ۔

چنانچہ اس دن ہم اس کو وہیں چھوڑ کے چلے آئے پھر دوسرے دن سحر کے وقت اس کے پاس آئے اور ہم نے دیکھا کہ وہ اپنے قدموں پہ کھڑا تھا اور ٹکٹکی باندھے آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا ہم نے اسے آواز دی۔

اے خطر!

اس نے اپنی انگلی سے ہمیں خاموش رہنے کا اشارا کیا اسی اثنا آسمان سے ایک بڑا ستارہ ٹوٹا اور کاہن بلند آواز سے چلایا۔اسے ملنے والی سزا مل چکی ہے۔اس سزا نے اس کا احاطہ کر لیا ہے اور اس کا عذاب اسے جلد آ پہنچا۔شہاب نے اس کو جلا دیا ہے۔اس کے جواب نے اسے مضطرب کر دیا ہے۔ہائے ہلاکت اس کی کیا حالت ہو گئی ہے۔اندوہ غم نے اس کو نڈھال کر دیا ہے۔اس کی تباہی لوٹ آ ئی ہے۔اس کا رشتہ منقطع ہو چکا ہے۔اس کی کیفیت بدل چکی ہے۔عرب کاہنوں کو چونکہ صاف بات کرنے کی عادت نہ تھی اس لیے وہ ہر بات سجع میں کرتے تھے جس سے لوگ اپنے مطلب کی بات اخذ کر لیتے۔

اس کے بعد اس نے یہ اشعار پڑھے۔

يَا مَعْشَرَ بَنِىْ قَحْطَان

اُخْبِرُكُمْ بِالْحَقِّ وَالْبِيَانِ

اے بنو قحطان! میں تمھیں سچی اور حقیقت پہ مبنی بات بتاتا ہوں۔

اَقْسَمْتُ بِالْکَعْبَۃِ وَالْاَرْکَانِ
وَالْبَلَدِ الْمُؤْتَمِنِ السُّدَّانِ

میں خانہ کعبہ، اس کے مقدس ارکان اور اس مقدس شہر کی قسم کھاتا ہوں جو اپنے مکینوں کو امن دینے والا ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

لَقَدْ مُنِعَ السَّمْعَ عُتَاۃُ الْجَانِّ
بِثَاقِبٍ بِکَفِّ ذِیْ سُلْطَانِ

کہ سرکش جنات کو آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا ہے اور ایک طاقتور ہاتھ کے ذریعے اُن پہ شہاب مارے جاتے ہیں۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

مِنْ اَجَلِ مَبْعُوْثٍ عَظِیْمِ الشَّانِ
یُبْعَثُ بِالتَّنْزِیْلِ وَ الْقُرْاٰنِ

اور یہ تمام انتظامات ایک عظیم الشان رسول مکرم ﷺ کے لیے ہوئے ہیں جو محترم تنزیل اور قرآن کے ساتھ مبعوث ہوں گے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَبِالْھُدٰی وَ فَاصِلِ الْقُرْاٰنِ
تَبْطُلُ بِہٖ عِبَادَۃُ الْاَوْثَانِ

وہ ہدایت اور فیصلے والی کتاب کے ساتھ تشریف لائیں گے۔ اور ان کی تشریف آواری سے بتوں کی پوجا ختم ہوجائے گی۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

اَرٰی لِقَوْمِیْ مَا اَرٰی لِنَفْسِیْ
اَنْ یَتْبَعُوْا خَیْرَ نَبِیِّ الْاِنْسِ

میں اپنی قوم کو بھی وہی مشورہ دیتا ہوں جسے اپنے لیے اچھا جانتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ سب اُس نبی محترم ﷺ کی اطاعت کریں جو تمام نوعِ انسانی سے بہترین ہیں۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

بُرْهَانُہٗ مِثْلُ شُعَاعِ الشَّمْسِ
یُبْعَثُ فِیْ مَكَّةَ دَارِ الْحُمْسِ

اُن کی دلیل سورج کی شعاعوں کی مانند روشن ہوگی اور وہ مکہ دارِ حمس میں مبعوث ہوں گے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

بِمُحْكَمِ التَّنْزِیْلِ غَیْرَ اللَّبْسِ

وہ ایک ایسی محکم کتاب کے ساتھ مبعوث ہوں گے جس میں التباس کا کوئی اندیشہ نہ ہوگا۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

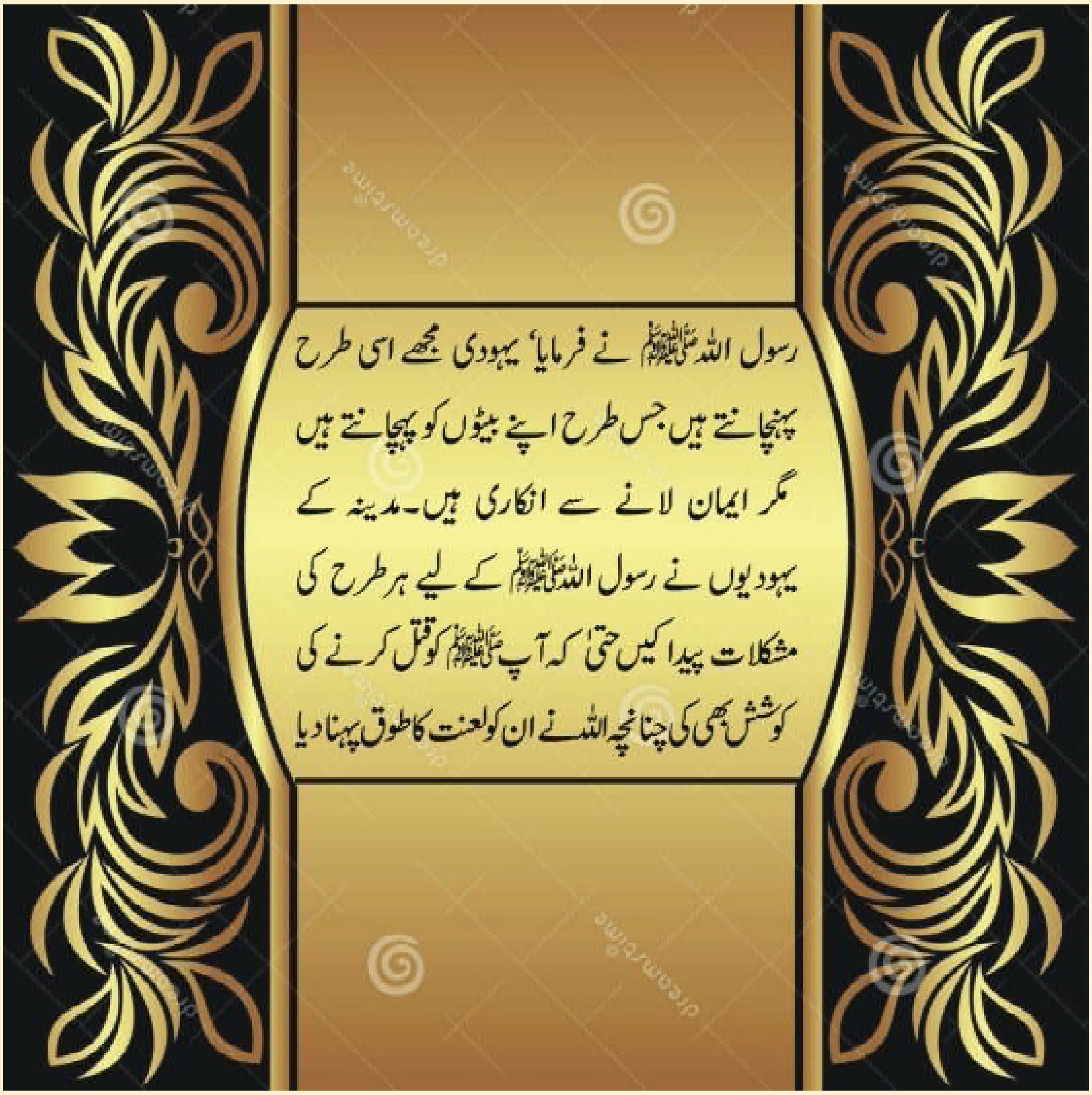
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' یہودی مجھے اسی طرح
پہنچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں
مگر ایمان لانے سے انکاری ہیں۔مدینہ کے
یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ہر طرح کی
مشکلات پیدا کیں حتیٰ کہ آپ ﷺ کو قتل کرنے کی
کوشش بھی کی چنانچہ اللہ نے ان کو لعنت کا طوق پہنا دیا

اہل یہود عربوں میں صاحبِ کتاب قوم کی حیثیت سے ایک خاص اہمیت کے حامل تھے اور عرب کسی حد تک اُن کی تکریم بھی کرتے تھے اس لیے کہ وہ مشرک اور بت پرست تھے اور جانتے تھے کہ اہل یہود دین کے اُس علم سے واقف ہیں جس سے وہ نابلد تھے۔ تاہم بنی اسرائیل کی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تاریخ کے کسی بھی دور میں انھوں نے اپنے اللہ کو راضی نہیں رکھا۔ وہ اللہ کے انبیاء کا انکار کرتے تھے اور اُن کا دین ہمیشہ سے فقط اُن کا نفس رہا تھا جس کی وہ پیروی کرتے تھے۔ عرب کے یہودی شاید دنیا کی اور کسی بھی قوم کی نسبت اس بات سے زیادہ آگاہ تھے کہ نبی مکرم ﷺ کے ظہور کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ تاہم انھوں نے اپنے حسد اور عناد کی وجہ سے نبی مکرم ﷺ کا انکار کیا اور سینکڑوں ایسی روایات موجود ہیں جو اس بات کی گواہ ہیں کہ اہل یہود خاص طور پہ جزیرۃ العرب میں مقیم یہودی تو خاص طور پہ نبی اکرم ﷺ کو جانتے تھے اور قرآن کی زبان میں انھیں ایسے ہی پہچانتے تھے جیسے کہ وہ اپنے بیٹوں

کو پہچانتے ہیں۔مگراس کے باوجود انھوں نے انکار کیا جس کو اُن کی بد قسمتی ہی کہا جا سکتا ہے اگر چہ اُن کے بغض وعناد کی داستان طویل ہے تاہم مثال کے طور پہ چند واقعات یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

چنانچہ مومنین کی ماں حضرت صفیہؓ بیان کرتی ہیں کہ:

میں یہودیوں کے سب سے بڑے عالم کی بیٹی تھی میرے باپ حیی بن اخطب کی یہودی بہت تکریم کرتے تھے اور میرا چچا ابو یاسر بن اخطب بھی کتاب کا عالم تھا۔میرا باپ اور میرا چچا مجھ سے بہت محبت کرتے تھے اور اُن دنوں جب میں اُن کی محبت کے سائے میں پل رہی تھی تبھی اہل مدینہ میں ایک ہلچل مچی۔

لوگوں کے چہرے پہ خوشی اور دبا دبا جوش تھا جسے میں سمجھنے سے قاصر تھی اس لیے کہ میں کم عمر تھی تاہم میں اتنا ضرور جانتی تھی کہ کوئی مبارک ہستی قبا میں اتری ہے جس کا تذکرہ اہل مدینہ کی زبان پر ہے۔

اور میرے باپ اور چچا اُن دِنوں پریشان تھے۔

اگر میں اُن کے سامنے آؤں تب بھی وہ مجھے نظر انداز کرتے اور اپنی باتوں میں مگن رہتے۔اُن کا یہ رویہ میرے لیے اجنبی تھا۔تاہم میں اتنا جان گئی کہ اُن کی پریشانی کا تعلق اسی شخصیت کے ساتھ ہے جو اِن دنوں قبا کے محلے بنی عمرو بن عوف میں مقیم تھی۔

اُن کی باتوں کا محور اپنی کتاب کی وہ بشارتیں اور نشانیاں تھیں جو نبی مکرم ﷺ کی بابت بیان کی گئیں تھیں۔

پھر انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے ملنے کا ارادہ کیا اور اگلی صبح وہ سورج نکلنے سے پہلے ہی روانہ ہو گئے۔میں سارا دن اُن کا انتظار کرتی رہی مگر وہ نہ آئے۔

مگر شام ڈھلے جب وہ آئے تو اُن کے منہ لٹکے ہوئے تھے وہ بہت تھکے تھکے اور مایوس دکھائی دیتے تھے۔

میں اُن کی طرف لپکی مگر انھوں نے جیسے مجھے دیکھا ہی نہ ہو۔

میں دروازے کی آڑ میں ہوگئی۔

میرا چچا ابو یاسر میرے باپ سے کہہ رہا تھا۔

تم اُن کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

میرے باپ حیی بن اخطب نے کہا:

میں نے وہ تمام نشانیاں اُن میں پائی ہیں جو ہماری کتاب میں مذکور ہیں۔

اس کا مطلب ہے کہ اُن کا دعویٰ نبوت سچا ہے۔ابو یاسر نے کہا:

ہاں۔میرے باپ نے آہستہ سے جواب دیا۔

پھر تمھارا کیا ارادہ ہے۔میرے چچا نے پوچھا؟

عداوته واللّه ما بقيتُ

خدا کی قسم! اُن سے عداوت رکھوں گا جب تک کہ زندہ ہوں۔

میرے باپ نے جواب دیا۔

اور میں اُن کے اِس روپ کو نہ پہچان سکی۔

فتح خیبر کے بعد حضرت صفیہ نبی اکرم ﷺ کے نکاح میں آئیں اور مومنین کی ماں کا عظیم الشان لقب حاصل کیا۔

****

ابن قیم نے اپنی کتاب " **هدايه الحيارى** " میں عاصم بن عمرو قتادہ کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ابن الہیبان ایک یہودی عالم تھا۔

وہ شام سے ہجرت کر کے مدینے آیا تھا اور ہم نہیں جانتے کہ ہم نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ نمازی اور پرہیز گار کوئی اور شخص دیکھا ہو۔وہ اس وقت سے مدینے میں تھا جب نبی اکرم ﷺ نے اپنی بعثت کا اعلان بھی نہ فرمایا تھا۔ہم اسے ایک نیک آدمی کے طور پہ جانتے تھے اور اس کی تکریم کرتے تھے۔وہ اپنی کتاب پڑھ کے ہم کو سنایا کرتا تھا جب کبھی ہمارے علاقوں میں قحط شدت اختیار کر جاتا تو ہم اس کے پاس جاتے اور اس سے اپنی پریشانی بیان کرتے۔

وہ ہم سے کہتا کہ صدقہ کرو!

ہم صدقہ کرتے اور وہ ہمارے ساتھ کھلے میدان میں نکل آتا اور اس کے ہاتھ میں اس کی مقدس کتاب ہوتی۔ پھر وہ بارش کے لیے دعا کرتا۔

بار ہا ہم نے دیکھا کہ ابھی ہم اپنے گھروں کو بھی نہ لوٹے ہوتے کہ بادل گھر گھر کے آتے اور خوب برستے اور ہماری پیاسی کھیتیوں کو سیراب کرتے۔

پھر وہ علیل ہو گیا اور بہت دن بیمار پڑا رہا اور جب اُس کے مرنے کا وقت قریب آیا تو اُس نے لوگوں کو اپنے پاس آنے کو کہا:

لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے تو اس نے لوگوں کو اپنا آخری خطبہ دیا۔

اس خطبے کے دوران یہودیوں کے تین کم سن نوجوان بھی ایک کونے میں موجود تھے وہ ایک طرف کھڑے تھے مگر اُن کے کان ابن الہیبان کی طرف لگے تھے اور اُنھوں نے اس کی تمام باتوں کو غور سے سنا۔ اِن نوجوانوں میں سے دو تو ایک یہودی سردار شعبہ کے بیٹے تھے جن کے نام اسد اور ثعلبہ تھے اور تیسرا عبید بن اسد تھا۔

ابن الہیبان کہہ رہا تھا اے گروہ یہود!

کیا تم جانتے ہو کہ میں شام کی سرسبز و شاداب وادیوں کو چھوڑ کر تمھارے اس شہر میں کیوں آبسا جہاں بھوک اور افلاس کے سوا کچھ بھی نہیں؟

لوگوں نے کہا!

اس کی وجہ تو تُو خود ہی بہتر طور پہ جان سکتا ہے۔

تو اس نے کہا! تو سنو۔

میں اس لیے یہاں آبسا تھا کہ مجھے ایک نبی کے ظہور کا انتظار تھا جس کا زمانہ بالکل قریب آ لگا ہے میں خوش قسمت ثابت نہ ہوا کہ اُن کی زیارت کر سکوں اُن کی پیروی کر سکوں۔

اے گروہ یہود! مگر تم کوتاہی نہ کرنا کہ عنقریب وہ یہاں ہجرت کر کے آئیں گے تم اُن کی پیروی کرنا۔

یہودیوں نے ابن الہیبان سے وعدہ کیا کہ وہ اس نبی کی پیروی کریں گے۔

اس کے بعد ابن الہیبان نے نبی اکرم ﷺ کی صفات اور حلیہ بیان کیا۔

اور لوگوں سے کہا!

خیال رکھنا اس معاملے میں تم سے کوئی پہل نہ کرنے پائے۔

لوگوں نے یہ وعدہ بھی کرلیا۔

اس کے بعد ابن الہیبان مر گیا۔

پھر بہت ساوقت گزرا۔

وہ تینوں کم سن نوجوان اب بھر پور جوان تھے جس شب اُن کی گڑھیوں پہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کے ساتھ حملہ کیا۔

اُن نوجوانوں نے ایک دوسرے سے کہا:

کیا تم کو ابن الہیبان کی باتیں یاد ہیں۔

تینوں نے کہا، ہاں!

پھر کس بات کا انتظار کررہے ہو؟ اُن میں سے ایک بولا!

پہلے میں اپنے بڑوں سے بات کرلوں"۔

دوسرا بولا! ٹھیک ہے۔

پھر وہ تینوں اپنے بڑوں کے پاس گئے اور اُن کو ابن الہیبان کی باتیں یاد دلائیں۔ نبی اکرم ﷺ کی صفات گنوائیں۔

اُن کے بڑوں نے انکار کردیا اور ڈھٹائی سے کہا! نہیں یہ کوئی اور ہیں۔

اُن نوجوانوں نے کہا!

بخدا ہم تو انھیں پہچان چکے ہیں اس لیے تم ہمیں نہیں روک سکتے۔ پھر وہ تینوں نیچے اترے اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کے اسلام قبول کیا اُنھوں نے اس بات کی پرواہ بھی نہ کی کہ اُن کے بال بچے اور اموال یہودیوں کے قبضے میں ہیں۔

****

صحابہ کرام میں سے ایسے کئی تھے جو پہلے یہودی تھے پھر اسلام لائے اس لیے وہ یہودیوں کے افعال

سے خوب واقف تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اگرچہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں کمسن تھے اس کے باوجود وہ پڑھنا لکھنا جانتے تھے خاص طور پہ انھوں نے یہودیوں کی کتاب پڑھ رکھی تھی۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کی مدح اور صفات کے بیان میں سورۃ فتح اور سورۃ احزاب کی یہ آیات اتریں تو میں نے جانا کہ میں تو پہلے ہی اُن کو جانتا ہوں۔

اس لیے کہ میں توراۃ میں نبی اکرم ﷺ کی اِن صفات کا پہلے ہی مطالعہ کر چکا تھا۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُعَزِّرُوۡهُ وَتُوَقِّرُوۡهُ وَتُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا ○

القران الحکیم (سورۃ فتح ۴۸ ؛ آیات ۱)

ترجمہ؛

''ہم نے تجھ کو خوشخبری سنانے والا اور ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا ہے تا کہ تم (لوگ) خدا اور اس کے رسول پہ ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اس کی تعظیم کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح کرو''۔

****

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

یٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ‏ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيۡرًا ○

القران الحکیم (سورۃ الاحزاب ۳۳ ؛ آیات ٦)

ترجمہ؛

''اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو گواہ، خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا اور اللہ کی طرف سے اس کے

حکم کی طرف بلانے والا روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے“۔

****

حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں بالکل اسی طرح کی بات نبی اکرم ﷺ کے بارے میں توراۃ میں بھی موجود ہے۔ جسے اہل کتاب اپنے لوگوں سے چھپایا کرتے تھے۔
ارشاد ہوتا ہے کہ:

قال فی توراۃ یٰا یُّھا النبی انا ارسلنك شاھداً و مبشرا و حرز الامیین انت عبدی و رسولی و سمیتك المتوکل لیس بفظٍ و لا غلیظ و لا سحاب بالاسواق و لا یدفع السئیۃ بالسیئۃ و لکن یعفو و یصیفح و لن یقبضہ اللّٰہ حتی یقیم بہ الملۃ العوجاء بان یقوالاالہ الا اللّٰہ فیفۃ بھا اعینا ء میاو اذا ناصما و تلوباً غلفا ۔

ترجمہ:
”اے نبی! میں نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور امیوں کا ماویٰ و ملجا بنا کر بھیجا ہے۔ تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے اور میں نے تیرا نام خدا پہ بھروسہ کرنے والا رکھا ہے وہ سخت اور سنگدل نہ ہوگا اور نہ وہ بازاروں میں شور کرے گا اور نہ وہ برائی کا بدلہ برائی سے دے گا بلکہ وہ عفوودرگزر سے کام لے گا اور خدا اس کی روح اس وقت تک قبض نہ کرے گا جب تک اس کے ذریعے وہ اس کج کو درست نہ کرلے جو لوگوں میں پایا جاتا ہے یہاں تک کہ لوگ کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خدا نہیں پس وہ اس دین سے اندھی آنکھوں بہرے کانوں اور بے فہم دلوں کو کھول دے گا۔

توراۃ (باب۔۹۳)

****

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد خلفاء کے دور میں یہودیوں کے ایک مشہور عالم حضرت کعب رضی اللہ عنہ تھے جواب مسلمان ہو چکے تھے تو اُن سے عطا تابعیؒ نے پوچھا؟

اے کعبؓ! تمھاری کتاب میں نبی اکرم ﷺ کا ذکرِ مبارک موجود ہے۔

حضرت کعبؓ نے جواب دیا: بہت۔

اس کے بعد انھوں نے توراۃ کے کچھ صفات پڑھے جو بنی اسرائیل کے ایک نبی اشعیا کی کتاب میں سے تھے اور جن میں نبی اکرم ﷺ کا ذکرِ بسیط پایا جاتا تھا۔توراۃ میں اللہ کے نبی اشعیا کی یہ خوشخبریاں کچھ تغیر کے ساتھ اب تک موجود ہیں جس پہ یہاں ایک نظر ڈال لینے میں کچھ حرج نہیں [*10]۔

''دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا، میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے، میں نے اپنی روح اس پہ رکھی، وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا۔وہ نہ چلائے گا اور نہ اپنی صدا بلند کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا، وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ پھوڑے گا اور نہ دکھتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا۔وہ عدالت کو جاری کرائے گا کہ دائم رہے اس وقت تک اس کا زوال نہ ہوگا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں۔ خداوند خدا جو آسمانوں کو خلق کرتا ہے اور انھیں تانتا ہے جو زمین کو اور انھیں جو اس سے نکلتے ہیں کھلاتا اور اُن لوگوں کو جو اس پر ہیں سانس دیتا اور ان کو جو اس پر چلتے ہیں روح بخشتا ہے۔یوں فرماتا ہے، میں خداوند نے تجھے صداقت کے لیے بلایا، میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور میں تجھ کو لوگوں کے لیے عہد اور قوموں کے لیے نور بناؤں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور بند ہواؤں کو قید سے نکالے اور اِن کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانے سے چھڑائے یہووا! یہ میرا نام ہے اور اپنی شوکت دوسرے کو نہ دونگا اور وہ ستائش جو میرے لیے ہوتی کھودی ہوئی مورتوں کے لیے ہونے نہ دوں گا۔دیکھو تو ثابت پیش گوئیاں بر آئیں اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں۔اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں خداوند کے لیے ایک نیا گیت گاؤ اے تم جو سمندر پر گزرتے اور تم جو اس میں سے ہو اے بحری ممالک اور اِن کے باشندو تم

زمین پر سرتاسراس کی ستائش کرو۔بیابان اوراس کی بستیاں قیدار کے آباد دیہات میں اپنی آواز بلند کریں گے۔سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے،وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے اور بحری ممالک میں اس کی ثناخوانی کریں گے ،خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی عزت کو اسکائے گا وہ چلائے گا،ہاں وہ جنگ کے لیے بلائے گا،وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہوگا،میں بہت مدت سے چپ رہا!میں خاموش ہورہا اوراپنے آپ کوروکتا گیا،پراب میں اس عورت کی طرح جسے دردزہ ہو چلاؤں گا ،اور ہانپوں گا اور زور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لوں گا،میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کر ڈالوں گا اوراُن کے سبزہ زاروں کوخشک کروں گا اوراُن کی ندیاں بسنے کے لائق زمین بناؤں گا ،اورتالابوں کوسکھادوں گا،اوراندھوں کواس راہ سے کہ جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا،میں انھیں اِن رستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا،میں اِن کے آگے تاریکی کوروشنی اور اونچی نیچی جگہوں کومیدان کردوں گا میں اُن سے یہ سلوک کروں گا اورانھیں ترک نہ کروں گا اور وہ پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیماں ہوں جو کھودی ہوئی مورتیوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے اللہ ہو!سنواے بہرو اور تاکو اے اندھو،تاکہ تم دیکھو کہ اندھا کون ہے،مگرمیرابندہ،اورکون ایسا بہرہ ہے جیسا میرارسول میں بھیجوں گا،اندھا کون ہے،جیسا کہ وہ جو کامل ہے اور خداوند کے خادم کی مانند اندھا کون ہے،تو نے بہت چیزیں دیکھی ہیں،پراُن پر لحاظ نہیں رکھا اور کان تو کھلے ہیں،پر کچھ نہیں سنتا خدواند اپنی صداقت کے سبب راضی ہوا وروہ شریعت کو بزرگی دے گا اوراسے عزت بخشے گا۔

(توراۃ باب ۴۲)

****

یادرہے کہ چونکہ سابق انبیاء پہ اُن کی کتابیں جن زبانوں میں نازل ہوتی رہی ہیں وہ زبانیں اب نابودہوچکی ہیں اس لیے اُن کے ترجموں کی عبارت بھی عام فہم نہیں ہوتی تاہم توراۃ سے بیان کی گئی

ان آیات کی علامہ شبلی نعمانی نے (سیرۃ النبی) میں بہت عمدہ تفسیر کی ہے ہم یہاں اس سے کچھ استفادہ پیش کریں گے تاکہ بنو اسرائیل کے اس سفید جھوٹ کا پول کھل جائے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کو نہیں جانتے۔

وہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت کعبؓ کی پیش کردہ بشارتیں اور قرآن کی متعدد آیات سے جو مفہوم ظاہر ہوتا ہے اُن کو بعینہٖ اِن آیات میں بیان کیا گیا ہے جو حضرت اشعیا پہ نازل ہوئیں تھیں۔

****

جیسا کہ لفظ '' **شاھد** '' ہے۔ یعنی خدا کی طرف سے وہ قوموں کے درمیان عدالت بپا کرے گا اور اس عدالت کا وہ خود گواہ ہوگا۔ اور نبی اکرم ﷺ کی صفت '' **مبشر** '' کے بارے میں بیان ہوا کہ!

وہ (محمد ﷺ) اللہ کے نیک بندوں کو اللہ کی بادشاہی کی خبر پہنچائے گا۔

****

اشعیا کے اس پورے باب میں آنے والے پیغمبر یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کی یہی خصوصیات بیان کی گئیں ہیں یعنی یہ کہ وہ امی ہوں گے اور اُن کی قوم کو اب تک کوئی شریعت نہ ملی ہوگی کہ اس کی شریعت کے ذریعے نبی مکرم ﷺ اندھوں کو اس راہ سے منزل کی جانب لے جائیں گے جن کو وہ نہیں جانتے اور پھر نبی اکرم ﷺ کو میرا بندہ اور میرا رسول کہہ کر پکارا گیا اور یاد رہے کہ یہ قرآن کا مخصوص اسلوب ہے۔ اور اشعیا میں بھی شروع ہی سے نبی اکرم ﷺ کو میرا بندہ اور میرا رسول کہہ کر پکارا گیا ہے۔ یعنی وہ میرا بندہ ہے میرا رسول ہے جس کو میں سنبھالتا ہوں اور وہ مجھ پہ توکل کرتا ہے''۔

اشعیا میں نبی مکرم ﷺ کی یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ کمزوروں اور ضعیفوں کو نہ ستائے گا اور برائی کا بدلی برائی سے نہ دے گا۔ وہ بازاروں میں اپنی آواز بلند نہ کرے گا یعنی وہ متین اور سنجیدہ اور بردبار ہوگا اور ہم نے نبی اکرم ﷺ میں یہ تمام صفات پائی ہیں۔

اور اشعیا میں ہے کہ؛

اللہ تعالیٰ اُن کی روح اس وقت تک قبض نہ کرے گا جب تک کہ وہ اس کج کو سیدھا نہ کرلے جو لوگوں میں پایا جاتا ہے، وہ نہ مسلا جائے گا نہ اس پہ زوال آئے گا جب تک کہ لوگ اس ستائش کو چھوڑ نہ دیں جو ان کے دلوں میں کھودی ہوئی مورتیوں کے بارے میں پائی جاتی ہے۔ نیز لا اِلٰہ الا اللہ کا اقرار نہ کرلیں وہ اپنی شریعت کے ذریعے اندھی آنکھوں بہرے کانوں اور زیر پردہ دلوں کو کھول نہ لے اور انھیں ان امور پہ پشیماں نہ کردے جو انھوں نے کھودی ہوئی مورتیوں کے بارے میں اختیار کر رکھے تھے۔

****

اور ہم جانتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے ایسا ہی کیا۔

اور اشعیا کی یہ پیش گوئی تو حضرت محمد ﷺ پہ حرف بہ حرف پوری اترتی ہے کہ؛ کہ قیدار کے دیہات یعنی بنو اسماعیل کی نسل سے وہ قیدار بن اسماعیل کے خاندان میں پیدا ہوں گے۔ لوگ انھیں خدا کے بندے اور خدا کے رسول کی حیثیت سے پہچان لیں گے اور وہ ایک جنگی مرد کی طرح نکلیں گے اور قریہ قریہ توحید کا اجالا پھیلائیں گے اور قیدار کے دیہہ سے مراد یہاں مکہ ہے جہاں نبی اکرم ﷺ پیدا ہوئے اور لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلایا۔

اور ہم جانتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا۔

****

الشیعا میں آگے ہے کہ؛

''کس نے اس راست باز کو پورب کی طرف سے برپا کیا اور اپنے پالانوں کے پاس بلایا اور امتوں کو اس کے آگے دھر دیا، اور اسے بادشاہوں پہ مسلط کیا کس نے انھیں (کافروں کو) خاک کے مانند اس کی تلوار کے اور اڑتی بھوسی کے مانند اس کی تلوار کے حوالے کیا''۔

****

یہاں بیان کیا گیا کہ؛

وہ راستباز پورب سے نمودار ہوگا، یاد رہے کہ توراۃ کے محاورے میں پورب سے عام طور پہ سرزمین عرب مراد لی جاتی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ پورب یعنی عرب سے نمودار ہوئے۔

****

اور اشعیا میں بار بار نبی مکرم ﷺ کو میرا بندہ میرا رسول کہہ کر مخاطب کیا گیا؛

****

اور یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہو رہا ہے''۔

سُبۡحَانَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ۔

القران الحکیم (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷ ؛ آیات)

ترجمہ؛

پاک ہے وہ خدا جو معراج میں اپنے بندہ کو لے گیا۔

****

پھر فرمایا کہ؛

فَاِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ بقرۃ)

ترجمہ؛

اگر تم کو اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندہ پہ اتارا ہے تو۔

****

ایک جگہ فرمایا کہ؛

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ فرقان)

ترجمہ؛

بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے پہ قرآن اتارا۔

****

پھر ارشاد ہوا کہ؛

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ یَدْعُوْهُ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ جن)

ترجمہ؛

اور جب خدا کا بندہ اس کو پکارتے ہوئے کھڑا ہوا۔

****

تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو میرا بندہ کہہ کر مخاطب کیا ہے چنانچہ اللہ کے نبی اشعیا کی باتیں سچی ہیں۔ اگرچہ بنی اسرائیل نے ہمیشہ اپنے انبیاء کا انکار کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ایک اور

وصف جواشعیا نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سوا اللہ کے کسی اور رسول نے رسول اللہ کے نام سے شہرت نہیں پائی اور مسلمانوں کی زبان پہ پندرہ سو سال سے رسول اللہ ہی چڑھا ہوا ہے اور اپنے عہد میں بھی نبی اکرم ﷺ کو اُن کے اصحاب رسول اللہ ﷺ ہی کہہ کر پکارا کرتے تھے یہانتک کہ عیسائیوں نے بھی اُن کو اسی نام سے پکارا ہے وہ آپ ﷺ کو (The Prophet) کہہ کر پکارتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ چونکہ کائنات کی تمام مخلوقات اور موجودات کی محبت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے بھی حامل ہیں اس لیے قرآن حکیم میں بھی نبی اکرم ﷺ کو جا بجا رسول اللہ کہہ کر پکارا گیا ہے جیسا کہ؛

پھر ارشاد ہوا کہ؛

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ فتح)

ترجمہ؛

محمد (ﷺ) خدا کا رسول اور جو اِن کے ساتھ ہیں۔

****

پھر ارشاد ہوا کہ؛

یَسْتَغْفِرْلَکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ المنافقون)

ترجمہ؛

خدا کا رسول تمھاری مغفرت چاہے ۔

****

پھر ارشاد ہوا کہ؛

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ توبہ)

ترجمہ؛

تمھارے پاس خود تمھاری قوم سے رسول آیا ہے۔

****

پھر ارشاد ہوا کہ؛

اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔۔

ترجمہ؛

القرآن الحکیم (سورۃ حجرات)

تم میں خدا کا رسول ہے۔

****

پھر ارشاد ہوا کہ؛

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ احزاب)

ترجمہ؛

”تمھارے لیے خدا کے رسول کے اسوہ کے اندر اچھی پیروی ہے۔

****

پھر ارشاد ہوا کہ؛

يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ مائدہ)

ترجمہ؛

”اے رسول! جو کچھ تجھ پہ اتارا گیا ہے اس کو لوگوں تک پہنچادے“۔

****

اس کے بعد اشعیا نے میں بیان کیا گیا کہ؛

خدا اُن (نبی اکرم ﷺ) سے کہتا ہے کہ میں نے اپنی روح اس پر رکھی اور اِن الفاظ کی تشریح قرآنِ حکیم میں یوں کی گئی۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوحاً مِنْ اَمْرِنَا۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ شوریٰ)

ترجمہ؛

ہم نے تیری طرف اپنی شان کی ایک روح وحی کی ہے۔

****

پھر ارشاد ہوا کہ؛

نَزَّلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِيْنُ ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ شعراء)

ترجمہ؛

امانت دار روح اس کو لے کر اتری۔

****

پھرارشاد ہوا کہ؛

قُلۡ نَزَّلَهٗ رُوۡحُ الۡقُدُسِ ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ نحل)

ترجمہ؛

کہہ دے کی روح القدس نے اس کو اتارا ہے۔

****

پھراشعیا میں نبی اکرم ﷺ کے عمدہ اخلاق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہا گیا؛

وہ چلائے گا نہ بازاروں میں اپنی صدا بلند کرے گا وہ غریبوں اور مسکینوں کے لیے نرم دل ہوگا اور کمزوروں کو نہ ستائے گا نہ کسی سے اپنا انتقام لے گا۔آج دنیا بھر کے مسلم اور غیر مسلم اس بات کے معترف ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے اخلاق بہت عمدہ ہیں اور اِن کی روشنی میں امت اپنے اخلاق سنوارتی ہے۔صحابہؓ نے بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اکثر و بیشتر خاموش رہتے آپ ﷺ سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے۔بے ضرورت گفتگو نہ فرماتے تھے اور بہت کم ہنستے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے نبی اکرم ﷺ کے اخلاق دریافت کیے تو انھوں نے فرمایا:

تم نے قرآن نہیں پڑھا (کہ ایک مومن کے جیسے اخلاق قرآن میں بیان کیے گئے ہیں نبی ﷺ کے اخلاق اُن کا نمونہ تھے)۔

حضرت حسین بن علیؓ نے اپنے باپ سے نبی اکرم ﷺ کے اخلاق دریافت کیے تو انھوں نے کہا:

آنحضرت ﷺ نہ بدگو تھے نہ بازاروں میں شور کرنے والے تھے اور نہ کسی سے ذاتی عناد رکھتے تھے اور نہ ہی آپ ﷺ نے کسی سے اپنا انتقام لیا ہر چند کہ اہل مکہ نے آپ ﷺ کو خوب ایذا پہنچائی تھی۔

قرآن حکیم نے آپ ﷺ کے اخلاق کی گواہی دی ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ن فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ O

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران ۱۷)

ترجمہ؛

''اور بے شک تو بڑے خلق پر ہے خدا کی رحمت کے سبب سے تُو اُن کے ساتھ نرم ہے اگر تو کڑا اور سخت دل ہوتا تو یہ لوگ تیرے اردگرد سے ہٹ جاتے''۔

****

مزید ارشاد ہوا کہ:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ O

القرآن الحکیم (سورۃ توبہ ۱۶)

ترجمہ؛

''تمھاری قوم سے تمھارے پاس ایک پیغمبر آیا جس کو تمھاری تکلیف شاق گزرتی ہے وہ تمھاری فلاح کا حریص ہے اور مسلمانوں پر مہربان اور رحمت والا ہے''۔

****

حضرت اشعیاء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ؛

کہ آپ ﷺ عدالت قائم کریں گے اور دائم رہیں گے۔

****

جس کی تشریح یہ ہے کہ؛

نبی اکرم ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

****

آپ ﷺ کی شریعت ہمیشہ رہنے والی ہے اور اس کو قیامت تک منسوخ نہ کیا جائے گا اور یہ بھی کہ اُن پہ اس وقت تک زوال نہیں آئے گا جب تک کہ وہ اس کجی کو سیدھا نہ کرلیں یعنی جب تک اُن کی شریعت لوگوں میں قائم نہ ہوجائے اُن کو موت نہ آئے گی۔ چنانچہ آپ ﷺ اس وقت تک اس دنیا فانی سے رخصت نہ ہوئے جب تک کہ آپ ﷺ کی شریعت کو استحکام حاصل نہ ہوگیا۔ چنانچہ حضرت اشیعا کی یہ پیشگوئی قرآنِ حکیم کی اس سورہ کے مطابق ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِیْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا O

القرآن الحکیم (سورۃ نصر)

ترجمہ؛

”جب خدا کی طرف سے نصرت آچکی اور تو نے لوگوں کو گروہ در گروہ دین اسلام میں داخل ہوتے دیکھ لیا تو اس دنیا سے تیری رخصت کے دن قریب آگئے اور اب خدا سے حمد و استغفار میں مصروف ہوجاؤ کہ وہ بہت رحم کرنے والا ہے“۔

****

جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا کہ“۔

اللہ نے اپنے بندے کو اختیار دیا کہ وہ چاہے تو اس دنیا کو قبول کر لے یا دوسری دنیا کا سفر اختیار کر لے تو اللہ کے اس بندے نے آخرت کو پسند کر لیا۔ صحابہؓ فوری طور پہ اِن الفاظ میں چھپے پیغام کو نہ سمجھ سکے۔ تاہم حضرت ابو بکر صدیقؓ سمجھ گئے کہ نبی اکرم ﷺ کیا کہنا چاہتے ہیں اس لیے وہ رونے لگے۔

****

اس کے بعد اشعیاء میں بیان کیا گیا کہ"۔
"تمام بحری ممالک اُن کی شریعت کی راہ تکیں گے"۔

****

اسلام کے سوا کون سا دین سے جو مدینہ سے نکلا تو مشرق و مغرب کی طرف پھیلتا چلا گیا، شمال و جنوب کو اپنی زد میں لیتا چلا گیا اور یہ نبی اکرم ﷺ ہی کی شریعت تھی جو نہر سیحون اور جیحون سے ہوتی ہوئی دجلہ و فرات سے گزری اور بحر روم سے لے کر بحر ہند تک اور وہاں سے بحر ظلمات تک پھیلتی چلی گئی اور شریعت محمدی کے نور سے دور دراز تک کے جزیرے روشن ہو گئے اور انھوں نے زندگی کے اُس اسلوب کو پا لیا جس میں دونوں جہانوں کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔

****

اشعیا میں آگے بیان کیا گیا کہ؛
میں تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا"۔

****

چنانچہ ہم دیکھا کہ جب نبی اکرم ﷺ نے اہل مکہ کو اسلام کی دعوت دی تب غیر تو غیر خود اِن کے اپنے اُن کے دشمن ہو گئے مگر اللہ کی نصرت اور تائید نے ہر لمحہ آپ ﷺ پہ اپنا سایہ قائم رکھا اور دشمن پوری شدت سے مخالفت کے باوجود ناکام رہا اور اللہ کا حکم نافذ ہو کے رہا۔ نبی اکرم ﷺ کامیاب ہوئے اور اُن کے دشمن خائب وخاصر و پشیماں ہوئے اس دوران ہر لمحہ قرآن کی آیات آپ کا حوصلہ بڑھانے کو اترتی رہیں۔

****

بطور مثال چند آیات یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ O

القرآن الحکیم (سورۃ اسراء)

ترجمہ؛

”اور یاد کرواے محمد (ﷺ)! جب ہم نے تم سے فرمایا کہ تمھارے پروردگار نے تم سے لوگوں کو ہر طرف سے روک رکھا ہے کہ وہ تم پر ہاتھ ڈالیں“۔

****

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ؛

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ طور)

ترجمہ؛

”اپنے رب کے حکم کا صبر کے ساتھ انتظار کر کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے“۔

****

پھر فرمایا کہ؛

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔

القرآن الحکیم (سورۃ مائدہ)

ترجمہ؛

''اور تیرا خدا لوگوں سے تیری حفاظت کرے گا''۔

****

بشارات اشعیا میں اس کے بعد ہے کہ؛

''میں تجھ کو لوگوں کے لیے عہد اور قوموں کے لیے نور بناؤں گا تو اندھوں کی آنکھوں کو کھولے گا اور بندھے ہوؤں کو قید سے نکالے گا''۔

****

تاریخ گواہ ہے کہ بشارات کا یہ حصہ بھی کس خوبی کے ساتھ پورا ہوا اور قرآن مجید نے بھی بشارات کے اس حصے کی تصدیق کی ہے اور جا بجا اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ پہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کی کوئی حد نہیں اور نبی اکرم ﷺ نے اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ قرآن حکیم سے کچھ مزید شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔

****

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْباً عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْإِنْجِيْلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ أُنْزِلَ

مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ O قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔

القرآن الحکیم (سورۃ اعراف۷ : ۱۵۷)

ترجمہ؛

”وہ لوگ جو اُن پڑھ فرستادہ پیغمبر کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے ہاں تورات وانجیل میں لکھا پاتے ہیں۔ وہ اُن کو نیکی کا حکم کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور اچھی چیزیں اِن کے لیے حلال کرتا ہے اور بری چیزیں اِن پر حرام کرتا ہے اِن سے اِن کی پابندیوں اور زنجیروں کو جو اِن پر تھیں ہلکا کرتا ہے تو جن لوگوں نے اس کو مانا اور اس کی مدد اور نصرت کی اور اس روشنی کے پیچھے چلے جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے وہی کامیاب ہوں گے کہہ دے اے پیغمبر! لوگوں میں تم سب کے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں“۔

****

قرآن حکیم میں فرمایا گیا کہ؛

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا O

القرآن الحکیم (سورۃ احزاب)

ترجمہ؛

”اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو خوشخبری دینے والا، ہوشیار کرنے والا اور خدا کی طرف سے اس کے حکم کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے“۔

****

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ؛

یَآ اَیُّھَا النَّاس قَدۡ جَآءَ کُمۡ بُرۡھَانٌ مِنۡ رَبِّکُمۡ وَاَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡکُمۡ نُوۡرًا مُّبِیۡنًا○

القرآن الحکیم (سورۃ نساء)

ترجمہ؛

”اے لوگو! تمھارے پاس خدا کی طرف سے دلیل آ چکی ہے ہم نے تمھاری طرف وہ نور اتارا ہے جو ہر چیز کو روشن کرتا ہے“۔

****

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ؛

وَالنُّوۡرَ الَّذِیۡٓ اَنۡزَلۡنَا۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ تغابن)

ترجمہ؛

اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا ہے۔

****

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ؛

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ انبیاء)

ترجمہ؛

اے محمد! ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

****

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ ابراھیم)

ترجمہ؛

یہ کتاب ہے جس کو ہم نے تیری طرف اتارا ہے تاکہ تو لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔

****

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ شوریٰ)

ترجمہ؛

”لیکن ہم نے اُس کو نور بنایا ہے تاکہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں سیدھی راہ دکھائیں اور ہم جس کو چاہیں سیدھی راہ دکھا دیتے ہیں“۔

****

یہ حقیقت ہے کہ یہودی نبی اکرم ﷺ کو اُن کی بعثت کے پہلے روز سے جانتے تھے مگر اُن کا یہ حسد کہ نبوت اُن سے چھین کر یعنی بنی اسرائیل سے لے کر بنی اسماعیل کی طرف منتقل کر دی گئی ہے اُن کو ایک پل چین نہ لینے دیتا تھا اور اسی حسد کے باعث انھوں نے اس ابدی سعادت سے بھی منہ موڑ لیا جس کو لے کر نبی اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تھے۔ خود عربوں میں بھی اس بات کا شعور پایا جاتا تھا کہ کسی بڑی تبدیلی کی داغ بیل ڈالی جا چکی ہے اگرچہ بہت سے لوگوں کو اس کا ادراک نہ تھا مگر اُن

کے صاحبِ دانش جانتے تھے کہ اُن میں نبوت اترنے والی ہے اور وہ اس کی پیروی کرنے والے ہیں۔ دنیا اور آخرت کی فلاح اُن کو حاصل ہونے والی ہے جیسا کہ حضرت عباسؓ نے بیان کیا کہ؛

ایک دفعہ جب وہ تجارتی قافلہ لے کر یمن پہنچے اُن کے ساتھ بہت سے دیگر عرب بھی موجود تھے جن میں ابوسفیان بن حرب بھی شامل تھے۔ ابوسفیان کے بیٹے حنظلہ ابن ابوسفیان نے اپنے باپ کو لکھا کہ مکے میں حضرت محمد ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے۔ یہ خبر فوراً ہی یمن کے تاجروں میں پھیل گئی اور اُن کی مجالس کا اہم موضوع بن گئی۔ یمن میں بہت سے یہودی تھے جو اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اس امر سے آگاہ تھے کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لانے والے ہیں۔ چنانچہ یمن کے یہودی علماء کا ایک وفد ہمارے پاس پہنچا

انھوں نے اس بات کا تذکرہ کیا کہ مکہ میں ایک نبی مبعوث ہوئے ہیں۔

ابوسفیان نے یہودی علماء سے کہا۔

یہ اُن کے چچا بیٹھے ہیں اِن سے پوچھ لیں کہ اصل بات کیا ہے۔

یہودی اس بات سے بہت خوش ہوئے اور انھوں نے اپنا رخ حضرت عباسؓ کی طرف کر لیا۔

ایک یہودی عالم نے حضرت عباسؓ سے کہا!

میں آپ سے آپ کے بھتیجے کے بارے میں چند باتیں جاننا چاہتا ہوں۔

حضرت عباسؓ نے کہا پوچھیں؛ میں آپ کے ہر سوال کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔

یہودی عالم نے کہا:

میں تم سے خدا کے نام پہ پوچھتا ہوں؟ کیا تمھارے بھتیجے میں بچپنا اور شوخی پائی جاتی ہے۔

بالکل نہیں! بلکہ وہ ایک سنجیدہ انسان ہیں"۔

حضرت عباسؓ نے جواب دیا۔

کیا تم نے اُن کو کبھی جھوٹ بولتے دیکھا ہے، یہودی عالم نے پوچھا؟

اس پہ حضرت عباسؓ مسکرائے اور کہا:

اللہ کے بندے وہ تو ہم میں صادق اور امین کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

یہودی عالم نے پوچھا؛ کیا انھوں نے کبھی امانت میں خیانت کی ہے؟

کبھی نہیں! حضرت عباسؓ نے جواب دیا۔

یہودی عالم نے پھر پوچھا؟

کیا تمھارا بھتیجا لکھنا پڑھنا جانتا ہے؟

حضرت عباسؓ کہتے ہیں یہودی عالم کے اس سوال سے میں سوچ میں پڑ گیا دراصل مجھے اس بات سے شرم محسوس ہو رہی تھی کہ میں اس کے جواب میں کہوں کہ وہ ان پڑھ ہیں اور میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ پڑھے لکھے ہیں مگر یہ بھی جانتا تھا کہ ابوسفیان بن حرب جو میرے ساتھ ہی بیٹھا ہوا ہے فوراً اس بات کو پکڑے گا اور مجھے جھٹلائے گا۔ اس لیے میں نے آہستہ سے کہا:

وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ وہ یہودی سخت گھبرا گیا اور اس حالت میں اٹھا کہ اپنی چادر تک کو نہ سنبھال سکا۔

میں اس کے رویے پہ حیران ہوا۔

میں نے اس سے پوچھا؟ کیا ہوا!

اس نے میرے سوال کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ اپنا رخ دوسرے یہودیوں کی طرف کر لیا اور اُن سے کہا :

نوحہ کرو! کہ تم تباہ ہو گئے نبوت بنو اسحاق سے رخصت ہو گئی۔

اس کے بعد تمام یہودی خاموشی اٹھے اور بغیر کوئی بات کیے خاموشی سے چلے گئے۔

ہم پھر سے اپنی تجارتی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے۔ جب ہمارا قافلہ واپس آ رہا تھا۔

تو ابوسفیان نے مجھے پکارا اور کہا:

اے ابوالفضل (حضرت عباس کی کنیت ابوالفضل تھی)۔

یہودی تمھارے بھتیجے سے بہت ڈرتے ہیں۔ میں نے اُن کے چہروں پہ ہوائیاں اڑتی دیکھی ہیں کیا تم بھی اپنے بھتیجے پہ ایمان لے آؤ گے۔

حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کی اس بات کے جواب میں کہا!

شاید تم بھی اُن پہ ایمان لے آؤ۔

ابوسفیانؓ نے غصے سے کہا! بخدا جب تک میں کدا کے مقام پہ اُن کا لشکر نہ دیکھ لوں ان پہ ایمان نہیں

لاؤں گا۔

مجھے یقین ہے کہ ابرہہ کے بعد اب کوئی لشکر کبھی کدا(مکہ کے قریب ایک مقام) پہ چڑھائی نہ کر سکے گا۔

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں اس کی بات سن کر چپ ہو رہا۔

پھر بہت سے برس بیت گئے۔

اور نبی اکرم ﷺ ایک لشکر جرار لیے کدا کے مقام پہ اترے۔

اس شام جب نبی اکرم ﷺ کے لشکروں سے اٹھنے والی روشنیوں سے مکہ روشن ہو رہا تھا تب میں نے ابوسفیان کو دیکھا اور میں نے اُن کو بازو سے پکڑ لیا۔

اور اُن سے کہا!

اے ابوسفیان! یمن سے واپسی پہ جو بات تم نے مجھ سے کہی تھی وہ تجھے یاد ہے۔

اس نے کہا! ہاں مجھے یاد ہے۔

پھر تمھارا کیا خیال ہے۔ابوسفیان نے کہا:

میں چاہتا ہوں کہ اُن پہ ایمان لے آؤں۔مگر سمجھ نہیں آتی کہ اُن کا سامنا کس طرح کروں۔

یاد رہے کہ ابوسفیان نے نبی اکرم ﷺ سے واضح دشمنی کا ثبوت دیا تھا اور اُن کے خلاف جنگیں لڑیں تھیں۔

حضرت عباسؓ نے اُن سے کہا:

تم کوئی غم نہ کرو وہ بہت نرم دل ہیں تم میرے ساتھ چلو۔

چنانچہ حضرت عباسؓ ابوسفیان کو ساتھ لے کر نبی اکرم ﷺ کے خیمے میں پہنچے تو آپ ﷺ نے اُن کو معاف کر دیا اور ابوسفیانؓ نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت ابن سلمہ بن سلامہؓ نے بیان کیا کہ میں اس وقت بچہ تھا جب اہل مدینہ کا ایک یہودی ہم کو اکٹھا کر کے روز محشر کے واقعات بیان کیا کرتا تھا۔

وہ یہودی عالم لوگوں سے کہا کرتا کہ؛

کہ لوگو! ہوشیار ہو جاؤ۔ موت کے بعد تم کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ہر شخص کو اس کی نیکی اور برائی کی جزا دی جائے گی۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک اعمال کیے ہوں گے وہ اللہ کی رضا سے جنت میں جائیں گے اور برے اعمال والے لوگوں کو جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

حضرت سلمہؓ بن سلامہؓ کہتے ہیں کہ چونکہ ہم بت پرست تھے اس لیے اس کی باتوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ تاہم اس یہودی عالم نے ہماری مخالفت اور ناپسندیدگی کی پرواہ نہ کی اور وہ مختلف مقامات پر لوگوں کو اس طرح کی باتیں کہتا رہا۔

ایک بار اسی طرح وہ لوگوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرا رہا تھا تب میں بھی اس محفل میں موجود تھا۔

کسی نے اس سے پوچھا؟ تیرا برا ہو کیا تو اس دور کی کسی علامت اور نشانی کو جانتا ہے۔

تو اس یہودی عالم نے جواب دیا"۔ ہاں!

اور اپنی انگلی سے مکہ کی طرف اشارہ کر کے کہا ایک نبی مکہ میں مبعوث ہوگا اور اپنے ساتھ کتاب لائے گا۔

لوگوں نے پوچھا کیا ہم اس کا زمانہ پائیں گے؟

اس نے کہا:

شاید یہ بچہ جب جوان ہو تب وہ نبی مبعوث ہوں گے اور میرا خیال ہے کہ یہ بچہ اُن کو دیکھے گا اور اس یہودی کا عالم کا اشارہ حضرت سلمٰی بن سلامہؓ کی طرف تھا۔

حضرت سلمہ بن سلامہؓ فرماتے ہیں کہ؛

پھر دن اور رات اسی طرح گزرتے رہے وہ یہودی عالم اپنی دعوت میں مصروف رہا اور ہم بت پرستی کی طرف مائل رہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی نبوت کو ظاہر کر دیا۔ چونکہ اس یہودی عالم کی باتوں کی وجہ سے ہم نبی اکرم ﷺ کو جانتے تھے پہچانتے تھے اس لیے ہم نے دیر نہ لگائی اور نبی اکرم ﷺ کی دعوت کو قبول کر کے ایمان میں داخل ہو گئے، حضرت سلمہؓ بن سلامہؓ نبی اکرم ﷺ کے اُن جانباز ساتھیوں میں شامل تھے جنھوں نے بدر کے روز کفارِ قریش کا منہ توڑ کے رکھ دیا تھا۔

حضرت سلمہؓ بن سلامہؓ فرماتے ہیں اب وہ یہودی عالم ہمارے پڑوس میں رہتا تھا اور ابھی تک زندہ تھا ایک دن میں نے اس کو پکڑ لیا اور اس سے پوچھا؟

تیرا برا ہو!

تو ہم کو ڈراتا رہا اور نبی اکرم ﷺ کی طرف بلاتا رہا اور جب وہ تشریف لائے تو تم نے اُن پہ ایمان لانے سے انکار کر دیا تو اس یہودی عالم نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

کہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ اِن کے بارے میں نہیں تھا[12*] ۔

****

اسی طرح کا ایک واقعہ عمرابن عنبسہ نے بھی بیان کیا ہے۔جسے علامہ علی ابن برہان الدین حلبی نے سیرت حلبیہ میں بیان کیا ہے۔عمرو بن عنبسہ سلمٰی نے کہا کہ میں عہد جاہلیت میں بتوں کی پوجا سے بے زار ہو گیا تھا اور میں اپنی قوم کی جہالت پہ حیران تھا۔اُن کا عجب حال تھا کہ جب لوگوں کا کوئی قافلہ کسی جگہ اتر کر پڑاؤ کرتا تو ان میں سے کوئی شخص تین پتھر اٹھالاتا ان میں سے جو بہتر ہوتا اس کو معبود بنالیتا اور باقی پتھروں کو استنجا کے لیے رکھ لیتا۔میں اِن کے اس طرح کے اعمال سے پریشان اور بے زار تھا۔میرا دل اس بات کی گواہی دیتا تھا کہ اصل میں حقیقت کچھ اور ہے یہ بت پرستی باطل اور بکواس ہے۔بھلا کوئی پتھر ہمارے نفع ونقصان کا ذمہ دار کیسے ہو سکتا ہے۔چنانچہ میں نے حقیقت جاننے کا قصد کیا اور یمن کے ایک یہودی عالم کے پاس جا پہنچا اور اس سے کہا؛

میں اپنی قوم کے اعمال وافعال سے بے زار ہوں کیا تو مجھے کوئی بہتر بات بتا سکتا ہے؟

یہودی عالم نے میری طرف دیکھا اور کہا:

جا چلا جا اور اس نبی کا انتظار کر جو مکہ میں مبعوث ہونے والا ہے۔

میں اس کے پاس سے چلا آیا۔تاہم میرا معمول تھا کہ جب بھی کوئی قافلہ مکہ سے آتا تو میں اُن سے ضرور ملتا اور اُن سے پوچھتا تم نے اپنے ہاں کوئی نئی بات دیکھی ہے؟

وہ انکار میں سر ہلا دیتے۔

اسی طرح بہت سے برس بیت گئے۔

پھر اہل مکہ کا ایک قافلہ ہمارے ہاں اترا اور میں اپنی سواری پہ وہاں جا پہنچا:

میں نے اہل مکہ سے پوچھا؟

کیا تم نے اپنے ہاں کوئی نئی بات دیکھی ہے۔

انھوں نے جواب دیا نہیں۔ البتہ ایک شخص نے کہا ہمارے ہاں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ بتوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہے۔

عمر ابن عنسبہ کہتے ہیں کہ میں وہیں سے مکے کی طرف روانہ ہو گیا کیونکہ وہ خبر جس کا میں نے برسوں سے انتظار کیا تھا مجھے مل چکی تھی اور میری بے چینی حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔

میں مکہ پہنچا اور نبی اکرم ﷺ سے ملاقات کی۔

نبی اکرم ﷺ نے کہا:

میں اللہ کا رسول ہوں اور میں کہتا ہوں کہ تمھیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے جو تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، میں خون ریزی بند کرانے کے لیے اور بتوں کو توڑنے کے لیے آیا ہوں، میں تم کو رشتہ داروں کی خبر گیری کا حکم دیتا ہوں اور مسافروں کو لوٹنے سے منع کرتا ہوں۔

میں نے اُن کی دعوت کو غور سے سنا اور صدق دل سے دین اسلام پہ ایمان لے آیا۔

میں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ تو بہت حلیم اور نرم طبیعت کے ہیں مگر لوگ اُن کے خلاف غیظ و غضب سے بھرے ہوئے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ پہ ایمان لانے کے بعد میں نے آپ سے مشورہ کیا۔ کیا میں اُن کی مدد کے لیے اُن کے پاس ہی رکوں یا واپس چلا جاؤں۔

نبی اکرم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں فی الحال واپس چلا جاؤں اور جب تم یہ خبر سنو کہ میں مکہ سے کہیں چلا گیا ہوں تب تم میرے پاس آجانا۔

میں واپس چل آیا اور اپنے دین پہ مضبوط رہا۔

تا آنکہ میں مجھے خبر پہنچی کہ نبی اکرم ﷺ مدینے پہنچ گئے ہیں۔

میں نے پھر سے رخت سفر باندھا اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جا حاضر ہوا۔

میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے پہچانا ہے؟

ہاں میں تمھیں پہچانتا ہوں تم نے مکہ آکر اسلام قبول کیا تھا"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

یہود و نصاریٰ کی بدبختی پہ حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے
جانتے پہچانتے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار کر دیا اور
اپنے لیے دنیا و آخرت کی ذلت خرید لی۔ سابقہ کتابوں میں
رسول اللہ ﷺ کی آمد اور آپ ﷺ کی عادات و صفات کا
بسیط تذکرہ موجود ہے جس سے وہ آگاہ تھے۔

عیسائی عالموں کی پیش گوئیاں

یہودیوں کی طرح عیسائی عالم بھی نبی اکرم ﷺ کی آمد سے پوری طرح باخبر تھے اور وہ نبی مکرم ﷺ کی علامات اور صفات سے بخوبی واقف تھے۔اسی لیے جب نبی اکرم ﷺ نے حبشہ کے عیسائی بادشاہ نجاشی کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے فوراً ہی اس کو قبول کر لیا تھا۔اِن کے علاوہ بھی مورخین کے ہاں عہد قدیم کے کئی حکمرانوں کا سراغ ملتا ہے جو نبی اکرم ﷺ کی آمد سے واقف تھے اور وہ نبی اکرم ﷺ سے عقیدت و محبت رکھتے تھے کیونکہ اُن کی کتابوں میں نبی اکرم ﷺ کی صفات واضح طور پہ بیان کی گئی تھیں جس کی بنا لوگ آپ ﷺ کی آمد سے پہلے ہی آپ ﷺ کے ظہور کے منتظر تھے۔ اِن میں سے خاندانِ تبع کے کئی بادشاہوں کے احوال ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔یاد رہے کہ عیسائیوں کی کتاب کو جن لوگوں نے مرتب کیا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھی نہ تھے، بلکہ وہ تو عیسائی بھی نہ تھے بلکہ یہودی تھے اور انھوں نے عیسائیت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب مرتب کرنے

والوں کے پاس وہ سریانی نسخہ موجود ہی نہ تھا جو آپ پہ اترا تھا۔

ستر سال اسی طرح گزر گئے۔

پھر کچھ لوگوں نے محض یاداشت کی بنا پہ انجیل مرتب کرنا شروع کی۔

کچھ لوگوں کو یہ انجیل پسند نہ آئی تو انھوں نے ایک اور کتاب مرتب کر لی اور اسے الہامی کتاب قرار دے دیا گیا۔ پھر کچھ صدیاں گزریں تو ایک اور کتاب سامنے آ گئی۔ اس طرح کچھ ہی عرصہ میں چار ایسی کتابیں سامنے آ گئیں جن کے مصنفین کا دعویٰ تھا کہ میری کتاب ہی وہ اصل کتاب ہے جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہ اتارا گیا تھا۔

آج ہمارے سامنے چار انجیلیں ہیں۔

جن کے نام متی، مرقس، لوقا اور یوحنا بیان کیے جاتے ہیں۔ اور اِن میں سے کوئی بھی کتاب ۷۰ء سے پہلے کی نہیں ہے۔

جب انھوں نے اپنی کتاب کی یہ حالت کر دی تب اگر اس میں نبی اکرم ﷺ کا تذکرہ نہ بھی ملتا تب بھی کوئی ایسی حیرت کی بات نہ تھی۔ مگر حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اپنی کتاب کے ساتھ عیسائیوں کے اتنے برے سلوک کے باوجود بھی اُنھیں کی مرتب کی ہوئی اِن کتب میں بھی نبی اکرم ﷺ کا نہ صرف تذکرہ موجود ہے بلکہ بشارتیں اور آپ ﷺ کی دیگر صفات تک موجود ہیں۔ یہاں اُن کی کتابوں سے چند ایسی آیات پیش کی جاتی ہیں جو اُن کی قطع و برید کے باوجود آج تک اُن کی کتابوں میں موجود ہیں۔

****

☜ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا جو ابد تک تمھارے ساتھ رہے گا۔

(انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت نمبر ۱۶۔۱۷)

****

☜ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں''۔

(انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت نمبر ۳۱)

****

☜ لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمھارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کی روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گی اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔

(انجیل یوحنا باب ۱۵ آیت نمبر ۲۷۔۲۸)

****

☜ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں میرا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمھارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمھارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آ کر دنیا کو راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصووار ٹھہرائے گا۔

(انجیل یوحنا باب ۱۶ آیت نمبر ۹۔۸)

****

☜ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے لیکن وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا۔

(انجیل یوحنا باب ۱۶ آیت نمبر ۱۳۔۱۴)

****

مسلمانوں نے جب فلسطین فتح کیا تو انھیں وہاں اناجیل کے چند ایسے نسخے ملے جو عربی میں تھے اس لیے کہ وہاں کے عیسائی انجیل کو سریانی سے بلاواسطہ عربی میں منتقل کرتے تھے جب کہ دوسرے لوگ پہلے یونانی زبان کو اختیار کرتے اس کے بعد کسی اور زبان میں اس کا ترجمہ کیا جاتا۔ فلسطین سے دریافت شدہ ایک نسخے میں تو نبی اکرم ﷺ کا نام تک مذکور ہے۔

”فَلَوْ قَدْ جَاءَ الْمُنْحَمَنَّا هٰذَا الَّذِیْ یُرْسِلُهُ اللّٰهُ اِلَیْکُمْ مِّنْ عِنْدِ الرَّبِّ رُوْحِ الْقُدْسِ هٰذَا الَّذِیْ مِنْ عِنْدِ الرَّبِّ خَرَجَ فَهُوَ شَهِیْدٌ عَلَیَّ وَاَنْتُمْ اَیْضاً لِاَنَّکُمْ قَدِیْمًا کُنْتُمْ مَعِیَ فِیْ هٰذَا قُلْتُ لَکُمْ لِکَیْ مَا لَا تَشْکُوْا“۔

ترجمہ:

”اور جب منحمنا (مراد محمد رسول اللہ ﷺ ہے کہ منحمنا بھی اُن کا ہی نام ہے) آئے گا جسے اللہ تعالیٰ رسول بنا کر بھیجے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئے گا تو وہ میری سچائی کا گواہ ہوگا اور تم بھی میری سچائی کے گواہ ہو کیونکہ تم عرصہ دراز سے میرے ساتھ ہو میں نے تم سے یہ باتیں اس لیے کہی ہیں تا کہ تم شک میں مبتلا نہ ہو جاؤ“۔

(انجیل یوحنا باب ۱۵ آیت نمبر ۲۶۔۱۵)

****

منحمنا سریانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں محمد (ﷺ)۔
مدتوں یہی صورت حال قائم رہی پھر صدیوں بعد جانے کہاں سے ایک اور انجیل برناباس [13*] سامنے آگئی۔ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی درجنوں روائتیں موجود ہیں جن میں انھوں نے نام لے کر نبی اکرم ﷺ کی بشارت دی ہے اور اپنے پیروکاروں کو پوری تاکید کے ساتھ اُن کی پیروی اختیار کرنے کی رغبت دلائی ہے۔ برناباس اور سینٹ پال کی باہمی مخاصمت کی داستان دلچسپی سے خالی نہیں اس لیے کہ اس دور میں عیسائیت نے کئی شکلیں بدلیں۔ ہم محمد کرم شاہؒ کی کتاب "**ضیا النبی**" سے یہاں ایک اقتباس نقل کر رہے ہیں جو اس مسئلے پہ بھرپور روشنی ڈالنے میں مدد ثابت ہو گا۔

"ابتداء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار اپنے آپ کو یہود سے الگ کوئی امت تصور نہیں کرتے تھے۔ نہ اِن کی علیحدہ عبادت گاہیں تھیں لیکن یہودی انھیں شک وشبہہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کی حقیقت آپ کی فطرت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کا تعلق ان کے پہلے ماننے والوں کے نزدیک قطعاً وجہ نزاع نہ تھا۔ سب آپ کو انسان اور اللہ کا برگزیدہ بندہ سمجھتے تھے۔ اس وقت عیسائی یہودیوں سے بھی زیادہ توحید پرست تھے یہاں تک کہ سینٹ پال نے عیسائی مذہب قبول کیا۔ اس طرح عیسائیت میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا جس کے نظریات اور معتقدات کا منبع انجیل یا حضرت مسیح کے اقوال نہ تھے بلکہ اس کی ذاتی سوچ بچار کا نتیجہ تھے۔ پال یہودی تھا وہ طرطوس کا باشندہ تھا۔ وہ کافی عرصہ روم میں رہا تھا اور ان کے فلسفہ اور مشرکانہ عقائد سے بہت متاثر تھا۔ اس لیے اس نے عیسائیت کو اسی مشرکانہ سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جو عوام کو بہت پسند تھا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اپنے مذہب کی ترقی اور اشاعت کے لیے برناباس اور سینٹ

پال نے کچھ عرصہ ایک ساتھ کام کیا لیکن امراؤ رؤسا کے مابین اختلاف کی خلیج بڑھتی رہی۔ پال نے حلال وحرام کے بارے میں موسوی احکام کو بالائے طاق رکھ دیا۔ نیز ختنہ کی سنت ابراہیمی کو بھی نظر انداز کر دیا تو برناباس کے لیے اس کے ساتھ مل کر کام کرنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ وہ دونوں الگ ہوگئے۔ پال کو عوام الناس کی تائید کے علاوہ حکومت کی ہمدردیاں بھی حاصل تھیں اس لیے اس کے پھیلائے ہوئے عقائد کو لوگوں نے دھڑا دھڑ قبول کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح برناباس اور اس کے ساتھی پس منظر میں چلے گئے۔ بایں ہمہ چوتھی صدی عیسوی تک برناباس کے ہم عقیدہ لوگ کافی تعداد میں موجود تھے جو خدا کو باپ کی حیثیت سے نہیں بلکہ مالک الملک اور قادر مطلق کی حیثیت سے عبادت کرتے تھے۔ اس وقت بشپ پال کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے بلکہ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ انطاکیہ کا دوسرا بشپ جس کا نام (Lucian) تھا جو تقویٰ اور علم میں بڑی شہرت کا مالک تھا وہ بھی تثلیث کے عقیدے کا سخت مخالف تھا۔ اس نے انجیل سے ایسی عبارتیں نکال دیں جن سے تثلیث ثابت ہوتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ جملے بعد میں بڑھائے گئے ہیں اس کو 312ء میں شہید کر دیا گیا۔ بشپ (Lucian) کے بعد اس کے شاگرد (Arius) نے توحید کا پرچم بلند کیا اسے کئی بار سرکاری کلیسا میں اعلیٰ عہدے پہ فائز کیا گیا اور کئی بار اس سے یہ عہدہ چھین لیا۔ گیا تاہم (Arius) نے اِن باتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے مشن کو جاری رکھا۔ اگرچہ کلیسا کی مخالفت آسان کام نہ تھا تاہم (Arius) نے اُن کے مشرکانہ عقائد کی ڈٹ کے مخالفت کی اور لوگ جوق در جوق اس کے نظریات قبول کرتے چلے گئے۔ اسی اثناء میں دو ایسے واقعات رونما ہوئے جنھوں نے یورپ کی تاریخ بدل کر رکھ دی۔ شاہ قسطنطین جس نے یورپ کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا تھا اس نے عیسائیت قبول کیے بغیر اس کی مدد شروع کر دی۔ لیکن عیسائی فرقوں کے باہمی اختلافات نے اسے سراسیمہ کر دیا۔ شاہی محل میں بھی یہ نظریاتی کشمکش زوروں پہ تھی۔ مادر ملکہ تو پال کے نظریات کی حامل تھی جب کہ بادشاہ کہ بہن اریس کی معتقد تھی۔ بادشاہ کے پیش نظر تو صرف ملک میں امن وامان کا قیام تھا اور اس کی صرف یہ صورت تھی کہ سارے فرقے ایک کلیسا کو

قبول کرلیں۔ایریس اور بشپ الیگزینڈر کی مخالفت روز بروز شدت اختیار کرتی جارہی تھی اور بادشاہ کے لیے مداخلت ناگزیر ہوچکی تھی۔چنانچہ ۳۲۵ء میں نیقیا کے مقام پر ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔متواتر کئی روز تک اس کے اجلاس ہوتے رہے مگر کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔تاہم بادشاہ نے امن وامان کی خاطر کلیسا کی حمایت کرنا ضروری سمجھا اور اس نے (Arius) کو جلا وطن کردیا اس طرح توحید کی بجائے تثلیث کا عقیدہ ملک کا رسمی مذہب بن گیا اور کلیسا کی منظور شدہ انجیل کے علاوہ کوئی اور انجیل اپنے پاس رکھنا بڑا جرم قرار دے دیا گیا۔سرکاری انجیل کے علاوہ دیگر سینکڑوں انجیلوں کو نظر آتش کردیا گیا۔تاہم شہزادی قسطنطانین کو یہ بات پسند نہ آئی اور اس کی کوششوں سے آخر 343ء کو (Arius) واپس بلالیا گیا اور جب وہ فاتحانہ قسطنطنیہ میں داخل ہورہا تھا تب اس کی موت واقع ہوگئی۔بادشاہ نے اسے قتل عمد قرار دیا اور اس جرم کی پاداش میں اسکندریہ کے بشپ کو اس کے دوساتھیوں سمیت جلاوطن کردیا گیا۔

اس کے بعد بادشاہ نے (Arius) کے ایک معتقد کے ہاتھ عیسائیت کا مذہب قبول کرلیا جس کے بعد توحید ہی کو ریاست کا سرکاری مذہب قرار دے دیا گیا۔341ء میں انطاکیہ میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں (Arius) کے نقطہ نظر کو عیسائی مذہب کا بنیادی عقیدہ قرار دے دیا گیا۔پھر 359ء میں سینٹ جیروم نے لکھا (Arius) کا مذہب مملکت کے تمام باشندوں نے قبول کرلیا ہے۔پھر پوپ ہونوریس (Honorius) نے بھی اس عقیدے کی تائید کی یاد رہے کہ (Honorius) نبی اکرم ﷺ کا عم عصر تھا اور یہ وہی زمانہ تھا جب مکہ میں نبی اکرم ﷺ کو نبوت عطا کی گئی۔کیونکہ مورخین نے بیان کیا ہے کہ (Honorius) نے 638ء میں وفات پائی۔اس کے بعد 680ء میں تثلیث کے حق میں پھر ایک لہر اٹھی۔قسطنطنیہ میں پھر ایک اجلاس ہوا جس میں پوپ (Honorius) کو مطعون اور مردود قرار دے دیا گیا اور اس کے نظریات کو مسترد کردیا گیا۔اگرچہ عیسائی دنیا تثلیث کو ایک مسلمہ اصول کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں مگر اس کے باوجود آج بھی اُن میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پہ قائم ہیں۔325ء تک برناباس کی انجیل مستند تصور کی جاتی رہی۔پھر (Iranaeus) نے جب سینٹ پال کے مشرکانہ عقائد کے

خلاف مہم شروع کی تو اس نے برناباس کی انجیل سے بکثرت استدلال کیا۔اس سے پتا چلتا ہے کہ پہلی دوصدیوں میں یہ انجیل معتبر تصور کی جاتی تھی اور دین کے بنیادی مسائل ثابت کرنے کے لیے اس کی عبارتوں کو بطور حجت پیش کیا جاتا تھا۔لیکن 325ء میں جو کانفرنس نیقیا میں منعقد ہوئی اس میں یہ طے پایا کہ عبرانی زبان میں جتنی انجیلیں موجود ہیں ان سب کو ضائع کر دیا جائے اور جس کے پاس بھی عبرانی کی کوئی انجیل ملے اس کی گردن اڑا دی جائے۔اس کے بعد 383ء میں پوپ نے انجیل برباناس کا نسخہ حاصل کیا اور اپنی ذاتی لائبریری میں اسے محفوظ کر لیا۔پھر زینو بادشاہ کے دور حکومت میں برباناس کی قبر کھودی گئی اور انجیل کا وہ نسخہ جسے اس نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا وہ اس کے سینے پہ پڑا ہوا ملا گیا۔پوپ (Siritus) کا ایک دوست تھا جس کا نام مورخین نے (Framarino) بیان کیا ہے اسے پوپ کی لائبریری سے برناباس کا یہ نسخہ مل گیا (Framarino) کو اس کی تحریروں سے بڑی دلچسپی تھی کیونکہ اس نے (Iranaeus) کا مطالعہ کر رکھا تھا جس میں اس نے برناباس کی انجیل کے بکثرت حوالے پائے تھے۔چنانچہ اطالوی زبان میں لکھا گیا یہ نسخہ مختلف لوگوں سے ہوتا ہوا ایسٹرڈم کی ایک مشہور و معروف ہستی کے پاس پہنچا وہاں سے یہ پرشیا کے بادشاہ کریمر کو مل گیا۔کریمر سے برناباس کا یہ مسودہ سیوے کے ایک علم دوست شہزادے کے ہاتھ لگا جس کا نام (Eugene) تھا اور یہ نسخہ اس نے 1713ء میں حاصل کیا تھا اور آج تک برناباس کا یہ نسخہ اس کی ذاتی لائبریری میں وائنا میں موجود ہے۔برناباس کے حالات اور اس کی انجیل کی تاریخ کو قدرے تفصیل سے اس لیے بیان کیا گیا ہے۔تاکہ قارئین کو حالات کا پوری طرح علم ہو سکے اور اس الزام کی قلعی کھل جائے کہ بعض عیسائی یہ کہتے ہیں کہ برناباس نامی کوئی شخص نہ تھا اور یہ انجیل کسی ایسے شخص نے لکھی تھی جو مسلمان ہو گیا تھا۔چنانچہ نبی اکرم ﷺ کی پیدائش سے بہت پہلے ہی عیسائیوں نے کلیسا نے برناباس کے اس نسخے کو ضبط کر لیا تھا اور اس شخص کو واجب القتل قرار دے دیا تھا جس کے پاس یہ کتاب پائی جائے اور عیسائیوں کی اس خاص کتاب کے ساتھ غیظ و غضب کی وجہ یہ تھی کہ اس میں بکثرت ایسی بشارتیں موجود تھیں جن کو دیکھ لینے کے بعد کوئی بھی سچا عیسائی اسلام قبول کیے بغیر نہ رہ سکتا تھا اس لیے کلیسا کو یہ آخری

قدم اٹھانا پڑا۔ برناباس نے اپنے رسول (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی تعلیمات کو بلاکم وکاست بیان کیا ہے جس کا نتیجہ یہ تھا نبی اکرم ﷺ کے بارے میں وہ تمام بشارتیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بار نہیں بلکہ بار بار دی تھیں وہ کتاب میں درج ہوتی چلی گئیں۔ اگرچہ انجیل برناباس میں سینکڑوں مقامات ایسے ہیں جہاں نبی اکرم ﷺ کی نبوت اور آپ ﷺ پہ ایمان لانے کی ترغیب دی گئی ہے مگر ہم طوالت کے خوف سے برناباس سے محض چند اقتباسات درج کرنے پہ اکتفاء کریں گے۔ انشاءاللہ ان سے بات واضح ہو جائے گی۔

****

But my consolation is in the coming of Messenger who shell destroy every false opinon of me , and his faith spread and shall take hold God promised to Abraham our father.”

”بلکہ میرا اطمینان تو اس رسول کی تشریف آوری سے ہو گا جو میرے بارے میں جھوٹے نظریات کو نیست و نابود کر دے گا اس کا دین پھیلے گا اور سارے جہان کو اپنی گرفت میں لے لے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام سے اسی طرح کا وعدہ کیا ہے۔

****

But after me shall come the splendour of all the prophets and holly ones , and shall shed l upon th darkness of all that the prophets have said

because he is the Messanger of God.

”لیکن میرے بعد وہ ہستی تشریف لائے گی جو تمام نبیوں اور نفوس قدسیہ کے لیے آب وتاب ہے اور پہلے انبیاء نے جو باتیں کی ہیں ان پہ روشنی ڈالے گی کیونکہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

****

For i am not worthy to unloose the ties of the hosen or the latchets of the shoes of the Messanger of God whom ye call "Messiah" who was made before me and shall bring the wors of truth. so that his faith shall have no end.

”یعنی جس ہستی کی آمد کا تم انتظار کر رہے ہو میں تو اللہ کے اس رسول کی جوتیوں کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں جس کو تم مسیحا کہتے ہو۔اس کی تخلیق مجھ سے پہلے ہوئی وہ تشریف میرے بعد لائے گا وہ سچائی کے الفاظ لائے گا اور اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہو گی“۔

****

I am indeed sent to the house of Israel as a prophet of salvation but after me shall come the messiah sent of God to the all word . for whom God hath made the word and then through all the word will God be worshipped and mercy received.

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: بے شک میں تو فقط اسرائیل کے گھرانے کی نجات کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں لیکن میرے بعد جو مسیحا تشریف لائے گا اسے اللہ تعالیٰ سارے جہانوں کے لیے مبعوث فرمائے گا۔اسی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات تخلیق کی ہے اور اسی کی کوششوں کے باعث ساری دنیا میں اللہ کی پرستش کی جائے گی اور اس کی رحمت نصیب ہوگی۔

****

There shall not come after him true prophet sent by God but there shall come a great number of false prophets where at i sorrow-for satan shall raise them up.

CH.42

”یعنی آپ ﷺ کے بعد اللہ کا بھیجا ہوا کوئی سچا نبی نہ آئے گا البتہ کثرت سے جھوٹے نبی آئیں گے جنہیں شیطان کھڑا کرے گا“۔

****

The name of the messiha is admirable for God himself gave him the name when had created his soul and placed it in celesetail splendour .God siad; wait Mohammed for thy sake i will to create Paradise the word and great multitude

of creatures. I shall send thee into the word I shell be send thee as my Messenger of salvation and thy word shell be true, in so much that heaven and earth shall fail but thy faith shall never fail .Muhammad is his name blessed name.

Ch. 97

مسیحا کا نام قابل تعریف ہے اللہ تعالیٰ نے جب ان کی روح مبارک کو پیدا کیا اور آسمانی آب و تاب میں رکھا تو خود اِن کا نام رکھا'' اللہ نے فرمایا! اے محمد انتظار کرو میں نے تیری خاطر جنت کو پیدا کیا ہے ساری دنیا کو پیدا کیا ہے اور بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو تمھیں نجات دہندہ رسول بنا کر بھیجوں گا اور تیری بات سچی ہوگی۔ آسمان و زمین فنا ہوسکتے ہیں لیکن تیرا دین کبھی فنا نہیں ہوگا۔

آپ نے کہا! محمد اس کا نام برکت ہے۔

****

,,o God send us thy messenger -o Mohammed come quickly for the salvation of the word ,,

اے خدا! اپنے رسول کو ہماری طرف بھیج۔

یارسول اللہ! دنیا کی نجات کے لیے جلدی تشریف لے آیئے!

****

I shall abide in that dishonour for a long time in

the word. but when Mohammed shall come the sacred Messsenger of God . That infamishall be taken away - and this shell God do. Because i have confessed the truth of the Messiah, Who shall give me this reward. That i shall be known to be Alive and to be a stranger to that death of infami.

CH. 112

طویل عرصہ تک لوگ مجھے بدنام کرتے رہیں گے۔لیکن جب محمد ﷺ تشریف لائیں گے جو خدا کے مقدس رسول ہیں تب میری بدنامی اختتام پذیر ہوگی اور اللہ تعالیٰ یوں کرے گا کیونکہ میں اس مسیحا کی صداقت کا اعتراف کرتا ہوں، وہ مجھے انعام دے گا۔لوگ مجھے زندہ جاننے لگیں گے اور انھیں معلوم ہو جائے گا کہ اس رسوا کن موت سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

****

عیسائی عالموں کی پشین گوئیاں اور اُن کی کتابوں سے سیر حاصل ثبوت فراہم کرنے کے بعد اب ہم عربوں کے اُن قبائل سے کچھ شواہد پیش کریں گے جنھوں نے تاریخ کے کسی دور عیسائیت میں قبول کر لی تھی۔اس لیے کہ وہ عرب جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو تھے وہ بھی نبی اکرم ﷺ کی آمد سے آگاہ تھے۔چنانچہ اسی طرح کا ایک واقعہ طلحہ بن عبداللہ کا ہے جو کہتے ہیں کہ میں ایک تجارتی قافلے کے ساتھ تھا اور بصرہ کے ایک بازار میں سے گزر رہا تھا کہ ایک خانقاہ سے ایک عیسائی راہب باہر نکلا اور اس نے مجھے بازو سے پکڑ لیا۔

اُس نے مجھ سے کہا:

مجھے تو اُن لوگوں سے لگتا ہے جو حرم سے آئے ہیں؟

میں نے کہا: ہاں میں مکہ سے آیا ہوں۔

راہب نے مجھ سے سوال کیا؟ کیا احمد (ﷺ) کا ظہور ہو گیا ہے۔

میں نے کہا! کون احمد؟

اس نے کہا!

عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا۔

کہ یہی وہ مہینہ ہے جس میں اُن کو ظاہر ہونا ہے وہ اللہ کی طرف سے آخری پیغمبر ہیں اور اُن کے ظہور کی جگہ مکہ ہے اور اُن کا دارِ ہجرت مدینہ ہے پس تجھے لازم ہے کہ تم اُن کی طرف بڑھو اور اُن کی تائید کرو۔ جب میں مکہ واپس آیا تو میں نے لوگوں سے سنا کہ حضرت محمد ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا ہے۔

میں ابوبکر صدیقؓ کے پاس گیا اور اُن سے دریافت کیا کہ کیا ماجرا ہے؟

انھوں نے کہا! تم نے درست سنا ہے اور میں تو اُن پہ ایمان بھی لے آیا ہوں۔

اس کے بعد حضرت طلحہؓ بھی اسلام لے آئے اور یہ سابقون الاولون میں سے تھے۔ انھوں نے عربوں کے وہ تمام مظالم سہے تھے جو سابقون الاولون کے حصے میں آئے اور جن کی بنا پہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بلند درجہ عطا کیا تھا۔ اُن کے چچا نوفل بن عدویہ حضرت طلحہؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو ایک ہی رسی سے باندھ دیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے عربوں نے اُن کو ''قرینین'' کا لقب دیا تھا جس کا مطلب ہے باہم جکڑے ہوئے۔

****

اسی طرح کا ایک واقعہ سعید ابن عاص ابن سعید نے بیان کیا ہے کہ غزوہ بدر میں میرے باپ کو مسلمانوں نے قتل کر دیا تھا۔ تب میں اپنے چچا ابان ابن سعید کی پرورش میں آ گیا تھا اور ابان ابن سعید اپنے بھائی کے فراق میں رویا کرتے تھے اور ساتھ ہی نبی پاک ﷺ کو برے الفاظ سے یاد کیا

کرتے۔

پھر وہ تجارت کے سلسلے میں ملک شام کو چلے گئے اور سال بھر وہیں رہے۔

جب وہ واپس آئے تو انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی یعنی میرے دوسرے چچا عبداللہ ابن سعید سے پوچھا؟

محمد ﷺ کا کیا بنا ہے انھوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم وہ تو پہلے سے کہیں زیادہ معزز اور بلند ہو چکے ہیں۔

یہ سن کر میرا چچا ابان ابن سعید خاموش ہو رہے اور اپنی عادت کے مطابق نبی اکرم ﷺ کو برا بھلا نہ کہا۔

اس نے اپنے غلاموں سے کہا:

مہمانوں کے لیے کھانا تیار کرو پھر اس نے بنی امیہ کے سرداروں اور قابل تعظیم لوگوں کو دعوت کی۔ جب وہ لوگ اکھٹے ہو گئے تو سعید ابن ابان نے کہا:

میں ملک شام کے ایک گاؤں میں تھا۔

اور میں نے دیکھا کہ سب لوگ ایک طرف کو بھاگے چلے جا رہے ہیں۔

میں نے اُن سے اس کی وجہ پوچھی؟

تو لوگوں نے کہا!

اُن کا ایک راہب ہے جو چالیس سال سے ایک غار میں عبادت کر رہا ہے اور اب وہ ظاہر ہو گیا ہے۔

چنانچہ میں بھی اسی طرف کو چل نکلا جدھر باقی لوگ جا رہے تھے اور وہاں بہت سے لوگ تھے مگر اس راہب نے جس کا نام بکاء تھا مجھے آگے بلایا اور کہا:

تم مکہ سے ہو؟

میں نے کہا! ہاں''۔

اس نے مجھ سے پوچھا؟

احمد (ﷺ) ظاہر ہو گئے ہیں''۔

میں نے پوچھا کون احمد؟

اس نے کہا!

تمھارا تعلق عربوں کے کس قبیلے سے ہے؟

میں نے کہا! میں قریش سے ہوں۔

اُس نے کہا؛ وہ تمھارے ہی قبیلے سے تو ہیں اور وہ اللہ کے آخری نبی ہیں اور اُن کے ساتھ کتاب ہے۔

تب میں سمجھا کہ اس کی مراد محمد (ﷺ) سے ہے۔

میں نے اسے کہا ہاں! وہ ظاہر ہو چکے ہیں۔

میں نے راہب سے پوچھا! کہ تم انھیں کیسے جانتے ہو؟

راہب نے جواب دیا! میں انھیں تم سے زیادہ جانتا ہوں اگر تم کہو تو میں تمھیں اُن کے باپ دادا کے متعلق بتاؤں۔

اس کے بعد میرے استفار کے بغیر ہی اس نے نبی اکرم ﷺ کے آباء کے بارے میں بتایا کہ حتیٰ کہ اس نے آپ ﷺ کا حلیہ بھی ٹھیک ٹھیک بیان کر دیا۔

اس کے بعد اس نے اپنا رخ دوسرے لوگوں کی طرف کیا اور کہا:

لوگو! اُن کی پیروی کرو وہ تمھارے پاس بس تھوڑی ہی دیر کے لیے آئے ہیں۔

خدا کی قسم:

وہ اس امت کے نبی ہیں اور وہ ضرور غالب ہوں گے حتیٰ کہ اُن کا دین مغرب سے مشرق اور جنوب سے شمال کی طرف پھیلتا ہی چلا جائے گا۔

اس نے پھر سے اپنا رخ میری طرف موڑا اور کہا:

اگر اب تم اُن سے ملو تو میرا اسلام اُن تک پہچانا۔

اس کے بعد وہ غار میں داخل ہو گیا۔

تب سعید بن ابان نے اپنا رخ اپنے خاندان کے لوگوں کی طرف کیا اور کہا: میں اس بات کو جان چکا ہوں کہ سچے ہیں اور اُن پر ایمان لانے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ اس لیے تم سوچ لو۔

اس طرح کے واقعات جن میں اس بات کی تصریح ہے کہ عرب اور یہود ونصاریٰ کے صاحب دانش لوگ نبی اکرم ﷺ کی آمد سے آگاہ تھے بہت سے ہیں اُن سب کا احاطہ کرنا یہاں ممکن نہیں۔ اس لیے کہ بہت سے واقعات کے بارے میں جو مورخین نے پیش ہیں محدثین کا خیال ہے کہ وہ روایت اور درایت پہ پورا نہیں اترتے۔ چنانچہ ہم اِن میں سے بیشتر کو حذف کر دیا ہے اور ہم نے صرف وہی واقعات درج کیے ہیں جن پہ مورخین اور محدثین نے اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ اسی طرح کا ایک واقع حضرت سلمان فارسیؓ کو بھی پیش آیا کہ اُن کو بھی تو عیسائی راہبوں ہی نے بتایا تھا کہ نبی اکرم ﷺ عرب میں مبعوث ہونے والے ہیں اور حضرت سلمان فارسیؓ کی عشق ومحبت کی داستان عجیب بھی ہے اور طویل بھی اس لیے ہم الگ سے اس کا ذکر کرنا چاہتے ہیں [*14]۔

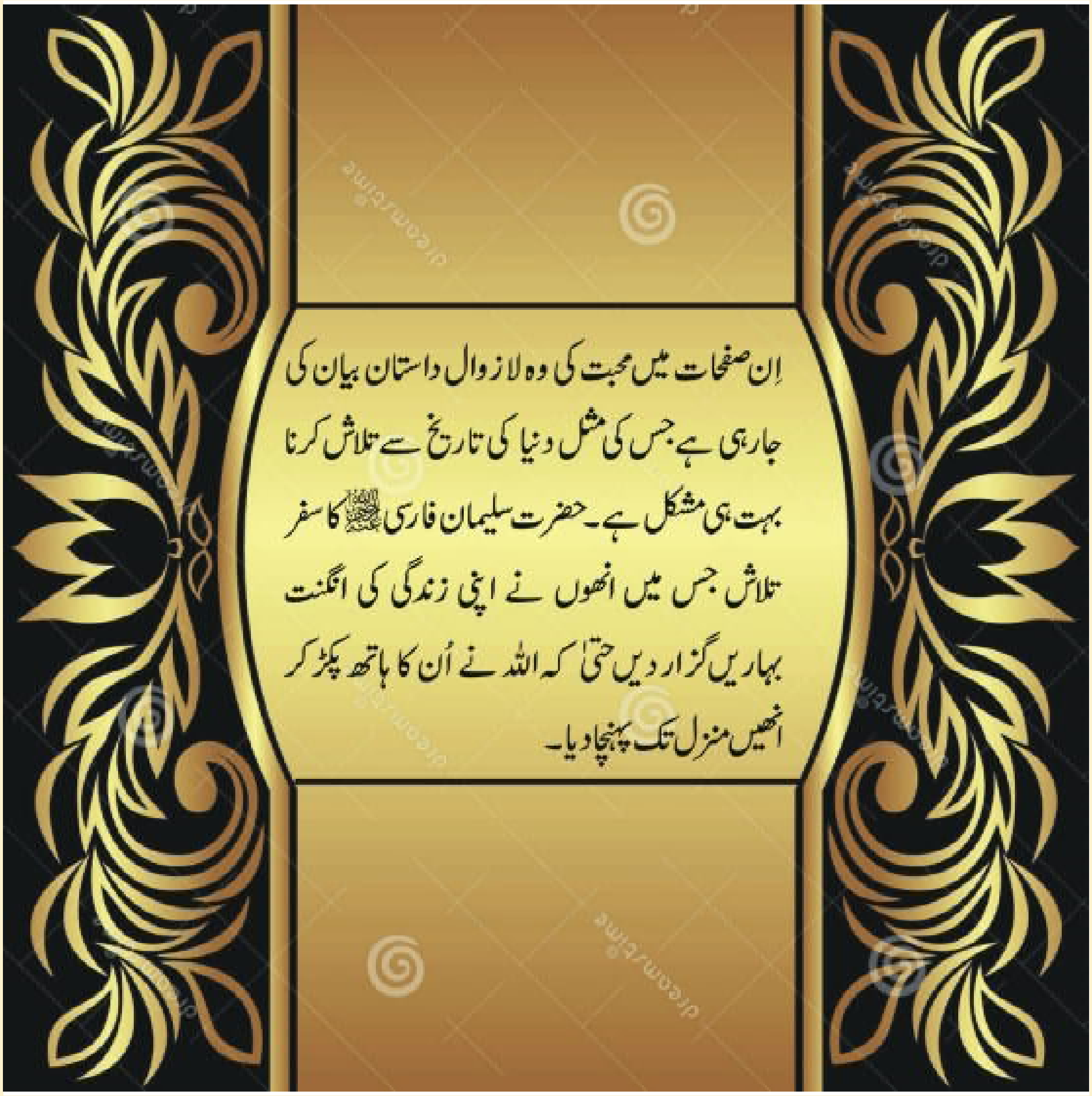
اِن صفحات میں محبت کی وہ لازوال داستان بیان کی
جارہی ہے. جس کی مثل دنیا کی تاریخ سے تلاش کرنا
بہت ہی مشکل ہے۔ حضرت سلیمان فارسی ؓ کا سفر
تلاش جس میں انھوں نے اپنی زندگی کی انگنت
بہاریں گزار دیں حتیٰ کہ اللہ نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر
انھیں منزل تک پہنچا دیا۔

مسافر عشق

تقریباً تمام ہی مورخین نے حضرت سلیمان فارسیؓ کی داستانِ محبت بیان کی ہے۔چنانچہ ابن اسحاقؒ نے کہا کہ مجھ سے عاصم بن عمرو قتادہ انصاریؓ نے بیان کیا۔انھوں نے محمود بن لبید اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت سلیمان فارسیؓ نے خود اُن کے سامنے اپنی داستان عشق بیان کی۔وہ فرماتے ہیں کہ میں اہل فارس میں سے ایک شخص تھا اور ہم لوگ آگ کے پجاری تھے۔یعنی مجوسی تھے میں ایران کے صوبہ اہواز میں پیدا ہوا اور ہمارا خاندان علاقے بھر میں عزت وتکریم کے باعث جانا جاتا تھا جس کی دو وجوہات تھیں ایک تو یہ کہ میرا باپ بڑا زمیندار تھا اور اس کی بہت جائیداد اور زمینیں تھیں دوسرا اس لیے کہ ہمارا گھرانا ایک مذہبی گھرانہ تھا اور میں نے بھی مجوسیت میں ایک درجہ امتیاز حاصل کر رکھا تھا۔یعنی میں ''قاطن نار'' تھا۔عرب قاطن نار اس شخص کو کہتے تھے جو آگیاری کو آگ دکھاتا ہے۔ایران میں اہل مجوس کا مذہب زوروں پہ تھا اس لیے کہ آگ پرستوں کا مرکز وہی تھا۔خود ہمارے گاؤں

میں جو اگیاری تھی میں اس کی آگ کا ذمہ دار تھا۔ مجوسی مذہب کے لوگ آگ کے پجاری ہیں اور اُن کی اگیاریوں میں صدیوں آگ نہ بجھا کرتی۔ اگیاری اہل مجوس کی عبادت گاہ تھی جہاں ہمیشہ آگ جلتی رہتی تھی۔ حضرت سلیمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے کئی خادموں کے ساتھ اپنی اگیاری کی آگ کو بھڑکائے رکھتا تھا۔ میرا باپ مجھ سے بہت محبت کرتا تھا اور مجھے گھر سے باہر نہ نکلنے دیتا تھا۔ اس لیے کہ میں اسے اللہ کی تمام مخلوق سے زیادہ محبوب تھا۔ اس کی یہ محبت فزوں تر ہوتی رہی حتیٰ کہ اس نے مجھے گھر میں ہی مقید کر دیا جس طرح کہ دوشیزاؤں کو مقید کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف مجھے آتش پرستی میں محنت کی ہر طرح سے اجازت تھی۔ میرا والد چونکہ بڑا زمیندار تھا اس لیے اس کی مصروفیات بھی زیادہ تھیں ایک دن جب وہ ایک عمارت تعمیر کرا رہا تھا تب اس نے مجھ سے کہا!

اے میرے نورِ نظر:

آج میں مصروف ہوں اس لیے زمینوں کی طرف تم چلے جاؤ اور دیکھنا کہ سورج غروب ہونے سے کافی پہلے واپس لوٹ آنا کیونکہ تم جانتے ہو کہ تمھاری جدائی مجھے ہر چیز سے زیادہ تکلیف دیتی ہے۔

میں نے جلدی لوٹ آنے کا وعدہ کر لیا۔

حضرت سلیمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ میں خوشی خوشی گھر سے زمینوں کی طرف روانہ ہوا کہ مجھے باہر نکلنے اور گھومنے پھرنے کا کم ہی موقع ملتا تھا۔

میرے راستے میں عیسائیوں کا ایک کنیسہ آیا جس کے اندر سے بہت ہی اچھی آوازیں آ رہی تھیں جیسے وہاں کوئی عبادت کر رہا ہو۔ چونکہ میرے والد نے مجھے طویل عرصہ محبوس رکھا تھا اس لیے میں دنیا کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا تھا اور نہ ہی مجھے یہ بات معلوم تھی کہ دنیا میں مجوسیت کے علاوہ بھی مذاہب ہوتے ہیں۔

چنانچہ میں لوگوں کے حالات سے بخوبی واقف نہ تھا۔ میں نے اس عمارت کے اندر جھانکا اور لوگوں کو عبادت میں مشغول دیکھا۔

اِن کی عبادت کا طریقہ میرے دل کو بھلا معلوم ہوا اور میں اس سے متاثر ہوا پھر اُن میں سے ایک شخص نے مجھے دیکھ لیا۔

اس نے مجھے اندر بلا لیا اور مجھ سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟

میں نے اسے اپنے بارے میں بتایا اور اس سے پوچھا؟

کہ وہ یہاں کیا کر رہے ہیں"۔

تب اس نے مجھے کہا کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کر رہے ہیں یہ اُن کی عبادت گاہ ہے اور اُن کے دین کے عقائد یہ ہیں۔

الغرض میں بہت دیر تک اُن کے پاس بیٹھا رہا اور اُن کی باتیں سنتا رہا۔

ہر پل میرے اندر یہ احساس جنم لیتا رہا کہ اُن کا دین اُس دین سے بہتر ہے جس کو ہم اپنائے ہوئے ہیں۔

میں نے عیسائی عالموں سے پوچھا؟

کہ اُن کے دین کا سرچشمہ اور مرکز کہاں ہے۔

انھوں نے جواب دیا کہ شام میں۔

تب میں نے اُن سے اجازت طلب کی اور سورج غروب ہو چکا تھا جب میں اُن کے ہاں سے اٹھا۔

میں نہ تو اپنے باپ کی زمینوں کی طرف گیا اور نہ ہی مجھے اس بات کا خیال رہا کہ باپ نے مجھے جلدی واپس آنے کے لیے کہا تھا۔ میں اپنے خیالوں میں گم گھر پہنچا تو میرا باپ سخت پریشان تھا اور اس نے میری تلاش میں اپنے آدمی دوڑا دیئے تھے۔

اس نے مجھے دیکھا تو لپٹ کر مجھے پیار کیا اور کہا:

اے میرے نور نظر میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ جلدی لوٹ آنا۔

میں نے اپنے باپ کی بات سنی ان سنی کر دی اور اس سے کہا:

پدر بزرگوار؛ میں آپ کی زمینوں کی طرف نہیں جا سکا اس لیے کہ راستے میں عیسائیوں کا جو کلیسا ہے میں سارا دن وہاں رہا اور میں نے اُن کے مذہب کا مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجے پہ پہنچا ہوں کہ اُن کا مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اسے اختیار کر لوں گا۔

میرا باپ مجھے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

شاید اسے مجھ سے کسی ایسے فعل کی ہرگز توقع نہ تھی۔

میرے باپ نے مجھے میرے اس فعل پہ سرزنش کی اور کہا:

اُن کے دین میں کوئی بھلائی نہیں اور اب تم کبھی اُن کے ہاں نہ جانا۔

میں چپ ہو رہا مگر دل میں فیصلہ کر لیا کہ چاہے جو بھی ہو اب میں اس دین کو قبول کر کے رہوں گا۔

میرے باپ نے مجھ پہ نگاہ رکھنا شروع کر دی تھی۔

میں اب آگ جلانے نہ جاتا تھا اس لیے میرا باپ مجھ سے بے زار رہنے لگا۔

وہ جانتا تھا کہ میرا جھکاؤ عیسائیت کی طرف ہے۔

میں باپ سے چھپ کر ایک بار پھر عیسائیوں کے کلیسا میں چلا گیا۔

اور اُن سے کہا کہ اگر شام کی طرف جانے والا کوئی قافلہ ہو تو وہ لوگ اس کو اطلاع کر دیں کیونکہ وہ اِن کے ساتھ جانا چاہتا ہے اور اُن کے دین کو سمجھنا چاہتا ہے۔

عیسائی میرے اس خیال سے بہت خوش ہوئے اور انھوں نے وعدہ کر لیا کہ جونہی کوئی شامی قافلہ آئے گا وہ اس کو آگاہ کر دیں گے۔

میں جب کلیسا سے واپس آیا تو میں نے جانا کہ میرے باپ کو میرے اس فعل کی خبر ہو گئی ہے۔میرے باپ نے اس پہ شدید غصے کا اظہار کیا اور باوجود اپنی بے پناہ محبت کے اس نے مجھے زنجیروں سے جکڑ دیا اور ایک کمرے میں قید کر دیا۔پتا نہیں مجھے زنجیروں سے جکڑے اور اس کمرے میں قید ہوئے کتنے دن ہوئے تھے جب عیسائیوں کا ایک آدمی کسی طرح چھپتا چھپاتا مجھ تک پہنچ گیا اور اس نے کہا:شامی قافلہ آ گیا ہے۔

میں بہت خوش ہوا اور اس سے کہا:

جب وہ قافلہ اپنا سامان تجارت بیچ کر واپس جانے لگے تب تم مجھے مطلع کرنا میں تیار رہوں گا اور میرا باپ اپنی مصروفیات کی وجہ سے اِن امور سے بے خبر ہی رہا۔

میں نے کسی طرح اپنی زنجیروں کو ڈھیلا کر لیا تھا اور اس دن کے انتظار میں تھا جب کوئی قاصد مجھے بلانے آئے گا۔

پھر وہ دن آ ہی گیا اور میں رات کی تاریکی میں اپنے گھر سے فرار ہو گیا۔

میں اس شامی قافلے کے ہمراہ ہو گیا جو شام کی طرف رواں تھا۔

ایک عرصہ تک اپنے باپ کی قید میں رہنے کے بعد یہ کھلا آسمان جس پہ چاند چمکتا تھا اور اس کی دھیمی

دھیمی روشنی میں اونٹوں کی ایک قطار تھی جن میں سے ایک پہ میں سوار تھا مجھے بہت اچھی لگ رہی تھی اور میں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

وہ قافلہ منزلیں پہ منزلیں مارتا رہا اور آخر ملک شام جا پہنچا۔

میں نے لوگوں سے پوچھا؟ کہ اُن کا سب سے بڑا عالم کون ہے۔

لوگوں نے اسقف اعظم۔

وہ وہاں کے سب سے بڑے کنیسہ میں تھا میں اس تک جا پہنچا اور اسے اپنے مقصد سے آگاہ کیا اس نے مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔

میں نے اب مذہب نصرانیت کو دل سے قبول کر لیا تھا اور اس پادری کے ساتھ رہتا تھا۔

میں اس پادری سے علم حاصل کرتا اس کے ساتھ نماز پڑھتا اور اس کی خدمت کرتا اس طرح میرے شب و روز اس کنیسہ اور بڑے پادری کی خدمت میں گزرنے لگے۔

اور میں بہت خوش تھا"۔

تاہم تھوڑے عرصے کے بعد میں پریشان رہنے لگا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ بڑے پادری کے ساتھ رہتے ہوئے میں اس بات سے آگاہ ہو چکا تھا کہ بڑا پادری ایک برا آدمی ہے۔ وہ لوگوں سے جو کچھ کہتا ہے اس کا اپنا عمل اس کے برعکس ہے۔ وہ لوگوں کو صدقات و خیرات کا حکم دیتا تھا راہ خدا خرچنے کی ترغیب دلاتا تھا۔ جب لوگ اپنا صدقہ اور خیرات اس کے پاس جمع کرانے آتے تو وہ اس کو لوگوں میں بانٹنے کی بجائے ایک خفیہ جگہ رکھ دیتا۔ اس طرح اس کے پاس بہت سا مال و دولت جمع ہو چکا تھا۔ اس نے سونے اور چاندی کے زیورات سے سات گھڑے بھر لیے تھے۔ پھر ایک روز وہ مر گیا تو شہر میں کہرام مچ گیا لوگ اس کی وفات پہ بہت افسردہ تھے۔ سارا شہر ہی اس کی تدفین و تجہیز کے لیے جمع ہو گیا۔ جب وہ لوگ جمع ہو گئے تو میں اٹھا اور اُن سے خطاب کیا، میں نے اُن سے کہا:

تم لوگ بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہو اس لیے کہ جسے تم اللہ کا برگزیدہ بندہ سمجھتے تھے وہ تو محض غرض کا بندہ تھا۔

ہجوم میں سے کچھ لوگ مجھے مارنے کے لیے دوڑے۔

مگر کچھ دوسرے لوگوں نے اِن کو روک لیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں ایک عرصہ سے بڑے پادری

کے ساتھ ہوں۔

اس لیے انھوں نے مارنے والوں سے کہا:

کچھ دیر رک جاؤ تا آنکہ معاملے کی اصل صورت سامنے آ سکے۔

انھوں نے مجھ سے پوچھا؟

تم نے جو الزام ہمارے بڑے پادری پہ لگایا ہے اس کا تمھارے پاس کوئی ثبوت ہے۔

میں نے کہا! ہاں"۔

آؤ میرے ساتھ میں تمھیں وہ جگہ بتاؤں جہاں وہ تمھارے دیئے اور صدقات چھپاتا تھا۔ لوگ میرے ساتھ چلے آئے"۔

جب انھوں نے سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے گھڑے دیکھے تو ششدر رہ گئے۔

وہ لوگ مشتعل ہو گئے اور کہا ہم اس غلیظ آدمی کو دفن نہیں کریں گے بلکہ اسے سنگسار کریں گے انھوں نے پادری کی نعش کو اٹھا لیا اور اسے شہر کے ایک چوک میں سولی پہ لٹکا دیا گیا اور آتے جاتے لوگ اسے پتھر مارتے رہے اور گوشت خور پرندے اس کا گوشت کھاتے رہے۔

لوگوں نے اس کنیسہ میں نیا پادری مقرر کر دیا۔

حضرت سلیمان فارسیؓ بتاتے ہیں کہ میں نے پانچ نمازیں پڑھنے والوں میں سے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو اس سے افضل ہو۔

وہ دنیا سے کنارہ کش رہتا اور آخرت کی حرص رکھتا تھا۔ وہ اوقات کار کا پابند اور نہایت عبادت گذار شخص تھا۔ اس کا اخلاق بہت عمدہ اور اعمال اس سے بھی عمدہ تھے۔ اسے دنیا کی کوئی چاہت نہ تھی۔ میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس کی محبت میں گرفتار تھا اور اس کے ساتھ بہت خوش تھا۔ میرا وقت بہت اچھا گزر رہا تھا میں نے اس پادری کی صحبت میں اہل نصاریٰ کے دین کو اچھی طرح سمجھا:

پھر بہت سا وقت اسی طرح گزر گیا۔

اب بڑا پادری بیمار رہنے لگا تھا اور پھر اس کی موت کا وقت آ پہنچا!

میں اس کے پاس ہی تھا۔

میں نے اس سے کہا مجھے لگتا ہے کہ آپ پہ وہ گھڑی آ رہی ہے جس نے ہر ایک پہ آنا ہے۔

پادری نے کہا:

تم نے درست کہا ہے میں سمجھتا ہوں کہ وقت آخر آ پہنچا ہے۔

میں نے اس سے سوال کیا''۔

آپ کے رخصت ہونے کے بعد میں کیا کروں مجھے کوئی وصیت کر کہ میں تیرے بعد کس کے پاس جاؤں۔

بڑے پادری نے کہا!

اے میرے بیٹے!

خدا کی قسم! آج میں اُن خصوصیات کا حامل کسی شخص کو نہیں پاتا جو مجھ میں تھیں اب تو لوگ تباہ ہو چکے ہیں انھوں نے مذہب کو چھوڑ دیا ہے اور غرض کے بندے بن کے رہ گئے ہیں۔تاہم موصل میں ایک شخص ایسا موجود ہے جو آج بھی اپنے دین کی اصل کو پکڑے ہوئے ہے میرے بعد تو اس کے پاس چلے جانا۔

اس کے بعد بڑے پادری کا انتقال ہو گیا اور میں نے اسے دفن کر کے موصل کی راہ لی''۔

میں موصل کے پادری کے پاس پہنچا اور اسے شام کے پادری کا سندیسہ دیا۔

اس پادری نے مجھے اپنے ہاں ٹھہرنے کی اجازت دے دی اور میں موصل کے بڑے پادری کے ساتھ رہنے لگا۔وہ بھی بھلا آدمی تھا دنیا کی غلاظت سے پاک اور نہایت عبادت گذار میں نے اس کو پسند کیا۔

اس کی عمر بہت زیادہ تھی اور لگتا تھا کہ وہ دِنوں میں ہی گزر جائے گا''۔

اور میرا خیال درست نکلا!

جلد ہی اس کا وقت آخر آ پہنچا!

میں نے اس سے سوال کیا؟

مجھے کوئی وصیت کر جاؤ کہ تمھارے بعد میں کہاں جاؤں۔

موصل کے پادری نے جواب دیا۔

میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو اللہ کے دین پہ مضبوطی سے قائم ہو۔ہاں مگر نصیبین میں ایک شخص ایسا

موجود ہے میرے بعد تم اس کے پاس چلے جانا اس کے بعد وہ وفات پا گیا۔

میں نے موصل کے پادری کو دفن کیا اور نصیبین کی طرف عازم سفر ہوا۔ میں نے نصیبین کے پادری کو موصل کے پادری کا پیغام پہنچایا اور اس نے مجھے اپنے پاس ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔ میں اس کے پاس قیام پذیر ہو گیا وہ بھی اپنے ساتھیوں کی طرح پاکباز اور نیک انسان تھا اس کے ساتھ بھی میرا اچھا وقت گزرنے لگا۔

وہ لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتا اور بدی سے منع کرتا اسے دنیا کی ذرا بھی رغبت نہ تھی۔ وہ صحیح معنوں میں راہب تھا اور لوگ اس سے محبت کرتے تھے۔ پھر اس کی موت کا وقت بھی قریب آ گیا اس کے مرنے سے پہلے میں نے اس سے کہا؟

مجھے کوئی وصیت کر جاؤ کہ میں تمھارے بعد کہاں جاؤں؟

پادری کچھ دیر خاموشی سے سوچتا رہا پھر بولا:

کہ میں کسی ایسے شخص سے آگاہ نہیں ہوں جو اِن اوصاف کا حامل ہو جن سے ہم متصف تھے مگر سر زمین عموریہ میں ایک پادری ہے جو ابھی دین پہ پوری طرح کاربند ہے تم اسی کے پاس چلے جانا ۔پھر یہ پادری بھی مر گیا اور میں اسے دفن کرنے کے بعد عموریہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

میں نے عموریہ کے پادری کو اپنے حالات سے آگاہ کیا اور اس کے پاس رہنے لگا۔ عموریہ کا پادری بھی بھلا آدمی تھا وہ بھی اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح اللہ کی راہ پہ گامزن تھا۔ میرا اس کے ساتھ اچھا وقت گزرنے لگا۔ عموریہ پہنچ کر میں نے کاروبار بھی شروع کر دیا تھا جس کے نتیجے میں میرے پاس بہت سی گائیں اور بھیڑ بکریاں اکٹھی ہو گئیں تھیں۔

پھر جب عموریہ کے پادری کی وفات کا وقت قریب آیا تب میں نے اس سے کہا! مجھے وصیت کر جاؤ کہ میں تمھارے بعد کہاں جاؤں؟

عموریہ نے پادری نے کہا:

اے میرے بیٹے!

خدا کی قسم! اللہ کی زمین پہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو دین اور بھلائی راستے پہ پختہ ہو۔ میں وہ آخری آدمی ہوں جس نے اللہ کے دین کو پختگی سے اختیار کر رکھا تھا۔ اب تو لوگوں نے اپنے دین کو

بھلا دیا شاید اس لیے کہ نئے نبی کے ظہور کا وقت قریب آ لگا ہے۔ چنانچہ تیرے لیے میری وصیت یہی ہے کہ تو اس نئے نبی کا انتظار کر اور جب وہ آ جائے تو اس کا دامن تھام لینا۔

میں نے اس سے کہا:

مجھے اس آنے والے نبی کے بارے میں کچھ اور بتاؤ؟

اس نے کہا! کہ وہ دینِ ابراہیمی پہ معبوث ہوں گے۔

وہ بنو اسماعیل میں سے ہوں گے اور اُن کا ظہور سرزمین عرب سے ہوگا۔

اِن کی علامات اتنی عیاں ہوں گی کہ وہ کسی سے مخفی نہ رہیں گے، وہ صدقہ ہرگز نہ کھائیں گے البتہ ہدیہ قبول کر لیں گے۔

اِن کے شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی۔

وہ سنگلاخ چٹانوں کی طرف ہجرت کریں گے اور اِن چٹانوں کے بیچ میں نخلستان ہوں گے اگر تم اُن کے شہر تک جانے کی قدرت رکھو تو اِن تک ضرور پہنچنا۔

نبی اکرم ﷺ کی صفات اور اوصاف بیان کرنے کے بعد عموریہ کا پادری بھی انتقال کر گیا۔

حضرت سلیمان فارسیؓ اپنی داستانِ عشق بیان کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں کہ پھر جتنا عرصہ میرے اللہ کو منظور ہوا میں عموریہ میں رکا رہا۔ اس کے بعد میرے پاس سے بنو کلب کے تاجر گزرے اور وہ ملک عرب کی طرف جا رہے تھے۔

میں جلدی سے ان کے پاس پہنچا اور اُن سے کہا:

میرے پاس بہت سا مال ہے اگر تم لوگ مجھے اپنے ساتھ لے چلو تو میں اپنا سارا مال تم لوگوں کو دے دوں گا۔

وہ رضامند ہو گئے اور میں اُن کے قافلے میں شامل ہو گیا۔

مگر راستے میں اُنھوں نے مجھ پہ ظلم کیا اور میری مشکیں کس دیں۔ انھوں نے مجھے غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ میں وادیٔ القریٰ میں اس یہودی کے ہاں غلام کی حیثیت سے رہنے لگا۔ یہاں کھجوروں کے نخلستان تھے مگر وہ سنگلاخ چٹانیں نہ تھیں جن کا ذکر عموریہ کے پادری نے کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ وہی شہر ہے جہاں نبی اکرم ﷺ اترنے والے ہیں۔

مگر میرے دل نے گواہی نہ دی اور میں چپ ہو رہا۔

پھر جتنا عرصہ اللہ کو منظور تھا اسی طرح گزرا۔

ایک دن میرے مالک کے ہاں ایک مہمان اترا جو اس کا چچازاد تھا اس کا تعلق بنو قریظہ سے تھا اور وہ مدینہ سے آیا تھا۔

مدینہ کا نام سن کر میرا دل زور سے دھڑکا۔ میں نے خواہش کی کہ کاش یہ شخص مجھے اپنے ساتھ ہی لے جائے"۔

اللہ تعالیٰ نے جیسے میرے دل کی یہ آواز سن لی۔

کچھ دن بعد جب وہ شخص واپس جانے لگا تو اس نے اپنے چچازاد سے مجھے مانگ لیا میرے مالک نے کوئی تعرض نہ کیا اور یوں میرے من کی مراد پوری ہو گئی۔

وہ کہتے ہیں کہ جب میں اپنے نئے یہودی مالک کے ساتھ مدینے کی طرف رواں تھا تو میرے رگ و پے میں عجیب سی بے چینی تھی کہ آیا یہ وہی شہر ہے جس کے بارے میں مجھے عموریہ کے پادری نے بتایا تھا یا کہ کوئی اور۔

میں اڑ کے اس شہر تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔

پھر مدینہ آ گیا۔

خدا کی قسم! وہ شہر خوباں تھا اس کا انگ انگ عموریہ کے پادری کے بیان کی تصدیق پہ مُصر تھا اور میں بہت خوش تھا۔

جیسے راہ سے بھٹکے کسی مسافر کو منزل مل گئی ہو۔

اب مجھے کہیں نہیں جانا تھا اور نہ مجھے اس بات کی پرواہ تھی کہ میں غلام ہوں میں بس اُس گھڑی کے انتظار میں تھا جب میرے کانوں میں یہ آواز پڑے کہ وہ آ گئے ہیں جن کا ایک مدت سے مجھے انتظار تھا۔

میرے شب و روز اسی انتظار کی لذت میں بغیر کسی پریشانی کے گزرنے لگے۔

اور اُس دن میں اپنے مالک کی ایک اونچی کھجور پہ بیٹھا کام کر رہا تھا کہ اچانک میرے مالک کا چچازاد بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا اور میرے کان اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اس نے کہا!

اللہ تعالیٰ بنو قیلہ [15*] کو ہلاک کرے وہ اب قباء میں جمع ہیں اور اُن کے ہاتھ پہ بیت کر رہے ہیں جو مکہ سے آئے ہیں اور کہتے ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

میرا جسم لرزا اور ایک لمحے کے لیے مجھے لگا کہ میں کھجور سے نیچے گر جاؤں گا۔

میں نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا اور تیزی سے نیچے اترا۔

میں نے اپنے مالک کو مخاطب کیا اور وہ اپنے چچا زاد کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا اور اس کی پیشانی پہ پسینے کے قطرے تھے۔

میں نے اپنے مالک کے چچا زاد سے پوچھا؟

وہ کون ہیں؟ کیا وہ اللہ کے رسول ہیں؟ کیا وہ مکہ آئے ہیں؟

میں نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے''۔

میرا مالک پہلے ہی غصے میں تھا اور پریشان بھی تھا۔اس نے اپنے دائیں ہاتھ سے زور کا تھپڑ میرے منہ پہ مارا اور چیخا:

تمھیں اس مدعی نبوت سے کیا کام ہے جا اپنا کام کر۔

اب میں اسے کیا بتاتا کہ مجھے اسی سے تو کام ہے میں نے اپنی زندگی میں اتنا طویل سفر اسی گھڑی کے انتظار میں تو کیا ہے۔

مگر میں غلام تھا اور وہ میرا مالک!

اور عربوں میں غلامی کی جڑیں بہت گہری تھیں۔غلام کے حالات بہت ابتر تھے اس لیے اگرچہ میں بظاہر چپ ہو رہا مگر میرے اندر جیسے ایک لاوا سا پگھلنے لگا تھا اور میں اُن کی زیارت کرنے کے لیے سسک رہا تھا۔

پھر میری بے چینی نے خود ہی راہ نکال لی۔

جب میرے پاس کچھ مال جمع ہو گیا تو میں نے اپنے مالک کی بیوی سے کچھ وقت کے لیے رخصت حاصل کی اور وہ اچھی عورت تھی۔

میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت حاضر ہوا اور آپ ﷺ کی خدمت میں اپنا مال پیش کرتے ہوئے کہا:

یہ صدقہ ہے"۔

دراصل میں عموریہ کے پادری کے الفاظ کی تصدیق کرنا چاہتا تھا کہ وہ صدقہ نہ کھائیں گے البتہ ہدیہ تناول فرمالیں گے"۔

نبی اکرم ﷺ نے مجھے دیکھا اور مال کو قبول فرمالیا"۔

میں وہیں بیٹھا رہا"۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے ساتھ بیٹھے لوگوں کو دعوت دی کہ اس میں سے کھاؤ"۔

تاہم خود آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ نہ بڑھایا"۔

حتیٰ کہ جو کچھ میں لے کر گیا تھا وہ سب ختم ہو گیا"۔

میرے دل کے اندر لڈو پھوٹ رہے تھے اور کوئی پکار پکار کہہ رہا تھا یہ وہی ہیں، یہ وہی ہیں"۔

کچھ دن کے بعد میں پھر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مزدوری میں کمائی ہوئی کچھ کھجوریں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیں"۔

اور کہا:

یہ ہدیہ ہے"۔

اِن کھجوروں میں سے آپ ﷺ نے خود بھی کچھ کھجوریں کھائیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی کھلائیں"۔

اب ایک ہی نشانی بچی تھی یعنی میں نبی اکرم ﷺ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھنا چاہتا تھا۔

اُس دن میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھا اور آپ ﷺ کے ساتھ کئی صحابہ تھے۔

اور وہ جنت البقیع [15*] کا قبرستان تھا جہاں مسلمان اپنے کسی ساتھی کو دفن کرنے آئے تھے۔

جب آپ ﷺ جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھے تب آپ ﷺ کے جسم پہ دو چادریں تھیں۔ میں نے اس موقع کو درست جانا اور آپ ﷺ کی طرف لپکا۔

میں آپ ﷺ کو سلام کیا:

اور آپ ﷺ کی پشت کی طرف ہو گیا تا کہ میری نظر مہر نبوت تک پہنچ سکے"۔

نبی اکرم ﷺ شاید میری جستجو کو جان گئے تھے"۔

اس لیے آپ ﷺ نے خود ہی اپنی کمر اطہر سے چادر ہٹا دی"۔

جونہی میری نظروں نے مہر نبوت کو دیکھا میرے جسم کو ایک جھٹکا لگا اور میں لرزنے لگا کیونکہ میں جان چکا تھا کہ میں اپنی منزل تک پہنچ چکا ہوں میں رو رہا تھا جب نبی اکرم ﷺ نے مجھے پکارا اور کہا:

سامنے آجاؤ"۔

میں لگاتار رو رہا تھا اور نبی اکرم ﷺ کو اپنی داستان جستجو سنا رہا تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے میرا بازو تھام رکھا تھا۔

پھر آپ ﷺ نے نماز جنازہ ادا کی اور فارغ ہونے کے بعد مجھ سے کہا۔

میرے ساتھ آجاؤ"۔

ہم کچھ دور ہی گئے تھے کہ آپ ﷺ کے دوسرے اصحاب بھی اب ہمارے گرد اکٹھے ہو چکے تھے"۔

تب آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا اپنی داستان محبت ایک بار پھر سے بیان کرو تا کہ میرے یہ اصحاب بھی اس کو سن لیں"۔

میں نے پھر سے اپنی زندگی کے اوراق الٹنے شروع کیے"۔

صحابہ میری زندگی کے شب و روز اور اس کے نشیب و فراز جان کر رونے لگے تھے۔

اب مجھے ایمان کی دولت حاصل تھی اور میں مسلمان ہو چکا تھا اس لیے میرے یہودی مالک نے مجھ پہ جینا حرام کر رکھا تھا اور میں بہت دن تک نبی اکرم ﷺ کی زیارت تک نہ کر سکا تھا۔

اسی سختی میں بہت سا وقت گزر گیا"۔

حتیٰ کہ میں غزوہ بدر اور غزوہ احد میں بھی شامل نہ ہو سکا۔

پھر ایک دن جب میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا!

تب آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا اپنے مالک سے مکاتبت کر لو!

میں نے اپنے مالک سے کھجور کے تین سو پودوں اور چالیس اوقیہ سونے پہ مکاتبت کر لی۔

بنی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا سلیمان فارسیؓ کی مدد کرو صحابہؓ نے نبی اکرم ﷺ کے حکم پہ فوراً ہی لبیک کہا اور میری مدد کو دوڑے۔

کسی نے مجھے بیس پودے دیئے تو کسی نے پندرہ پودے دیئے کسی نے پانچ اور کسی نے دس پودے دیئے۔ اس لیے کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ میرے سامنے کھجور کے تین سو پودے رکھے تھے۔

تب نبی اکرم ﷺ نے اپنا رخ مبارک میری طرف پھیرا اور فرمایا!

سلیمان جاؤ اور اِن پودوں کے لیے گڑھے کھودو۔

میرے ساتھیوں نے بھی میری مدد کی اور ہم نے جلد ہی تین سو گڑھے کھود لیے اس کے بعد ہم نے نبی اکرم ﷺ کو اطلاع کی۔

آپ ﷺ تشریف لائے اور اپنے ہاتھوں سے یہ پودے لگائے۔

مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں سلیمان کی جان ہے کہ اِن پودوں میں سے ایک بھی نہیں مرا وہ سب جوان ہوئے اور پھل دینے لگے تاہم وہ مال جو میرے ذمہ تھا اس کا ابھی انتظام نہیں ہوا تھا۔

ایک دن کسی نے نبی اکرم ﷺ کو سونے کی کان سے حاصل کیا ہوا مرغی کے انڈے کے برابر سونا پیش کیا۔

نبی اکرم ﷺ نے وہ سونا اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا اور لوگوں سے دریافت کیا اس فارسی کا کیا بنا!

نبی اکرم ﷺ کا اشارہ میری طرف تھا۔

لوگوں نے مجھے تلاش کیا اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

نبی اکرم ﷺ نے مرغی کے انڈے کے برابر وہ سونا میرے ہاتھ پہ رکھ دیا اور کہا اس سے اپنا قرض ادا کرو۔

میں نے اگرچہ وہ سونا لے لیا تھا لیکن سوچ رہا تھا کہ اتنے کم سونے سے میں چالیس اوقیہ سونا کیسے ادا کروں گا۔

نبی اکرم ﷺ نے شاید مجھے اس مخمصے میں الجھا دیکھ لیا تھا چنانچہ آپ ﷺ نے مجھ سے کہا یہ سونا مجھے دو۔

انھوں نے وہ سونا لیا اور اور اسے اپنے منہ سے لگایا اور پھر مجھے پکڑا دیا۔

اب اس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کا لعاب دہن لگا ہوا تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اسے لے جاؤ اور اس سے اپنا مال ادا کر دو۔

اور مجھے قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضے میں سلیمان کی جان ہے کہ میں نے اسی سونے سے اپنا سارا قرض ادا کیا اور اس میں سے پھر بھی کچھ بچ رہا۔

اس کے بعد حضرت سلیمان فارسیؓ غلامی سے آزاد ہو گئے۔

اب وہ اکثر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا کرتے۔

انھوں نے اس کے بعد ہونے والے تمام غزاوات میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ شرکت کی"۔

اور جنگ خندق وہ پہلی جنگ تھی جس میں حضرت سلیمان فارسیؓ ایک آزاد مسلمان کی حیثیت سے نبی اکرم ﷺ کے ہم رقاب تھے۔

بعض مورخین نے بیان کیا کہ مسلمان خندق کھود کر جنگ کرنے کے طریقے سے واقف نہ تھے اور یہ طریقہ بھی اُن کو حضرت سلیمان فارسیؓ نے بتایا تھا کہ اس طرح خندق کھود کر خود کو دشمن کے ضرر سے محفوظ کیا جا سکتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت سلیمانؓ بہت عرصہ تک زندہ رہے۔

بعض نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان فارسیؓ عرب کے معمرین میں سے تھے اور انھوں نے حضرت عمر فاروقؓ کا دورِ خلافت دیکھا ہے اور بعض نے لکھا ہے کہ وہ حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں بھی زندہ تھے۔

حضرت سلیمان فارسیؓ اسلام کے بہت بڑے عالم اور زاہد تھے۔

وہ اکثر صدقہ وخیرات کرتے تھے۔

شاید وہ حضرت عمر فاروقؓ کا دورِ خلافت تھا جب انھوں نے آپ کو مدائن کا حکمران مقرر کیا۔

وہ حکومت سے تنخواہ ضرور لیتے تھے مگر اسے مسکینوں میں بانٹ دیتے تھے۔

خود اُن کی گزر بسر اس طرح ہوتی کہ وہ کھجور کے خشک پتوں سے چٹائیاں بنتے تھے اور انھیں بازار میں بیچ دیتے تھے۔

اور یہ تقویٰ کی انتہا تھی جو لوگ تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں مدائن ایران کا وہ صوبہ تھا جو بہت زرخیز اور دنیا کے مال ودولت سے اٹا ہوا تھا اور اس کے لوگ بے انتہا خوشحال تھے اس کے باوجود اس صوبے کا حکمران بازار میں سوکھے پتوں کی چٹائیاں بیچتا تھا۔

سچ یہ ہے کہ اسلام نے اس دنیا میں جو انقلاب بپا کیا وہ ایک نرالا انقلاب تھا جس نے دلوں کو تسخیر کیا اور اس حد تک لوگوں کو بدل ڈالا کہ وہ خدا سے ایسے ڈرتے تھے جیسے وہ ان کے سامنے کھڑا ہو! اللہ اِن کو جزا دے اور ہمیں ہدایت عطا فرمائے۔

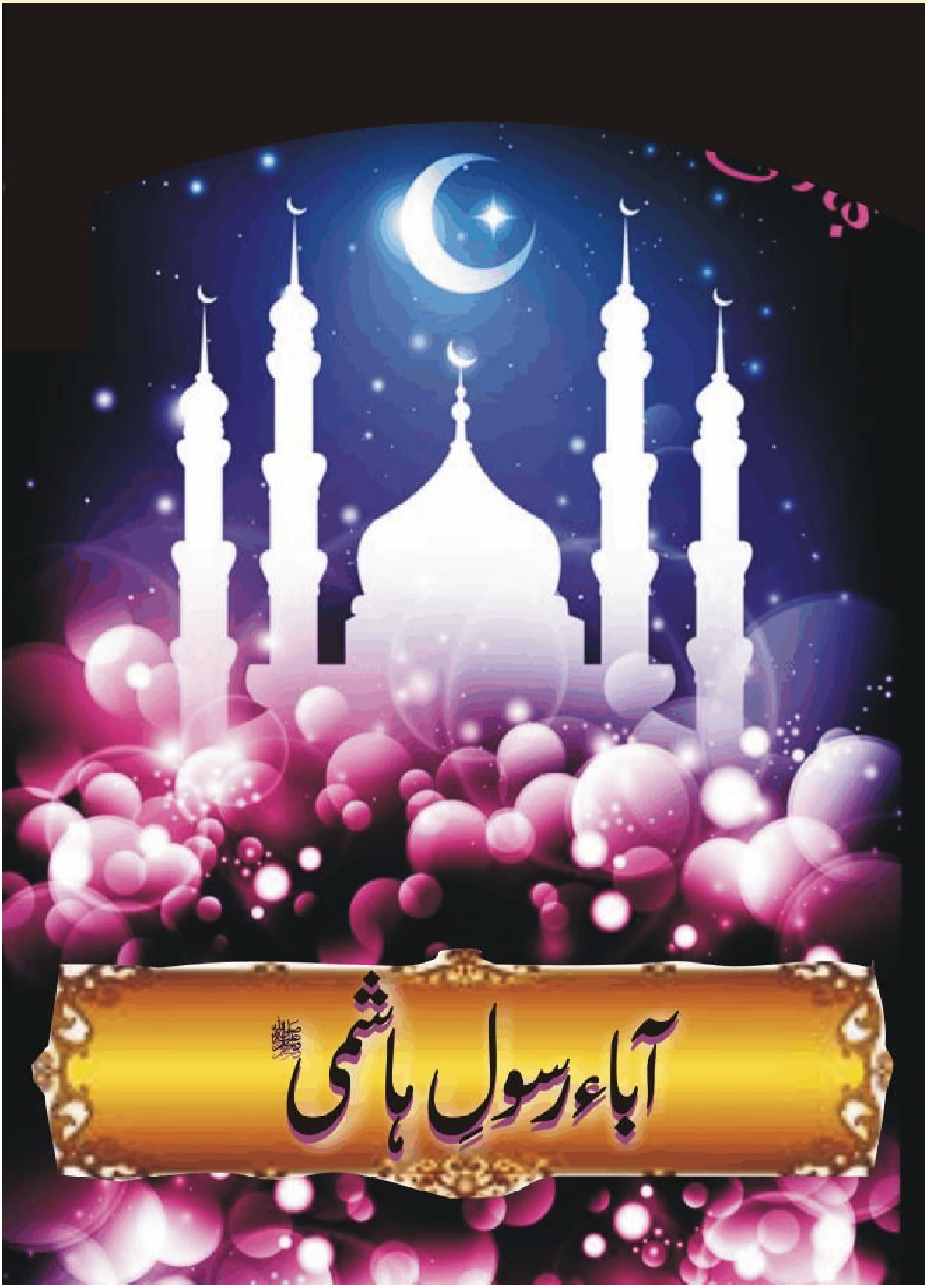
آباءِ رسولِ ہاشمی ﷺ

حضرت ہاشم

نبی اکرم ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کے دادا کا نام ہاشم تھا۔ وہ اپنی قوم کے سردار تھے اور قابل تکریم لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ ہاشم عبد مناف کے بیٹے تھے۔ ہاشم میں وہ ساری خوبیاں موجود تھیں جو اہل قریش سے منسوب کی جاتی ہیں۔ وہ مکہ کے بہت بڑے تاجر تھے۔ اُن کا نام تو دراصل عمرو تھا مگر لوگ اِن کو ہاشم کے نام سے جانتے تھے جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ جب اہل مکہ عرب کی روایتی خشک سالی اور قحط سے دوچار تھے اور ہر طرف فاقہ کشی کی نوبت آ پہنچی تھی، لوگوں کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ تھا۔ تب ہاشم کا شام سے آنے والا قافلہ مکہ میں اترا جس کے پاس بہت سی گندم تھی۔ ہاشم نے اپنی قوم کی حالت دیکھی تو ساری گندم کا آٹا بنوا کر اس کی روٹیاں پکوائیں۔ اس کے بعد انھوں نے کئی اونٹ ذبح کیے اور اُن کا سالن بنوایا۔ جب یہ روٹیاں اونٹ کے سالن میں بھگوئی گئیں تو اس سے جو کھانا تیار ہوا اسے عرب ثرید کہتے تھے۔ شوربے میں روٹیوں کو توڑ توڑ کر ڈالنے کو وہ ہشم کہتے تھے۔ چونکہ اس کھانے کا اہتمام اپنی قوم کے لیے عمرو نے کیا تھا۔ اس لیے اُن کا نام ہاشم پڑ گیا۔ یعنی روٹیاں توڑ توڑ کر شوربے میں ملانے

والا۔عربوں نے ہاشم کی اس فیاضی کو اپنی روایت کے مطابق نظم کیا اور ہاشم کی مدح کی۔اس سلسلے میں بہت سے اشعار ہیں اُن میں سے کچھ اشعار یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

عَمْرُو العُلٰی هَشَمَ الثَّرِيْدَ لِقَوْمِہٖ

وَرِجَالُ مَكَّةَ مسنتون عِجاف

بلندمرتبہ عمرو نے اپنی قوم کے لیے روٹیاں توڑ کر ثرید تیار کی اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب مکے کے لوگ شدید قحط کا شکار تھے اور بھوک سے لاغر ہو رہے تھے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

تَحمل هاشمٌ ما ضاق عنه

واعْيى ان يقوم بہٖ ابن بيض

ہاشم نے وہ بوجھ اٹھا لیا جس کے برداشت کرنے اور اسے اٹھا کے کھڑا ہونے سے شریف انسان تھک گئے تھے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اتاهم بالغرائر مُتَّافاتٍ

من ارض الشام بالبُرّ النضيض

لوگوں کے لیے وہ ملک شام سے عمدہ اور صاف گیہوں کی بوریاں بھر بھر کے لائے جس کے سب ہی مشتاق ہوتے ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

فادمع اھل مَکّۃ من ھَشِیْمَ

وشاب الخ ربااللحم الغریض

انھوں نے بڑی وسعت اور فراخی کے ساتھ روٹیاں توڑ توڑ کر مکہ والوں کو پیش کیں اور فربہ گوشت سے انھیں تروتازہ کردیا۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

فظلّ القومُ بین مکللا ھتِ

من الشیزا ء حائرھا یقیض

سب لوگوں نے لکڑی کے پیالوں پہ ہاتھ مارا جو بھرے ہوئے تھے لبریز تھے اور اِن کے کنارے چھلک رہے تھے۔[*16]

✿✿✿✿✿✿✿✿

یٰا َیُّھَاالرَّجُلُ الْمُحَوِّلُ رَحْلَہٗ

اَلَّا نَزَلْتَ بِاٰلِ عَبْدِ الدَّار

اے وہ شخص جس نے اپنا کجاوہ الٹا ہوا ہے کیا تو عبدالدار کی اولاد کے پاس مہمان نہیں ٹھہرا۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

ھَبَلَتْکَ اُمُّکَ لَوْنَزَلْتَ بِرِحْلِہِمْ

مَنَعُوْكَ مِنْ عَدَمٍ وَمِنْ اَقْتَار

تیری ماں تجھے روئے اگر تو اِن کے صحن میں اترتا تو وہ مجھے افلاس اور تنگ دستی سے بچالیتے۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿

اَلْخَالِطِيْنَ غَنِيَّـهُـمْ بِفَقِيْرِهِـمْ
حَتّٰى يَعُوْدَ فَقِيْرُهُـمْ كَالْكَافِىْ

وہ اپنے غنی کو اپنے فقیر کے ساتھ ملا دیتے ہیں یہاں تک کہ ان کا فقیر ان کے ہاں سے جب لوٹتا ہے تو وہ بھی ایک غنی کی طرح اپنی ضروریات کا کفیل بن جاتا ہے۔ [17*]

ہاشم کا شمار بے شک عربوں کے صاحبِ دانش سرداروں اور حاکموں میں کیا جاتا تھا۔وہ بہت بڑے تاجر تھے اور اپنے باپ عبد مناف کی وفات کے بعد سقایہ اور رفادہ کے منصب بھی انھی کے پاس تھے۔نیز ہاشم ہی اپنی قوم کے سردار قرار پائے تھے جس کی وجہ سے قوم قریش اِن کے تابع تھی۔وہ اِن کا حکم مانتی تھی اور اِن کی رائے پہ عمل کیا جاتا تھا۔حضرت ہاشم حاجیوں کے لیے کھانا بھی تیار کرتے تھے تاکہ اس سے وہ لوگ کھائیں جو دور دراز کی مسافت طے کرکے اللہ کے گھر کی محبت اپنے دل میں لیے حج کو چلے آتے تھے۔ رفادہ اسی کو کہتے ہیں۔مورخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت ہاشم جب ذوالحجہ کا چاند دیکھ لیتے تو اپنی قوم کو بیت اللہ میں اکٹھا ہونے کا حکم دیتے۔جب اُن کی قوم اکٹھی ہوجاتی تب وہ کعبے کے دروازے کے ساتھ ٹیک لگا کر اِن کو خطاب کرتے۔اُن کا ایک ایسا ہی خطاب یہاں پیش کیا جارہا ہے جس سے نہ صرف اُن کی شخصیت اور خیالات کو جاننے کا موقع ملے گا بلکہ اپنی قوم کی فلاح کے وہ جس قدر مشتاق تھے اور بیت اللہ کے حقوق کے معاملے میں وہ کس قدر مستعد تھے ان امور پہ بھی اُن کی دسترس کا پتا چلتا ہے۔

”اے قوم قریش تم عربوں کے سردار ہو۔اِن سب سے زیادہ خوبصورت چہروں والے ہو اور اِن سے زیادہ بڑی عقلوں والے ہو۔تمہارا نسب عرب بھر میں اعلیٰ ہے۔عربوں میں جس قدر تمہارے قریبی رشتے دار ہیں اس قدر کسی دوسرے قبیلے کے نہیں ہیں۔اے قوم قریش تم: اللہ کے گھر کے پڑوسی ہو اللہ نے تمھیں اس گھر کے والئی ہونے کا شرف بخشا ہے اور حضرت اسماعیل کی دیگر اولادوں کو چھوڑ کر تمھیں اپنے جوار سے مخصوص کیا ہے۔نیز یہ دیکھو کہ اللہ کے

گھر کے زائرین اس گھر کی تعظیم کرنے کے لیے آتے ہیں لہٰذا وہ اللہ کے گھر کے مہمان ہوتے ہیں۔ اِن کی عزت وتکریم کا حق سب سے بڑھ کر تم ہی کو حاصل ہے۔ لہٰذا تمھیں چاہیے کہ اللہ کے مہمانوں اور زائرین کی تعظیم کرو کیونکہ جب وہ آتے ہیں تو وہ پریشان، تھکن سے چور اور غبار آلود ہوتے ہیں اور وہ ہر شہر سے لاغر اونٹنیوں پہ سوار چلے آتے ہیں جو تیر کی طرح باریک ہو چکی ہوتی ہیں۔ لہٰذا تم اللہ کے گھر کے مہمانوں اور اِن زائرین کی خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑنا۔ اس کعبے کے رب کی قسم اگر میرا مال اس کا متحمل ہوتا تو میں خود اس کی ذمہ داری لیتا اور تمھیں تکلیف نہ دیتا۔ میں اپنے پاک اور حلال مال میں سے جو نہ تو قطع رحمی کا ثمرہ ہے اور نہ اس کے سبب کسی پہ ظلم کیا گیا ہے اور نہ اس میں حرام مال شامل ہوا ہے کچھ رقم نکالتا ہوں۔ لہٰذا تم میں سے جو شخص ایسا کرنا چاہے میں اُسے اِس گھر کی عظمت کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ اس گھر کے زائرین کی عزت کی خاطر اور انھیں تقویت دینے کے لیے تم میں سے کوئی شخص پاک مال کے سوا کچھ نہ نکالے جو نہ تو کسی سے ظلماً لیا گیا ہو اور نہ ہی اس مال کے ضمن میں قطع رحمی کی گئی ہو اور نہ یہ مال کسی سے زبردستی چھینا گیا ہو"۔

****

حضرت ہاشم کو جب اپنی قوم کا سردار چنا گیا تب بھی آپ نے اپنی قوم سے خطاب کیا تھا اور اُنھیں اِن امور کی طرف بلایا جن کو معروفات کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ امور جن سے شریف اخلاق جنم لیتے ہیں اور انسان برے اعمال سے دور ہٹ جاتا ہے۔ اس خطبے میں آپ نے اپنی قوم کو جن باتوں کی طرف دعوت دی ہے اِن کو اختیار کرنے سے انسان میں فضل فراواں، جلالتِ قدر اور بلند ہمتی جیسے اوصاف جنم لیتے ہیں اور یہ شریف اخلاق دراصل اس بڑے واقعے (یعنی نبوت) کی تمہید تھے جو اُن کو پیش آنے والا تھا اور یہ سب صرف اُس انتخاب کی خاطر تھا جس کا ارادہ کیا جا چکا تھا اور یہ اس ذکر کی خاطر تھا جسے دنیا میں شہرت دینا مقصود تھا کیونکہ آباؤ اجداد میں اعلیٰ خصائص کے مسلسل چلے آنے سے یہ واجب آتا ہے کہ اُن کی اولاد میں

یہ خصائص اپنی انتہا کو پہنچ جائیں۔

’’لوگو! ہم ابراہیم کی آل اور اسماعیل کی اولاد ہیں۔ ہم نضر بن کنانہ اور قصی بن کلاب کے بیٹے ہیں۔ ہم مکے کے مالک اور حرم کے مکین ہیں۔ ہم حسب کی بلند چوٹی اور بزرگی کی کان کے مالک ہیں اس لیے تم میں سے ہر شخص پہ واجب ہے کہ ہر قسم یا معاہدہ جس کا پورا کرنا اس پر واجب ہے اُس میں اِس کی مدد کرے اور اس کی دعوت کو قبول کرے۔ سوا اِن امور کے جن میں قبیلہ کی مخالفت اور قطع رحمی پائی جاتی ہو۔ اے قصی کے بیٹو! تم ایک درخت کی دو ٹہنیوں کی طرح ہو اِن میں سے کوئی ایک بھی توڑ دی گئی تو دوسری ٹہنی خود ہی ویران ہو جائے گی۔ کوئی تلوار میان کے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتی اور جو شخص اپنے قبیلے پہ تیر چلاتا ہے وہ تیر خود اسی کو آ کے لگتا ہے۔ جو شخص مباحثہ کرتے ہوئے غصے میں آ جائے وہ سرکشی کی طرف نکل جاتا ہے۔ لوگو حلم شرف کی بات ہے اور صبر کامیابی ہے اور احسان خزانہ ہے سخاوت سرداری ہے، اکھڑ پن بے وقوفی ہے، ایام رنگ بدلتے رہتے ہیں اور زمانہ حوادث کا نام ہے۔ انسان اپنے عمل کی وجہ سے پکڑا جاتا ہے۔ لہٰذا تم لوگوں سے اچھا برتاؤ کیا کرو تا کہ تعریف حاصل کر سکو اور بے کار باتوں کو چھوڑ دو تا کہ بے وقوف تم سے علیحدہ رہیں۔ اپنے ہم نشینوں کی عزت کیا کرو تا کہ تمھاری مجلس آباد رہے۔ اپنے ساتھی کی حمایت کیا کرو تا کہ وہ تمھارے پڑوس میں رہنے کی خواہش کرے، اپنی ذات سے بھی انصاف کیا کرو تا کہ لوگ تم پہ اعتماد کریں۔ تم مقارم اخلاق کو اپناؤ کیونکہ یہی بلندی ہے۔ کمینے اخلاق سے بچو کیونکہ یہ شرافت کو گرا دیتے ہیں اور بزرگی کو تباہ کر دیتے ہیں۔ جاہل کو ڈانٹ دینا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ کوئی گناہ کر بیٹھے قبیلے کا سرداران کے بوجھ اٹھاتا ہے۔ حلیم الطبع انسان کا مقام ان لوگوں کے لیے نصیحت کا سبب ہے جو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئیں‘‘۔

****

یاد رہے کہ اپنے ذاتی خصائص وصفات میں عبد مناف کا کوئی جواب نہ تھا اور وہ حقیقی معنوں میں اپنی قوم کا سردار تھا۔ اس لیے اس کی زندگی میں اس نے مناصب کی جس طرح تقسیم کی کسی نے اُس پہ اعتراض نہ کیا۔ انھوں نے مناصب کو عبدالدار کے سپرد کر دیا تھا پھر وقت اسی طرح گزرتا رہا حتیٰ کہ عبد مناف اور اس کا بھائی عبدالدار ابدی نیند جا سوئے۔ اس کے بعد عبد مناف کے بیٹوں نے سوچا کہ بیت اللہ کے تمام مناصب اُن کے چچا کے بیٹوں کے پاس ہیں جو انصاف کی بات نہیں ہے بلکہ وہ خود کو اس کا زیادہ اہل گردانتے تھے جس کی وجہ سے اُن کے درمیان مخاصمت پیدا ہوتی چلی گئی جو اتنی بڑھی کہ نوبت جنگ تک جا پہنچی۔

قصی نے عبدالدار کو حجابہ، لوا، رفادہ، سقایہ اور ندوہ جیسے اہم مناصب سونپ دیئے تھے جس کا اولادِ عبد مناف کو رنج تھا۔ اس لیے ہاشم وعبد شمس ومطلب ونوفل سب نے مل کر اس بے انصافی کے خلاف آواز اٹھائی۔ مگر بنی عبدالدار نے اِن مناصب کو تقسیم کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ قوم قریش دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ قبائل بنی اسد بن عبدالعزیٰ بنی زہرہ بن کلاب، وبنی تیم بن مرہ اور بنی حارث بن فہر نے بنی عبد مناف یعنی ہاشم وعبدالشّمس کا ساتھ دیا۔ جب کہ دوسری طرف بنی مخزوم بنی سہم اور عدی بن کعب وغیرہ نے بنی عبدالدار کا ساتھ دیا۔ بنو عبد مناف کی طرف سے خوشبو سے بھرا ایک پیالہ بیت اللہ کے دروازے کے سامنے رکھ دیا کہ جو لوگ اِن کا ساتھ دینا چاہیں وہ اپنا ہاتھ اس خوشبو سے بھرے پیالے میں ڈبوئیں اس طرح وہ جان گئے کہ عربوں میں سے کون کون سے خاندان اور قبائل اُن کے ساتھ اور کون کون سے قبائل اُن کے مخالف ہیں۔

خوشبو کے پیالے میں ہاتھ ڈبونے کی وجہ سے بنو عبد مناف کے حامیوں کو مطیبون کہا گیا جس کے معنی ہیں خوشبو والے۔ ان کے مقابل بنی عبدالدار نے خون سے بھرا ایک پیالہ بیت اللہ میں رکھ دیا کہ اس معاملے میں جو لوگ اُن کے حامی ہیں وہ اس میں اپنی انگلیاں ڈبو لیں۔ اس طرح وہ جان گئے کہ کون کون اس وقت اِن کے ساتھ ہے اور کون مخالف ہے اور خون کے پیالے کی وجہ سے لوگوں نے انھیں لعقۃ الدم کا نام دیا جس کے معنی ہیں خون چاٹنے والے۔ چنانچہ دونوں جماعتوں میں سے ہر ایک گروہ نے اپنے حلیفوں سے سخت قسمیں لیں کہ وہ اپنے حامیوں کا ساتھ اس وقت تک نہ چھوڑیں گے جب تک کہ سمندر بھیڑ اور دنبے کی اون کو تر کرتے رہیں گے۔ جب جنگ کی چکی چلنے کو تھی تب عربوں کے بعض اہل دانش نے سوچا

کہ اس طرح تو سب تباہ ہو جائے گا۔ اس طرح بنو مخزوم، بنو سہم، بنو جم، بنو عدی بن کعب کے عقل و دانش والے لوگ اکٹھے ہوئے اور انھوں نے متحارب خاندانوں کو جنگ سے رک جانے اور مذاکرات کا اشارہ دیا۔ اس طرح جنگ وقتی طور پہ ٹل گئی اور پھر بڑے غور و غوض کے بعد یہ طے پایا کہ رفادہ قیادہ اور سقایہ کے مناصب بنی عبد مناف کو دے دیئے جائیں گے۔ جب کہ حجابہ اور لوا کے مناصب بنی عبدالدار کے پاس رہیں گے۔ اس طرح یہ متحارب خاندان ایک معاہدے پہ متفق ہو گئے اور عرب ایک بڑی جنگ کی تباہی سے بچ گئے۔

اس معاہدے میں کہا گیا کہ گھڑ سوار دستوں کی قیادت عبد شمس بن عبد مناف کریں گے۔ عبد شمس کی وفات کے بعد یہ منصب امیہ کو ملا اور اِن کی وفات کے بعد یہ منصب اُن کے بیٹے ابو سفیان کے حصے میں آیا جو اسلام کے خلاف بدر کے سوا ہر جنگ میں اہل قریش کی قیادت کرتا نظر آیا ہے۔ احد اور خندق میں لشکر کفار کا سردار ابو سفیان ہی تھا جب کہ بدر میں قریش کی قیادت عتبہ بن ربعیہ کے سپرد کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ رفادہ کا منصب ہاشم کے بعد عبدالمطلب کو ان کے بعد ابو طالب کو اور ان کے بعد ان کے بھائی حضرت عباسؓ کے پاس رہا۔ یہ منصب ایک طویل مدت تک بنی عباس کے پاس رہا یہاں تک کہ بغداد اور مصر سے خلافت عباسیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت ہاشم پیدا ہوئے تو اکیلے پیدا نہ ہوئے تھے کہ اُن کے ساتھ اُن کے جڑواں بھائی عبد شمس بھی پیدا ہوئے تھے۔ جب ہاشم پیدا ہوئے تو ان کے سر کے ساتھ عبد شمس کے پاؤں کا انگوٹھا جڑا ہوا تھا جس کو تیز دھار آلے سے الگ کیا گیا تو کچھ خون بہا۔

جس پہ قیافہ شناسوں نے کہا تھا کہ اِن بھائیوں کی اولادوں کے درمیان خونریزی ہو گی اور بنو ہاشم اور بنو امیہ کی مخاصمت سے عربوں میں کون آگاہ نہ تھا کہ وہ بدر احد اور احزاب کی جنگوں کے بعد عہد اسلام میں روز کربلا تک جاری رہی۔ اور اس کے بعد بھی جاری رہی۔ اس لیے جب ہاشم اہل قریش کا سردار ہوا اور اپنے عمدہ اوصاف کی وجہ سے عرب بھر میں شہرت حاصل کی تو عبد شمس کے بیٹوں نے اِن سے حسد کرنا شروع کر دیا۔ ہاشم مکہ کے والئی بھی تھے اور اہل قریش کے سردار بھی وہ عربوں کے صاحبِ دانش لوگوں میں بھی شامل تھے اور عرب کے بڑے سخیوں میں بھی اُن کا نام آتا تھا اور اُن کی فصاحت اور خطابت تک پہنچنا بھی بہت دشوار تھا اس کے علاوہ وہ اِن کے حکم بھی تھے اور مفاخرت میں عربوں کے مابین فیصلے کیا کرتے تھے۔ بنی عبد شمس نے اِن امور کو اختیار کرنے کوشش بھی کی مگر وہ ہاشم کی رفعت کو نہ چھو سکے اور نہ

اُن کی شہرت کو پہنچ سکے جس کی وجہ سے جل کر خاک ہو گئے۔ آخر اسی جلن میں انھوں نے ہاشم کو مفاخرت کی دعوت دے دی جسے ہاشم نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ وہ اس کو مناسب نہیں جانتے۔ تاہم جب نبی عبد شمس نے یا امیہ نے شہر مکہ میں لوگوں کو یہ کہنا شروع کیا کہ ہم شرف میں بنو ہاشم سے بلند مرتبہ رکھتے ہیں اس لیے بنو ہاشم میدان سے بھاگ گئے ہیں اور جب یہ بات بنو ہاشم کے لوگوں نے سنی تو انھوں نے ہاشم سے اس معاملے کو دریافت کیا۔

حضرت ہاشم نے کہا:
میں اس مفاخرت کو پسند نہیں کرتا"۔
لوگوں نے کہا:
ہم آپ کو اس پہ مجبور کر دیں گے اس لیے کہ یہ خاندان کے نام کا معاملہ ہے۔
ہاشم انکار کرتے رہے مگر لوگوں نے انھیں نہ چھوڑا۔
تب ہاشم نے اُن سے کہا:
کہ وہ اس مفاخرت پہ تیار ہیں بشرطیکہ جو ہارے وہ دوسرے کو سیاہ آنکھوں والی پچاس اونٹنیاں ادا کرے اور مکہ چھوڑ کے چلا جائے۔
لوگوں نے یہ شرط بنو امیہ تک پہنچائی جسے انھوں نے قبول کر لیا۔
جس کے بعد بنو ہاشم نے بنو امیہ کی طرف سے دی جانے والی مفاخرت کی دعوت قبول کر لی اور دونوں مخالف گروہوں کی رضامندی سے عسفان کے کاہن الخزاعی کو حکم مقرر کر لیا گیا۔ چنانچہ مقررہ دن جب لوگ کاہن الخزاعی کے ٹھکانے پر پہنچے تو اس سے پہلے کہ لوگ کاہن کو اس مقصد سے آگاہ کرتے جس کے لیے وہ اس کے پاس آئے ہیں کاہن نے کہنا شروع کر دیا۔
قسم ہے روشن چاند کی اور چمکنے والے ستارے کی اور برسنے والے بادل کی اور اِن پرندوں کی جو فضاؤں میں ہیں"۔
اور جب تک مسافر پہاڑوں کے ذریعے راستہ پاتے رہیں گے خواہ وہ نجد کو جا رہے ہوں خواہ غور کو ہاشم فخر میں امیہ سے سبقت لے گیا ہے"۔

کاہن نے امیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

کیا تو ایسے شخص سے مقابلہ کرتا ہے جو تم سے زیادہ بلند قامت ہے۔

تم سے زیادہ بڑی کھوپڑی والا ہے۔

تم سے زیادہ خوبصورت ہے۔

اور تم سے کم واجب ملامت ہے۔

اس کی اولاد تم سے زیادہ ہے۔

اور وہ صفر کے مہینے میں تجھ سے زیادہ سخاوت کرنے والا ہے۔

اس لیے میں تم پہ ہاشم کو فوقیت دیتا ہوں''۔

یہ سن کر امیہ نے کہا:

یہ بھی تو زمانے کی ایک دغا تھی کہ ہم نے تجھ کو حکم بنایا۔

تاہم بنوامیہ نے عسفان کے کاہن الخزاعی کا فیصلہ قبول کرلیا۔

امیہ نے پچاس کالی آنکھوں والی اونٹنیاں حضرت ہاشم کے حوالے کیں اور مکہ چھوڑ کر شام کی طرف چلا گیا۔ جہاں اس نے جلاوطنی کے دس سال گذارنے تھے۔ ہاشم نے اِن اونٹوں کو ذبح کر دیا اور سب لوگوں کو اِن اونٹوں کا گوشت کھانے کی اجازت تھی اور لوگ گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹ کر لے جارہے تھے۔

ہاشم نے جب ہوش سنبھالا تب انھوں نے دیکھا کہ اُن کی قوم غربت اور پس ماندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں زندگی بسر کررہی ہے۔ دوسری طرف اُن کی خودداری تھی جو اُن کو کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے روکتی تھی۔ چنانچہ اُن کے ہاں ایک عجیب رسم نے جنم لیا جس کی مثال دنیا کی کسی اور قوم سے نہیں دی جاسکتی۔ اُس رسم کا نام ''اختفاد'' تھا۔ جس میں ہوتا یہ کہ جب کسی خاندان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہتا تب بھی وہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی کوشش نہ کرتے بلکہ وہ اپنے حالات کو لوگوں سے چھپاتے تھے۔ یا تو وہ اپنے خیمے میں روپوش ہو جاتے یا پھر مکہ کے نزدیکی پہاڑوں پہ چلے جاتے اور جب تک اُن کے حالات کی کسی کو خبر ہوتی وہ بھوک اور پیاس سے سسک

سسک کر دم توڑ دیتے۔ جب کئی خاندانوں کی اس طرح موت ہوگئی تو ایک دن حضرت ہاشم نے اپنی قوم کو جمع کیا اور اُن سے خطاب کیا:

’’اے گروہ قریش! قبیلہ کی عزت افراد کی کثرت سے ہوتی ہے۔ اہل عرب میں اگرچہ مال کی فراوانی اور کثرت کے اعتبار سے تمھیں برتری حاصل ہے لیکن اس کے باوجود ہمارے بعض خاندان ’’اختفاد‘‘ کی نظر ہو رہے ہیں جو ایک قبیح رسم ہے۔ جس نے سارے قبیلے کا سر شرم سے جھکا دیا ہے۔ اس لیے اگر تم میری بات مانو اور میری پیروی کرو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے ۔میں نے تمھاری اس ابتری کا ایک حل سوچا ہے۔ قوم نے حضرت ہاشم کو جواب دیا آپ نے ہمیشہ ہمارے لیے اچھا ہی سوچا ہے اور ہمیں آپ پہ پورا اعتماد ہے اس لیے ہم وہی کریں گے جو آپ چاہیں گے۔ تب حضرت ہاشم نے اپنی قوم سے کہا کہ میں نے سوچا ہے کہ میں تم میں سے دولت مند کنبوں کو اُن کے مفلس کنبوں سے ملا دوں۔ جب تم لوگ اپنے تجارتی کارواں لے کر موسم سرما میں شام کو اور موسم گرما میں یمن کی طرف جاؤ تو آپ اپنے اِن نادار بھائیوں کو اپنے ساتھ رکھو۔ یہ آپ کی خدمت کریں گے آپ کے مفادات کا تحفظ کریں گے جس کے عوض تم اِن لوگوں کو اپنے مال سے بقدر استطاعت دو گے اس طرح یہ لوگ تمھارے مال یعنی نفع میں بھی شامل ہو جائیں گے اور تمھارے کاروبار میں بھی شریک ہوں گے۔ اس لیے وہ لوگ تمھاری خوشحالی کے سائے میں خود بھی آسودہ زندگی بسر کر سکیں گے اور اگر تم نے اِن باتوں پہ عمل کیا تو یقین کرو کہ اس کے بعد کوئی خاندان مرنے کے لیے فاران کے پہاڑوں کا رخ نہیں کرے گا۔ اس طرح ہاشم نے ہر دولت مند خاندان کے ساتھ ایک مفلس خاندان کو جمع کر دیا۔ قوم نے اُن کی باتوں پہ پوری طرح عمل کیا جس کے نتیجے میں مفلسی اُن کے ہاں سے رخصت ہوگئی اور خوشحالی اِن کے آنگن میں اتر آئی۔ اس کے بعد کوئی خاندان موت کو گلے لگانے کے لیے اپنے خیمے میں روپوش نہ ہوا‘‘۔

****

اس طرح ہاشم ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے عربوں میں ہر سال دو تجارتی سفروں کا طریقہ جاری کیا ۔قریش روزِ اول سے تاجر تھے اور تجارت کے اسرار و رموز کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔عبد مناف کے چاروں بیٹوں نے مختلف ممالک کے امراء سے تعلق قائم کر رکھے تھے جس کی وجہ سے اُن کے تجارتی قافلے کو بیرونی ممالک میں سہولیات فراہم کی جاتی تھیں۔حضرت ہاشم کے قافلے شام کی طرف جاتے تھے کہ اُن کے تعلقات شام کے حکمرانوں سے تھے۔اگرچہ اُن کے قافلے روم اور غسان کی طرف بھی جاتے تھے ۔ہاشم کے بھائی عبد شمس نے شاہ حبشہ نجاشی سے تعلق استوار کر رکھا تھا۔اس لیے اُن کے قافلے حبشہ کی طرف جاتے تھے عبد مناف کے تیسرے بیٹے نوفل نے کسریٰ ایران سے اچھے تعلقات استوار کر رکھے تھے۔اس لیے اُن کے قافلے ایران کی طرف جاتے اور عبد مناف کے چوتھے بیٹے مطلب نے حیرہ میں اپنے تجارتی تعلقات بڑھا لیے تھے۔اس لیے وہ اہل حیرہ سے تجارت کرتے تھے۔مورخین نے لکھا ہے کہ کسی ایک شخص کے بیٹوں نے تجارت میں اتنی دولت اکٹھی نہیں کی جتنی کی عبد مناف کے بیٹوں نے کی۔ چنانچہ ہاشم جب تک اہل قریش کے سردار رہے قریش اُن کی دانش اور فہم سے راہنمائی حاصل کرتے رہے۔

جب رفادہ اور سقایہ کے منصب حضرت ہاشم کو سونپے گئے تو انھوں نے اِن شعبوں کی بہتری کے لیے بہت کام کیا۔اس لیے کہ انھیں اُن لوگوں کی تکالیف اور مشکلات کا بیحد احساس تھا۔جو دور دراز سے حج کے لیے مکہ آتے تھے۔حضرت ہاشم سمجھتے تھے کہ دور دراز سے بیت اللہ کی زیارت کو آنے والا ہر شخص اُن کا ذاتی مہمان ہے۔اس لیے قریش اُن کے حکم پہ عمل کرتے ہوئے حاجیوں کی آسائش اور راحت رسانی کا اس قدر اہتمام کرتے کہ ان کے گھر والے حسبِ مقدور معمولی اور چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی اِن کو فراہم کر دیتے ۔ہاشم بن عبد مناف خود بھی ہر سال بہت سا مال اس غرض کے لیے نکالتے اور قریش کے جو لوگ دولت مند تھے اُن سے بھی اعانت طلب کرتے اور دیگر بھی بہت سے لوگ سو سو مثقال سے حضرت ہاشم کی اعانت کرتے ۔یاد رہے مثقال رومی سکہ تھا روم کا بادشاہ ہرقل تھا اور مثقال سونے کا ہوتا تھا۔اس دولت سے حضرت ہاشم نے حاجیوں کی پیاس بجھانے کے لیے بڑے بڑے حوض تعمیر کرائے جن کا محلِ وقوع چاہ زم زم سے قریب ہوتا۔لوگ مکے کے کنوؤں سے پانی بھر بھر کے لاتے اور اِن حوضوں کو بھرتے رہتے۔جن سے حاجی اپنی پیاس بجھاتے کہ عرب میں سب سے بڑی عیاشی جی بھر کے پانی پینا ہی تھی۔اس کے علاوہ

آٹھ ذوالحجہ سے عرب حاجیوں کے لیے کھانا پکانا شروع کرتے اور مکہ منیٰ اور عرفات میں جمع لوگوں کی ضیافت کی جاتی۔ اِن کھانوں میں گوشت، گھی چھوارے اور ستو کی ثرید شامل ہوتی۔ باوجود اس کے عرب میں پانی کم ہوتا ہے منیٰ وعرفات میں حضرت ہاشم کی طرف سے آب رسانی کا عمدہ اہتمام موجود تھا۔ لوگ اُن حوضوں کو پانی سے بھرتے رہتے جو خالی ہو جاتے۔ اس طرح حاجیوں کی پانی کی ضرورت ہر دم پوری ہوتی رہتی۔ مناسک حج سے فارغ ہو کر جب یہ لوگ منیٰ سے واپس آتے تب یہ ضیافت اپنے اختتام کو پہنچتی اور لوگ واپسی کے لیے اپنے اپنے مقامات کی طرف روانہ ہو جاتے۔

اب ہم ہاشم کی اولاد کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کا سب سے نامور بیٹا عبدالمطلب تھا جن کی ماں کا نام سلمیٰ تھا۔ حضرت ہاشم نے اُن کو پہلی بار سوق النبط کے تجارتی بازار میں دیکھا تھا۔ عرب کے دیگر بازاروں کی طرح یہ بازار بھی سال میں ایک بار ہی لگتا تھا جو نبطی قوم کا ایک بازار تھا۔ جہاں یہ بازار لگتا تھا اس مقام کا نام بھی اس بازار کی نسبت سے سوق النبط پڑھ گیا تھا اور یہ مدینے کے راستے میں تھا۔ حضرت ہاشم اس وقت ایک تجارتی قافلہ لے کر سوق النبط کے قریب سے گزر رہے تھے کہ بازار لگا دیکھ کر انھوں نے اپنے قافلے کو یہیں رُک جانے کا حکم دیا۔ وہیں حضرت ہاشم نے سلمیٰ کو دیکھا کہ وہ خاتون اپنے ملازمین کو مختلف احکامات دے رہی ہے۔

حضرت ہاشم نے لوگوں سے پوچھا یہ خاتون کون ہے جو خوبصورت بھی ہے اور دور اندیش اور مستقل مزاج بھی نظر آتی ہے۔

لوگوں نے انھیں بتایا کہ اِن کا نام سلمیٰ ہے"۔

ہاشم نے اُن سے دریافت کیا کیا اس کی شادی ہو چکی ہے؟

لوگوں نے کہا:

ہاں شادی ہوئی تھی مگر اس کا خاوند انتقال کر چکا ہے اِن کے خاوند کا نام احیحہ بن الجلال تھا جس کی صلب سے سلمیٰ کے دو بیٹے ہیں جن کے نام عمرو اور معید ہیں۔

اُن لوگوں نے ہاشم کو اس عورت کے بارے میں مزید بتایا کہ یہ عورت اُن میں عزت و شرف کی مالک سمجھی جاتی ہے بہت مالدار ہے اس لیے لوگ اس کو شادی کے پیغام بھیجتے ہیں مگر اُس کی کڑی

شرائط کی وجہ سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں''۔

سلمیٰ کہتی ہے کہ وہ اس سے نکاح کرے گی جو اسے طلاق دینے کا حق تفویض کرے گا۔ دراصل وہ چاہتی ہے کہ اگر خاوند اس کو پسند آجائے تو وہ اس کو اپنا لے گی ورنہ اپنی مرضی سے اس سے الگ ہوجائے گی۔ حضرت ہاشم خود بہت خوبصورت تھے اور انھیں یہ عورت دل سے اچھی لگی تھی۔

ہاشم کے متعلق علامہ محمود شکری آلوسی نے اپنی کتاب بلوغ الارب میں کہیں لکھا ہے کہ!

''وہ لوگوں کی مدد کرنے والے تھے، خوش رو، خوش اخلاق تھے۔ بلند و بالا قامت اور سرخ سفید رنگ کی بدولت جو بھی انھیں دیکھتا اِن کے ہاتھ چوم لیتا اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا نور اُن کے چہرے پہ ضوفشاں تھا''۔

چنانچہ جب حضرت ہاشم نے اِس عورت یعنی سلمیٰ کو نکاح کی دعوت دی تو اس نے بخوشی قبول کرلیا کیونکہ حضرت ہاشم کا حسب اور نسب عربوں میں اس رفعت پہ تھا کہ مشکل ہی سے کوئی اِن سے ناتا جوڑنے سے انکار کرسکتا تھا۔

اس لیے سلمیٰ نے حضرت ہاشم کا پیغام خوشی سے قبول فرمالیا اور اُن کے نکاح میں آگئیں۔ اس رات حضرت ہاشم نے اپنی بیوی سے صحبت کی اور دوسرے دن اپنے قافلے والوں کے لیے ولیمہ کی دعوت کی۔

حضرت ہاشم کے ولیمے میں قریش کے چالیس لوگ شامل تھے جو اِن کے قافلے میں شامل تھے۔ اِن کے علاوہ بنی عبدمناف، بنی مخزوم اور بنی سہم کے کچھ لوگ بھی اُن کے ولیمے میں شامل ہوئے اور کچھ لوگ وہ تھے جو اہل مدینہ میں سے تھے اور سلمیٰ کے میکے والے تھے۔

اپنی بیوی کے پاس کچھ دن رکنے کے بعد حضرت ہاشم اپنے تجارتی قافلے کو لے کر شام کی طرف روانہ ہوگئے جب وہ غزہ کے مقام پر پہنچے تو وہ بیمار ہوگئے اُن کا قافلہ رک گیا اور اس وقت تک رکا رہا جب تک کہ حضرت ہاشم نے وفات پائی اور اس وقت حضرت ہاشم جوان ہی تھے اور اُن کی عمر مورخین نے پچیس سال کے لگ بھگ لکھی ہے۔

ہاشم کی کنیت ابو یزید تھی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُن کی کنیت اُن کے بیٹے اسد کے نام پہ تھی یعنی لوگ انھیں ابواسد کہہ کر پکارتے تھے۔

ادھر اُن کی آخری بیوی سلمیٰ بھی حمل سے تھیں۔ وقت پورا ہونے پہ اُن کے ہاں ایک بیٹے نے جنم لیا جس کے سر پہ کچھ سفید بال تھے اس لیے اُن کی ماں نے اُن کا نام شیبہ رکھا اور یہی شیبہ عبدالمطلب ہیں جو ہمارے پیارے رسول محمد ﷺ کے دادا ہیں اور عرب انھیں شیبہ الحمد کے نام سے جانتے ہیں۔ مورخین نے حضرت ہاشم کی اولاد کی تفصیلات فراہم کی ہیں جو ہم یہاں درج کر رہے ہیں انھوں نے لکھا ہے کہ حضرت ہاشم کے چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں۔

- شیبہ الحمد (لوگ انھیں عربوں کے سردار عبدالمطلب کے طور پہ جانتے ہیں جو ساری عمر اہل قریش کے سردار رہے۔
- رقیہ بنت ہاشم (بچپن میں ہی وفات پا گئیں)
- ابو صیفی (یہ حضرت ہاشم کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور اِن کا نام عمرو تھا)۔
- صیفی بن ہاشم (ابو صیفی یعنی عمرو اور صیفی بن ہاشم سگے بھائی تھے اور اُن کی ماں کا نام ہند تھا)۔
- نھلہ بن ہاشم
- شفاء بنت ہاشم
- رقیہ بنت ہاشم (اِن تینوں کی والدہ کا نام اُمیہ تھا)
- ضعیفہ بنت ہاشم
- خالدہ بنت ہاشم (اِن کی والدہ کا نام اُم عبداللہ تھا)
- حنہ بن ہاشم (اِن کی ماں عدی تھیں بنت حبیب بن الحارث بن مالک)۔

جب حضرت ہاشم وفات پا گئے تو عربوں میں اس بات کا بہت دکھ پایا جاتا تھا چنانچہ حضرت ہاشم کی بیٹی خالدہ کا ایک مرثیہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

بکر الزّعی بخیر من وطی الحصی

ذی المکرمات و ذی الفعال الفاضل

پیغام گومرگ نے سویرے ہی ایسے شخص کی موت کی خبر سنائی جو زمین پر چلنے والوں میں سب سے اچھا اور صاحبِ افعال بزرگ تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

بالسَّیِدِ الغمر السَیِّدُ ذی النُّھٰی

مَاضِی العزیمَۃِ غیر نکسٍ داخِلٍ

وہ ایسے شخص کی موت خبر تھی جو سردار تھا، وسیع الاخلاق تھا، شریف و سخی شجاع و متواضع تھا، دانشمند، ناقد العزم تھا ضعیف الرائے پیر فرتوت نہ تھا نہ وہ سفلہ کمینہ اور پست ہمت آدمی تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

زین العَشِیرَۃِ کُلِّھَا وَ رَبِیعھَا

فی الطبقات وفی الزّمانِ الملحل

متواتر خشک سالی وقحط کے زمانے میں وہ خاندان کی زینت ورونق و بہار کا باعث تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اِنّ المھذ ب من لُوَیّ کلِّھَا

بالشامِ بین سفائحٍ و جَنَا دلٍ

تمام خاندانِ لوئی کا مہذب ترین شخص ملک شام میں اس وقت آخشتہٴ سنگ وخاک ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

فابکی علیہ مَا بَقیتِ بِعَوْنَۃٍ

فلقد رذئتِ اخا ندی و فواضِل

توجب تک زندہ ہے اس پرزاروزار روتی رہ۔اس لیے کہ تجھے ایسے بزرگ کی مصیبت اٹھانی پڑی ہے جوصاحبِ فیض وبزرگی تھا۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَلقد رذئتِ قرِیع فِہرِ کُلِّھَا

وَرئیسھا فی کُلِّ اَمرِ شَامِل

تجھے ایسے شخص کی مصیبت اٹھانی پڑی ہے جوتمام قبیلےفہر کا سردار تھااور ہرامروشامل میں سب کا رئیس ماناجاتا تھا۔ [18*]

۞۞۞۞۞۞۞۞

عبدمناف اپنی قوم کاسچا سردار تھااوراس نے اپنی قوم کی فلاح کے لیے بہت سے کام کیے جس کی وجہ سے لوگ اُن سے محبت کرتے تھے۔اُن کا اصل نام مغیرہ تھااوراپنے بیٹے مناف کی وجہ سے اُن کی کنیت عبدمناف تھی۔وہ لوگ جوعبدمناف سے محبت کرتے تھےاُن میں ایک مطرود بن کعب الخزاعی بھی تھاجوعربوں کا بہت بڑاشاعر تھاجب عبدمناف کے بیٹے ایک ایک کرکےفوت ہونے لگے یعنی حضرت ہاشم جوان ہی تھے جب انھوں نے غزہ میں وفات پائی،اُن کے بعدیمن کے مقام رومان میں اُن کے دوسرے بیٹے مطلب نے وفات پائی،اس کے بعدعبدشمس نے حجون کےقریب وفات پائی اوراُن کے آخری بیٹے نوفل بن عبدمناف کی موت کی خبرعراق سے آئی۔وہ عراق کے سلمان نامی شہر میں انتقال کرگئے تھے۔نوفل عبدمناف کے آخری بیٹے تھےجن کی موت کی خبر نے مطرودکو افسردہ کردیااوراُس نے آلِ عبدمناف کے دکھ میں ایک مرثیہ کہاجس کے کچھ اشعار یہاں پیش کیے

جارہے ہیں۔

یَا لَیْلَۃً ھَیَّجَتْ لَیْلَاتٍ
اِحْدَی لَیَالِیَّ الْقَسِیَّاتِ

اے سخت راتوں کی ایک رات! تو نے بہت سی راتوں کو ہیجان اور پریشانی میں گذارنے پر مجبور کردیا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَمَا اُقَاسِیْ مِنْ ھُمُوْمٍ وَّمَا
عَالَجْتُ مِنْ رُزْءِ الْمَنِیَّاتِ

اوراے وہ غم واندوہ ! جو میں سہہ رہاہوں اوراے وہ موتو جن کی تکلیف میں برداشت کر رہاہوں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اِذَا تَذَ کَّرتُ اَخِیْ نَوْفَلاً
ذکَّرَنِیْ بِالْاَوَّلِیَّاتِ

جب میں اپنے بھائی نوفل کو یاد کرتا ہوں تو اس کی یاد مجھے اس کے دوسرے بھائیوں کی یاد دلاتی ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ذَكَّرَنِى بِالْاَزُرِ الْحُمْرِوَاز
اَدْرِيَةِ الصُّفرِ ا لْقَشِيَّاتِ

اس کی یاد مجھے سرخ تہمندوں اورزرد پاک وصاف چادروں کی یاددلاتی ہے۔

ذَكَّرَنِى كُلُّهُمْ سَيِّدٌ
اَبْنَاءُ سَادَاتٍ لِسَادَاتِ

چارشخص ایسے تھے جوسب کے سب سردار تھےاوروہ خودبھی سرداروں کی اولاد تھے۔

مَيّتٌ بِردْمَانَ وَمَيْتٌ بِسَكْ
مَانَ وَمَيّتٌ بَيْنَ غَزَّاتِ

وہ نعش جومقام رومان میں گاڑی گئی اوروہ نعش جومقام سلیمان میں دفن کی گئی،اوروہ نعش جو مقام غزہ میں میں دفن کی گئی۔

وَمَيِّتٌ اُسْكِن لَحْدً الَّدَىْ
مَحْجُوبِ شَرْقِىَّ الْبَنِيَّاتِ

اوروہ نعش جواس لحد میں اتاری گئی جوکعبۃ اللہ کے مشرقی مقام حجون میں چھپی ہوئی ہے۔

اَخْلَصَہُمْ عَبْدُ مَنَا فٍ فَھُمْ
مِنْ لَوْمِ مَنْ لَامِ بِمَنْجَا تِ

اِن سب کا خلاصہ اور اِن سب میں ممتاز ہستی تو عبد مناف ہی ہیں جو ملامت گروں کی ملامت سے بالکل پاک ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اِنَّ الْمُغِیْرَاتِ وَاَبْنَاءِ ھَا
مِنْ خَیْرِ اَحْیَاءٍ وَ امْوَاتِ

بنی مغیرہ اور اس قبیلے کے لڑکے زندوں اور مردوں میں سے بہترین ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ابن ہشام نے سیرۃ النبی" **الکامل** "میں لکھا ہے کہ جب عربوں نے مطرود کے یہ اشعار سنے تو انھوں نے مطرود پہ طعن کیا کہ تم اتنے عمدہ شاعر ہو مگر تمھارے یہ اشعار زبان و بیان کی غلطیوں سے پر ہیں تو اسکی آخر کیا وجہ ہے۔ مطرود نے جب خود اپنے اشعار پہ غور کیا تو اس نے محسوس کیا کہ لوگوں کی درست بات کی ہے۔ چنانچہ اس نے لوگوں سے کہا کہ وہ اسے چند راتوں کی مہلت عطا کریں تو وہ اسی موضوع پہ اس سے بہتر اشعار کہے گا۔ پھر مطرود نے لوگوں سے کیے گئے وعدے کے مطابق بنی عبد مناف کا مرثیہ دوبارہ لکھا اور لوگوں نے اس کے اشعار کی تعریف کی۔ ان میں سے کچھ اشعار پیش خدمت ہیں۔

یَا عَیْنُ جُوْدِیْ وَاَذْرِی الدَّمْعَ وَانْھَمِرِی
وَاَبْکِی عَلَی السِّرِّمِنْ کَعْبِ الْمُغِیْرَاتِ

اے آنکھ سخاوت کر! آنسو بہا، اور بنی مغیرہ کے لیے چھپ چھپ کے رو جو کعب اشرف کی

اولاد تھے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

يَاعَيْنُ وَاسْحَنْفِرِي بِالدَّمْعِ وَاحْتَلِي
وَابْكِي خَبِيئَةَ نَفْسِي فِي الْمَلِمَّاتِ

اے آنکھ! خوب تیزی سے آنسوؤں کا تار باندھ دے اور آفات میں جو لوگ میرے دل کے اندر رہتے ہیں اُن پہ رو۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَابْكِي عَلَى كُلِّ فَيَّاضٍ اَخِي ثِقَةٍ
ضَخْمِ الدَّسِيعَةِ وَهَّابِ الْجَزِيلَاتِ

رو ایسے شخص پر جو فیاض اور بھروسے کے قابل ہو جو بڑی بڑی عطاؤں اور بڑے بڑے انعامات دینے والا ہو۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

مَحْضِ الضَّرِيبَةِ الْهَمِّ مُخْتَلِقٍ
جَلْدًا لِنَّحِيزَةِ نَاءٍ بِالْعَظِيمَاتِ

پاک فطرت والا! عالی ہمت، قوی مزاج، بڑی بڑی آفتوں میں ثابت قدم رہنے والا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

صَعْبِ الْبَدِيهَةِ لَا نِكْسٍ وَلَا وَكِلٍ
مَاضِ الْعَزِيمَةِ مِتْلَافِ الْكَرِيمَاتِ

پہلی نظر میں نہایت سخت معلوم ہونے والا، اچھی اچھی قیمتی چیزوں کو سیر چشمی سے لٹانے والا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

صَقْرٍ تَوَسَّط مِنْ اِذَا نُسِبُوْا
بِحَبُوْحَۃَ الْمَجِدَ والشُّمَّ الرِّفْیْعَاتِ

اُن سے نسب پوچھا جائے تو وہ بنی کعب کا شہباز تھا خاندانی شرافت اور بلند و اعلیٰ بستیوں میں منتخب۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ثُمَّ انْدُبِیْ الْفَیَّا ض َ مُطَّلِبًا
وَاسْتَحْرَطِی بَعْدَفَیْضَاتٍ بِجمَّاتِ

پھر فیاض مطلب پر ماتم کر جو سرتا پا رحمت تھا اس طرح کے فیوضِ کثیرہ کے جانے کے بعد خوب ماتم کر۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اَمْسیٰ بِرَدْمَانَ عَنَّا الْیَوْمَ مُغْتَرِبًا
یَالَھْفَ نَفْسِیْ عَلَیْہِ بَیْنَ اَمْوَاتِ

آج وہ ہم سے دور غریب الدیار رومان میں پڑا ہے اور افسوس تو یہ ہے کہ مردوں کے درمیان پڑا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَاَبْکِیْ لَکَ الْوَیْلُ اِمَّا کُنْتِ بَاکِیَۃً
لِعَبِدِ شَمْسٍ بِشَرْقِیّ الْبَنِیَاتِ

اے کم بخت! اگر تجھے رونا ہے تو عبد شمس کے لیے رو، جو کعبۃ اللہ کے مشرق میں ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَهَاشِم فِي ضَرِيحٍ وَسْطَ بَلْقَعَةٍ
تَسْفِي الرِّيَاحُ عَلَيْهِ بَيْنَ غَزَّاتِ

اور ہاشم کے لیے رو جو صحرا کے درمیان ایک قبر میں ہے اور عزت کی ہوائیں اس پہ ریت اڑاتی رہتی ہیں۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَنَوْفَلٍ كَانَ دُوْنَ الْقَوْمِ خَالِصَتِى
اَمْسَى بِسَلْمَانَ فِى رَمْسٍ بِمَوْمَاةٍ

اور نوفل کے لیے رو! جو میرے خالص دوستوں میں سے تھا اور مقام سلیمان کے چٹیل میدان میں زمین دوز قبر میں چلا گیا۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

لَمْ اَلْقَ مِثْلَهُمْ عَجْمًا وَلَا عَرَباً
اِذَا اسْتَقَلَّتْ بِهِمْ اُدْمُ الْمَطِيَّاتِ

جب گندمی رنگ کی اونٹنیوں نے انھیں اٹھایا تو اِن کے بعد مجھے اُن سا نہ کوئی عربوں میں ملا نہ عجمیوں میں۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

اَمْسَتْ دِيَارُهُمْ مِنْهُمْ مُعَطَّلَةً
وَقَدْ يَكُوْنُوْنَ زَيْنًا فِى السَّرِيَّاتِ

اب تو ان کی بستیاں ان سے خالی ہوگئی ہیں لیکن ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ وہ اپنے لشکروں کی زینت ہوا کرتے تھے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

اَفْنَا هُمُ الدَّهْرُ اَمْ كَلَّتْ سُيُوْفُهُمْ
اَمْ كُلٌّ مِنْ عَاشَ اَزْوَادُ الْمَنِيَّاتِ

زمانے نے انھیں فنا کر دیا اور اِن کی تلواریں کند ہو گئیں یا کہ ہر زندگی والے کے لیے ایک دن موت کا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اَصْبَحْتُ اَرْضَى مِنَ الْاَقْوَامِ بَعْدَهُمْ
بَسْطَ الْوُجُوْهِ وَاِلْقَاءَ التَّحِيَّاتِ

ان کے بعد میں نے لوگوں سے کنارا کر لیا ہے اور صرف سلام دعا پہ اکتفاء کر لی ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

يَاعَيْنُ فَا بْكِى اَبَا الشُّعْثِ الشَّجِيَّاتِ
يَبْكِيْنَهُ حُسَّرًا مِثْلَ الْبَلِيَّاتِ

اے آنکھ! ابو العشت (ہاشم) پہ رو کہ عورتیں بغیر چادروں کے اس کی قبر پہ بندھی ہوئی اونٹنیوں کی طرح رو رہی ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

يَبْكِيْنَ اَكْرَمَ مَنْ يَمْشِى عَلٰى قَدَمٍ
يُعْوِلْنَهُ بِدُمُوْعٍ بَعْدَ عَبْرَاتٍ

وہ جو زمین پہ چلنے والوں میں سب سے عمدہ تھا اور عزت والا تھا عورتیں اس کے غم میں چیختی ہیں، چلاتی ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

يَبْكِيْنَ شَخْصًا طَوِيْلَ الْبَاعِ ذَا فَجَرٍ
اَبِي الْهَضِيْمَةِ فَرَّاجَ الْجَلِيْلَاتِ

وہ عورتیں ایسے شخص پہ روتی ہیں جو کشادہ دست اور صاحبِ جود وسخا تھا ظلم برداشت نہ کرنے والا تھا اور بڑی بڑی مہمیں سر کرنے والا تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

يَبْكِيْنَ عَمْرَوالْعُلَا اِذْ حَانَ مَصْرَعَہٗ
سَمْحَ السَّجِيَّةِ بَسَّامَ الْعَشِيَّاتِ

وہ بلند مرتبہ عمرو پہ روتی ہیں جب اس کی موت کا وقت آ گیا تب بھی وہ نہایت وسیع اخلاق والا اور مہمان نواز تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

يَبْكِيْنَہٗ مُسْتَكِيْنَاتٍ عَلٰى حَزَنٍ
يَاطُوْلَ ذَالِكَ مِنْ حُزْنٍ وَعَوْلَاتٍ

اس کے غم میں وہ دھاڑیں مار مار کے روتی ہیں ہائے یہ غم اور یہ چیخیں کس قدر دراز ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

يَبْكِيْنَ لَمَّا جَلَاهُنَّ الزَّمَانُ لَہٗ
خُضْرًا لْخُدُوْدِ كَاَمْثَالِ الْحَمِيَّاتِ

جب زمانے نے اُن عورتوں کو گھروں سے ہاشم پہ ماتم کرنے کے لیے گھر سے نکالا تو اِن کے گال نیلے ہو گئے تھے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

مُحْتَزِمَاتٍ عَلٰی اَوْسَاطِهِنَّ لِمَّا
جَرَّ الزَّمَانُ مِنَ اَحْدَاثِ الْمُصِيْبَاتِ

جب زمانے نے اُن پہ نئی نئی مصیبتیں ڈالیں تو وہ بھی کمریں باندھ کر تیار ہو گئیں۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

اَبِيْتُ لَيْلِيِ اُرَاعِيُ النَّجْمَ مِنْ اَلَمٍ
اَبْكِيَ وَتَبْكِي مَعِيُ شَجْرِيُ بُنَيَّاتِي

میں رنج والم میں تارے گن کے رات گذارتا ہوں خود بھی روتا ہوں اور میرے غم میں شریک ہونے کے لیے میری لڑکیاں بھی روتی ہیں۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

مَا فِي الْقَوْمِ لَهُمْ عِدْلٌ وَلَا خَطَرٌ
وَلَا لِمَنْ تَرَكُوْا شَرْوَى بَقِيَّاتٍ

سردارانِ قوم میں اُن لوگوں کا برابر والا اور ایسی شان وشوکت والا کوئی نہیں اُن میں جو باقی بچے ہیں۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

اَبْنَاؤُهُمْ خَيْرُ اَبْنَاءٍ وَاَنْفُسُهُمْ
خَيْرُ النُّفُوْسِ لَدَى جَهْدِ الْاُلِيَّاتِ

ان کے تمام بچے دوسروں کے بچوں سے بہتر ہیں اور وہ خود تمام اشخاص سے بہتر ہیں یعنی جب دوسرے کوشش کر کے تھک جاتے ہیں تو یہ نہیں تھکتے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

كَمْ وَهَبُوْا مِنْ طِمِرٍّ سَابِحٍ اَرِنٍ
وَمِنْ طِمِرَّةٍ نَهْبٍ فِىْ طِمِرَّاتٍ

انھوں نے کتنے بہترین چست اور چالاک تیز دوڑنے والے گھوڑے لوٹ مار میں کام آنے والی تیز گھوڑیاں اور عالیشان محلات خیرات کردیئے۔

وَمِنْ سُيُوْفٍ مِنَ الْهِنْدِىّ مُخْلَصَةٍ
وَمِنْ رِمَاحٍ كَاشْطَانِ الرَّكِيَّاتِ

اور کتنی ڈھیٹ ہندی تلواریں ہیں اور باولیوں کی رسیوں سے بندھے لمبے لمبے نیزے۔

وَمِنْ تَوَابِعَ مِمَّا يُفْضِلُوْنَ بِهَا
عِنْدَ الْمَسَائِلِ مِنْ بَذْلِ الْعَطِيَّاتِ

اور لونڈی غلام جن پہ لوگ فخر کرتے ہیں یہ لوگوں میں اُن کو یونہی بانٹ دیتے ہیں۔

فَلَوْ حَسَبْتُ وَاَحْصَى الْحَاسِبُوْنَ مَعِى
لَمْ اَقْضِ اَفْعَالَهُمْ تِلْكَ الْهَنِيَّاتِ

اگر میں اور میرے دوسرے محاسب مل کر بھی ان کے پسندیدہ اعمال شمار کرنا چاہیں تو بھی شمار نہ کرسکیں۔

هُمُ الْمُدِلُّوْنَ اِمَّا مَعْشَرٌ فَخَرُوْا
عِنْدَ الْفَجَارِ بِاَنْسَابٍ نَقِيَّاتٍ

اگر لوگ اُن سے فخر کریں تو ایسے فخر کے وقت یہ لوگ ایسے نسبوں پہ ناز کریں گے جو بالکل پاک صاف ہیں۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

زَيْنُ الْبُيُوْتِ الَّتِیْ خَلُّوْا مَسَاكِنَهَا
فَاَصْبَحَتْ مِنْهُمْ وَحْشًا خَلِيَّاتٍ

جن گھروں کو انھوں نے چھوڑ دیا وہ اِن کی زینت تھے اب وہ مقامات ان لوگوں سے خالی ہو کے ڈراؤنے ہو گئے تھے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

اَقُوْلُ وَالعَيْنُ لَا تَرْقَا مَدَامِعُهَا
لَا يُبْعِدُ اللّٰهُ اَصْحَابَ الرَّزِيَّاتِ

یہ باتیں میں اس حالت میں کہہ رہا ہوں کہ آنکھوں کے آنسو خشک نہیں ہو رہے ہے اللہ تعالیٰ اِن آفت رسیدوں کو اپنی رحمت سے دور نہ فرمائے۔(19*)

۞۞۞۞۞۞۞۞

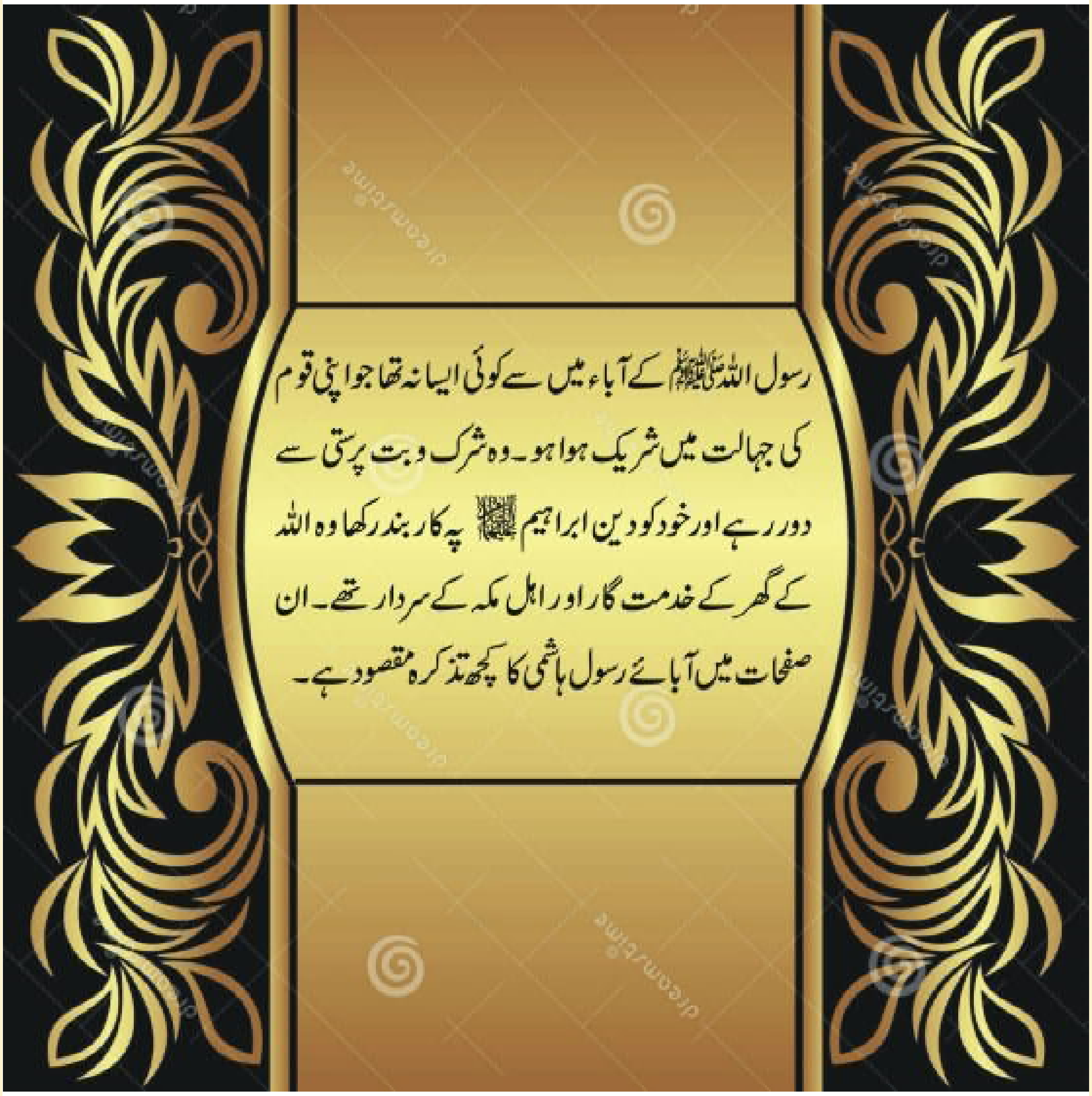
رسول اللہ ﷺ کے آباء میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو اپنی قوم
کی جہالت میں شریک ہوا ہو۔ وہ شرک و بت پرستی سے
دور رہے اور خود کو دین ابراہیم علیہ السلام پہ کاربند رکھا وہ اللہ
کے گھر کے خدمت گار اور اہل مکہ کے سردار تھے۔ ان
صفحات میں آبائے رسول ہاشمی کا کچھ تذکرہ مقصود ہے۔

حضرت عبدالمطلب

حضرت عبدالمطلب بن ہاشم نبی اکرم ﷺ کے دادا تھے۔ حضرت ہاشم کے بعد تولیت کعبہ اُن کے سپرد ہوئی۔ وہ اہل قریش کے سردار تھے اور انھوں نے اپنی قوم میں اس قدر بلند رتبہ حاصل کر لیا تھا۔ جو اِن کے آباء میں سے کسی کے حصے میں نہ آیا تھا۔ ہشام بن محمد نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ حضرت عبدالمطلب قریش میں سب سے زیادہ خوش رو، سب سے زیادہ بلند قامت، سب سے زیادہ بردبار یعنی متحمل مزاج تھے۔ وہ قریش میں سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے تھے اور سب سے زیادہ جاہلیت کی باتوں سے دور رہنے والے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ خطے کا کوئی بادشاہ نہ تھا جس نے اِن کو دیکھا ہو اور اِن کی تعظیم و تکریم نہ کی ہو۔ وہ جب تک زندہ رہے قریش کے سردار رہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اُن کے ساتھ زندگی کے ابتدائی آٹھ سال گذارے تھے اور حضرت عبدالمطلب اُن کے ساتھ شدید محبت کرتے تھے حتیٰ کہ بیت اللہ کے صحن میں ایک گھنے درخت کے سائے تلے جب حضرت عبدالمطلب کا دیوان بچھایا جاتا تو اس تخت پہ کوئی نہ بیٹھتا تھا اور نہ اُن کے بیٹے کسی کو اس تخت پہ بیٹھنے دیتے تھے مگر نبی اکرم ﷺ کو استثنیٰ

حاصل تھا اس لیے کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کر رکھی تھی کہ محمد ﷺ کو اس تخت پہ بیٹھنے سے نہ روکا جائے کیونکہ تم نہیں جانتے مگر میں جانتا ہوں کہ میرا یہ پوتا بڑی شان والا ہوگا۔

کہتے ہیں عربوں کے اُس گھر میں جسے دارالندوہ کہا جاتا ہے چالیس سال سے کم عمر کا کوئی آدمی داخل نہ ہو سکتا تھا اس لیے کہ وہاں قوم کے وہ معاملات زیر بحث آتے تھے جن کا تعلق اہم قومی اور قبائلی معاملات سے ہوتا تھا مگر وہاں بھی نبی اکرم ﷺ اپنے دادا کے ساتھ تشریف فرما ہوتے۔ ایک بار امیہ بن حرب نے اس بات پہ اعتراض بھی کیا مگر حضرت عبدالمطلب نے اسے درخورِ اعتناء نہ جانا۔

حضرت عبدالمطلب نے اپنا بچپن مدینہ میں گذارا اور آپ کی والدہ کا نام سلمٰی تھا جن کا تعلق مدینہ کے ایک اہم قبیلے بنونجار سے تھا۔ حضرت ہاشم کے تذکرے میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ہاشم ایک تجارتی قافلہ لے کر شام کی طرف رواں تھے کہ انھوں نے سوق النبط میں عارضی قیام کے دوران بنی

نجار کی ایک خاتون سلمٰی کو دیکھا اور اسے نکاح کا پیغام پہنچایا جسے بنی نجار کی اس معزز خاتون نے خوشی سے قبول فرمالیا۔ حضرت ہاشم نے اُن سے نکاح کیا اور اُن کے ساتھ کچھ دن قیام کرنے کے بعد شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

تاہم شام پہنچنے سے قبل ہی وہ غزہ کے مقام پر علیل ہو کر وفات پا گئے۔ مگر اُن کی بیوی سلمیٰ کو حمل رہ گیا تھا اور اُن کے ہاں ایک بیٹے نے جنم لیا جس کا نام انھوں نے شیبہ رکھا۔ انھوں نے اپنا بچپن اپنی ماں ہی کے ساتھ مدینہ میں گذارا۔

خاندانِ عبدمناف کو ہاشم کی وفات کا اتنا صدمہ تھا کہ وہ بہت عرصے تک اپنی اس بہو اور پوتے کو بھولے رہے پھر سات سال اسی طرح گزر گئے حتیٰ کہ اہل مدینہ کا ایک شخص ثابت بن المنذ ر عمرے کی نیت سے مکہ آیا اور عبدمناف کے بیٹے مطلب سے ملا۔ یاد رہے کہ ثابت بن المنذ ر نبی اکرم ﷺ کی مدح کرنے والے شاعر حسان بن ثابتؓ کے والد تھے۔

ثابت بن المنذ ر نے مطلب سے کہا:

تم نے اپنے بھتیجے کو مدینہ میں کیوں چھوڑ رکھا ہے خدا کی قسم وہ تمھاری امانت ہے اور اللہ اس کے

ذریعے تم کو برکت عطا فرمائے گا میں نے اسے مدینہ کے بچوں سے ساتھ تیز اندازی کرتے دیکھا ہے اور جب اُس کا تیر نشانے پہ لگتا ہے تو وہ کہتا ہے۔

اَنَا ابْنُ ھاشِم اَنَا ابنُ سَیّدِ الْبَطحَاء

میں ہاشم کا فرزند ہوں میں وادئ بطحاء کے سردار کا بیٹا ہوں۔

چنانچہ مطلب نے جب اپنے بھتیجے کے یہ اوصاف سنے تو بے چین ہوا اٹھے اور کہا۔ مجھے اتنی تاخیر بھی گوارا نہیں کہ شام کا انتظار کروں وہ اسی وقت اپنی اونٹنی پہ سوار ہوئے اور مدینے کی طرف روانہ ہو گئے۔ چنانچہ مطلب جب مدینہ پہنچے تو انھوں نے تیرانداز لڑکوں میں سے شیبہ کو پہچان لیا۔

اس لیے کہ مطلب کو اُن میں اپنے بھائی کی شباہت نظر آ گئی تھی اُن کی آنکھیں اپنے بھائی کی یاد میں بہنے لگی تھیں اور اپنے بھائی کی اس نشانی کو دیکھ کر اُن کو بہت سکون محسوس ہوا تھا وہ آگے بڑھے اور اپنے بھتیجے کو گلے سے لگا لیا۔

مطلب نے شیبہ سے کہا:

بیٹا میں تیرا چچا ہوں اور تجھے اپنی قوم میں لے جانے کے لیے آیا ہوں۔

شیبہ اپنے چچا کو دیکھ کے بہت خوش ہوا۔

اُس نے کہا:

مگر میں اپنی ماں کی اجازت کے بغیر آپ کے ساتھ کیسے جا سکتا ہوں اگر چہ میری خواہش یہی ہے کہ میں اپنی قوم کے بیچ رہوں۔

مطلب اپنے بھتیجے کی اِن پختہ باتوں سے بہت خوش ہوئے یہ اشعار انھوں نے اسی موقع پہ کہے تھے

۔

عَرَفْتُ شَیْبَۃَ وَالنّجار قد حفلتْ

ابنا ؤھَا حوْلَہُ بالنّبلِ تَنتضل

میں نے شیبہ کو پہچان لیا اور ایسی حالت میں پہچانا کہ قبیلہ بنی نجار کے لڑکے اس کے اردگرد تیر اندازی کے لیے مجمع کیے ہوئے تھے۔

عَرَفت اَجْلادَہٗ منا و شیمَتَہ'
فَفَاض َمِنّی عَلَیۡہِ وَابِلٌ سَبَلٌ

میں نے پہچان لیا کہ اس کا زورِ بازو وطور طریق ہم میں سے ہے اور یہ پہچان کر میری آنکھیں اس پہ آنسوؤں کے ڈونگرے برسانے لگی تھیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی دوران ہاشم کی بیوی سلمٰی کو معلوم ہو گیا کہ مطلب شیبہ کو لینے آیا ہے۔اس نے پیغام بھیجا کہ تم میرے پاس آکر کیوں نہیں ٹھہرتے آخر تم میرے دیور ہو۔مطلب نے سلمٰی کے غلام کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ:

مجھے تکلفّات سے علاقہ نہیں میں اپنے بھتیجے کو اپنی قوم میں لے جانے کے لیے آیا ہوں اس لیے کہ وہ سن شعور کو پہنچ چکا ہے اور ایک غیر قوم میں اجنبی ہے ہم لوگ اس خاندان سے ہیں جو عربوں کا سردار ہے اس لیے ہم پسند نہیں کرتے کہ ہماری نسل غیروں میں پروان چڑھے اس لیے تم مجھے اس بات کی اجازت دے دو کہ میں اپنے بھتیجے کو اس کی قوم میں پہنچا دوں۔

سلمٰی نے جوابی پیغام بھیجا کہ میں شیبہ کے بغیر نہیں رہ سکتی وہ میرے محروم شوہر کی آخری نشانی ہے اس لیے تم اسے کبھی نہ لے جا سکو گے۔

اس موقع پر اس نے یہ شعر بھی کہے۔

ابلغ بنی النّجاران جُئتَہُمْ
انی مِنْہُمْ وابنھُم وانحمیسن

بنی نجار کے پاس آنا تو اِن سے کہہ دینا کہ میں بھی اور یہ لڑکا بھی انھی کی جماعت سے ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رَأَیتھُمۡ قوما اذا جِئتَھُمۡ
ھووا لِقائی و اَحبّوا حَسِیۡسِیۡ

میں نے دیکھا کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس آئے تو وہ میری ملاقات کے خواہش مند ہوتے ہیں اور میری آہٹ تک سے بھی محبت رکھتے ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اس کے بعد مطلب سلمٰی سے ملنے چلے گئے اور انھوں نے سلمٰی سے ایک لمبی بحث کی کہ اُن کا بیٹا اپنی قوم میں رہ کر ہی ناموری حاصل کرسکتا ہے۔

آخر سلمٰی نے مطلب کو اجازت دے دی کہ وہ اپنے بھتیجے کو مکہ لے جائیں۔

چنانچہ مطلب نے اپنے بھتیجے شیبہ کو اپنی اونٹنی پر اپنے ساتھ سوار کیا اور مکہ کی طرف روانہ ہوگئے۔کئی دن کے صعوبت آمیز سفر کے بعد جب یہ دونوں چچا بھتیجا مکہ پہنچے تو اس وقت شدید دوپہر تھی اور اِن مسافروں کے چہرے اور لباس صحرا کی دھول سے اٹے ہوئے تھے جب وہ بیت اللہ کے قریب سے گزرے تو اس وقت مشائخ قریش صحن کعبہ میں محفل جمائے بیٹھے تھے۔

انھوں نے سوچا کہ!

مطلب امیر آدمی ہے اور وہ غلام خریدتا رہتا ہے اس لیے یہ اُن کا نیا غلام ہوگا انھوں نے مطلب کی نسبت سے شیبہ کو عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام کہہ کر پکارا۔

اگرچہ مطلب نے اُن لوگوں کو ڈانٹ دیا کہ یہ تو شیبہ ہے میرے بھائی ہاشم کی نشانی۔مگر لوگوں نے جب ایک دفعہ اِن کو عبدالمطلب پکارا تو پھر وہ ساری عمر عبدالمطلب ہی کے نام سے جانے گئے۔

وقت کے ساتھ لوگ اِن کے اصلی نام کو بھول گئے۔

مطلب اپنے بھتیجے سے بہت محبت کرتے تھے انھوں نے ہاشم کی جائیداد اُن کے حوالے کردی۔پھر جب عبدالمطلب خوب جوان ہوگئے اور مطلب بوڑھے ہوگئے تو انھوں نے بیت اللہ کے وہ

مناصب جو ہاشم کی وفات کے بعد سے انھیں کے پاس تھے یعنی رفادہ اور سقایہ یہ بھی عبدالمطلب کے حوالے کر دیئے۔عبدالمطلب صاحب دانش تھے صاحب وقار تھے کسی پہ ظلم و زیادتی نہ کرتے تھے اس لیے وہ اہل مکہ کے باعزت حلقے میں شامل ہو گئے تھے۔

پھر مطلب وفات پا گئے تو اُن کے دوسرے چچا نوفل نے اُن سے بیت اللہ کے مناصب چھیننے کی کوشش کی۔اُن کے کھلے صحنوں والے مکانات اور کئی کنوؤں پہ قبضہ کرلیا۔

حضرت عبدالمطلب نے اہل مکہ سے درخواست کی کہ وہ اِن کی مدد کریں۔

مگر اہل مکہ نے نوفل کی مقبولیت اور طاقت کی وجہ سے گریز کی راہ اختیار کی اور حضرت عبدالمطلب سے کہا:

چونکہ یہ چچا اور بھتیجا کے معاملہ ہے اس لیے وہ کسی ایک کی طرف داری سے خود کو عاجز جانتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت عبدالمطلب نے مدد کے لیے اپنا قاصد مدینے روانہ کیا جہاں اِن کے ماموں رہتے تھے۔

جب حضرت عبدالمطلب کا قاصد مدینے پہنچا اور اس نے آپ کا خط اُن کے ماموں ابوسعد بن ابی نجار کے حوالے کیا تو وہ اسے پڑھ کے رو پڑے۔

انھوں نے اپنے بیٹوں کو پکارا اور کہا ہتھیار لگا لو۔

اس کے بعد وہ اسی سواروں کا ایک دستہ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے کئی دن بعد جب وہ مکہ پہنچے تو انھوں نے شہر سے باہر ہی ابطح میں قیام کیا۔

حضرت عبدالمطلب کو اپنے ماموں کے پہنچنے کی خبر ملی تو وہ تیزی سے اُن کے پڑاؤ تک پہنچے اور اُن سے کہا!

آپ یہاں کیوں ٹھہر گئے ہیں میرے گھر چلیے۔

ابوسعد نے جواب دیا؛

بھانجے ہم تیرے گھر ضرور اتریں گے مگر اس سے پہلے ہم نوفل سے نمٹنا چاہتے ہیں جس نے تمھیں لاوارث جانا ہے۔

حضرت عبدالمطلب نے اپنے ماموں کو بتایا کہ وہ اس وقت صحن کعبہ میں اپنے بیٹوں کے ساتھ بیٹھا

ہے۔

ابوسعد اپنے سواروں کو ساتھ لیے تیزی سے بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے اور انھوں نے نوفل کو دیکھ لیا تھا۔

نوفل تیزی اٹھا سے اور ابوسعد کی طرف بڑھا اور کہا:

یَا اَبَا سَعْدٍ اَنْعِمْ صَبَاحًا اے ابو سعد صبح مبارک ہو

(یہ جاہلیت میں اُن کا سلام تھا)۔

ابوسعد نے نوفل کو جواب دیا"۔

لَا اَنْعَمَ اللّٰہُ لَکَ صَبَا حًا (اللہ تیری صبح کو مبارک نہ کرے)

اس کے بعد ابوسعد نے اپنی تلوار میان سے نکال لی جس کی پیروی میں اس کے بیٹوں اور ساتھیوں نے بھی تلواریں نکال لیں اور صحن کعبہ تلوار کی چمک سے منور ہوگیا"۔

نوفل گھبرا گیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ اب خون بہے گا۔

ابوسعد بلند جگہ پہ کھڑا ہو گیا اور کہا؛

اللہ کے اس گھر کی قسم!

اگر تم نے میرے بھانجے کی وہ چیزیں اسے واپس نہ کیں جو تو نے اس سے ہتھیالی ہیں تو صحن کعبہ میں میرا اور میرے بیٹوں کا یا تیرا اور تیرے بیٹوں کا خون بہے گا اس لیے جلدی سے سوچ لے۔

نوفل نے کہا:

میں نے عبدالمطلب کی تمام چیزیں اسے واپس کیں۔

اس بات کا ضامن کون ہے۔

ابوسعد نے اہل مکہ سے پوچھا!

تو نوفل کے اشارے پہ کئی عرب سرداروں نے اس کی ضمانت دے دی جس کے بعد ابوسعد نے تلواریں میان میں کرلیں اور اپنے بھانجے کے گھر چلے گئے۔

کچھ دن بعد ابوسعد نے عمرہ کیا اور اپنے وطن کو لوٹ گئے۔

اہل مکہ اب جانتے تھے کہ حضرت عبدالمطلب کی پشت پہ بنونجار کی تلواریں ہیں اس لیے اُن کی عزت

وتکریم میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔

وہ اپنے مناصب خوبی سے ادا کرنے لگے۔

انھوں نے حاجیوں کی سہولت کے لیے پانی کے کئی نئے حوض تعمیر کرائے اور لوگ اُن سے محبت کرتے تھے۔

اسی اثنا میں ایک دن حضرت عبدالمطلب صحن حرم میں سوئے ہوئے تھے کہ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا اُن سے کچھ کہہ رہا ہے۔(حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبدالمطلب اس روز حجر میں سوئے ہوئے تھے) کہ خواب میں کوئی کہنے والا اُن سے کہہ رہا تھا کہ" **طیبہ** " کی کھدائی کرو۔

میں نے کہنے والے سے پوچھا؟

یہ طیبہ کیا ہے؟

مگر وہ کوئی جواب دیئے بغیر غائب ہو گیا۔

دوسرے دن میں پھر حجر ہی میں سویا ہوا تھا کہ کوئی کہنے والا مجھ سے کہہ رہا تھا۔" **برہ** " کو کھودو!

میں نے کہا کہ برہ کیا ہے؟

مگر وہ کہنے والا مجھ سے کچھ کہے بغیر غائب ہو گیا۔تیسری رات میں پھر حجر میں سویا ہوا تھا کہ وہ آنے والا پھر آیا اور کہا:

" **مضنونہ** " کھودو!

میں نے اُس سے پوچھا۔یہ مضنونہ کیا ہے؟

مگر وہ کوئی جواب دیئے بغیر غائب ہو گیا۔اس اگلی رات وہ کہنے والا پھر میرے خواب میں آیا اور کہا!

" **زم زم** " کو کھودو!

میں چونکہ جانتا تھا کہ زم زم کیا اس لیے میں نے یہ نہ پوچھا کہ زم زم کیا ہے بلکہ یہ پوچھا کہ زم زم کہاں ہے؟

وہ لیداور خون کی جگہ ہے جہاں کوّا اپنی چونچ سے زمین کرید رہا ہے اور پاس ہی ایک چینٹیوں کا بل ہے ۔جب بتانے والے نے مجھے زم زم کے صحیح محل وقوع سے آگا کر دیا تو میں بہت خوش ہوا ۔چنانچہ میں نے اپنی کدال لی اور اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لے کر بیت اللہ کے قریب پہنچا۔اور میں نے اپنے مطلوبہ مقام کو پالیا۔

تکبیر کہی اور کدال لے کر اس جگہ کو کھودنا شروع کر دیا۔

قریش نے دیکھا کہ کوئی بیت اللہ کے صحن کی کھدائی کر رہا ہے تو وہ گھبرا کے دوڑے۔انھوں نے آپ کے ساتھ تکرار کی۔

وہ جگہ جہاں حضرت عبدالمطلب کھدائی کر رہے تھے وہ اِن کے بتوں اساف اور نائلہ کے بیچ تھی ۔اس لیے وہ کہہ رہے تھے کہ ہم تمھیں اپنے معبودوں کو خراب نہ کرنے دیں گے۔اُن کے بیٹے حارث ابھی نوجوان ہی تھے اس کے باوجود انھوں نے اپنی تلوار میان سے باہر نکالی اور اپنے باپ سے کہا:

آپ کھودیں میں دیکھتا ہوں کون آپ تک پہنچتا ہے۔

یہ دیکھ کر حضرت عبدالمطلب نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائیں اور کہا!

اے اللہ میں کمزور ہوں مگر میں تیرے حکم کی وجہ سے اس جگہ کو کھود رہا ہوں کاش میرے دس بیٹے ہوتے تب مجھے اِن لوگوں کی کوئی پرواہ نہ ہوتی۔

پھر انھوں نے نذر مانی۔

اے اللہ اگر میرے دس بیٹے ہوئے اور میری نظروں کے سامنے سب جوان ہو گئے تو میں اُن میں سے ایک کو تیرے اس گھر کی عظمت کی خاطر تجھ پہ قربان کر دوں گا۔قریش نے جب دیکھا کہ عبدالمطلب تو خون خرابے پہ اتر آئے ہیں تو وہ اِن کی راہ سے ہٹ گئے۔

عبدالمطلب نے کھدائی شروع کر دی۔

یاد رہے کہ جب بنو خزاعہ نے بنو جرہم کو مکے سے نکال دیا تھا تب بنو جرہم نے مکے سے نکلنے سے

پہلے زم زم کے کنویں کو بند کر دیا تھا تا کہ بنوخزاعہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔انھوں نے بیت اللہ کا خزانہ بھی اس کنویں میں دفن کر دیا تھا۔پھر کئی سو سال اسی طرح گزر گئے اور لوگ زم زم کے اصل مقام کو بھول گئے۔حضرت عبدالمطلب کھدائی کر رہے تھے کہ تھوڑی دیر بعد ہی کنویں کا ایک کنارہ ظاہر ہو گیا۔لوگوں نے دیکھا کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے مقصود کو پا لیا تو وہ پھر دوڑے آئے ۔پھر وہ خزانہ بھی برآمد ہو گیا جو بنوجرہم جاتے وقت زم زم کے کنویں میں پھینک گئے تھے۔

اس میں سونے کے ہرن تھے درخشاں تلواریں تھیں اور قیمتی زرہیں تھیں۔

لوگ اب پھر حضرت عبدالمطلب سے جھگڑا کرنے لگے تھے۔

کہ یہ ہمارے آباء کی جائیداد ہے ہمارے جد امجد حضرت اسماعیل کا کنواں ہے اس لیے خدا کی قسم ہم تمھیں یہ سب کچھ اکیلے نہ لے جانے دیں گے۔

حضرت عبدالمطلب نے کہا:

زم زم کے کنویں کے معاملے میں میرے اور تمھارے مابین جو تنازعہ ہے اس کا فیصلہ کرانے کے لیے تم جس کو چاہو حکم چن لو۔

قریش نے کہا!

اے عبدالمطلب تم اعلیٰ لوگوں کی اولاد ہو اس لیے ہمیں تم سے ایسی ہی توقع تھی۔ چنانچہ باہم مشاورت سے بنوسعد بن ہزیم کی ایک کاہنہ کو حکم چن لیا گیا۔

بنو ہزیم کی اس کاہنہ کا ٹھکانہ بہت دور شام کے پہاڑی علاقہ میں تھا۔

اگلی صبح جب سورج ابھی رات کے دامن سے باہر آنے کی جدوجہد میں تھا تب عربوں کے دو گروہ مکہ سے باہر نکلے اِن میں سے ایک تو حضرت عبدالمطلب اور اُن کے ساتھی تھے اور دوسری طرف اہل قریش کا قافلہ تھا۔

پھر صحرا تھا اور صحرا کی دھول تھی۔مسافت تھی اور مسافت کے آزار تھے۔

وہ لوگ ایک دن اور ایک رات کا فاصلہ طے کر چکے تھے۔

اگلے دن جب سورج بے رحم ہو رہا تھا اور صحرا اپنے روایتی قہر پہ مائل تھا تب حضرت عبدالمطلب اور اُن کے ساتھیوں کے سامنے یہ خوفناک حقیقت ایک ڈراؤنے خواب کی طرح ابھری کہ اُن کا پانی ختم

ہو چکا ہے۔

اور صحرا میں پانی کے ختم ہونے کا ایک ہی مطلب ہوتا ہے یعنی موت!

انھوں نے بیچ صحرا کے پڑاؤ کیا کہ صحرا میں شجر سایہ دار نہیں ہوتا ورنہ اسے صحرا ہی کیوں کہا جائے۔

حضرت عبدالمطلب کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نکلا اور اہل قریش کی طرف گیا اور اُن سے کہا کہ ہمارا پانی ختم ہو چکا ہے اور ایسی حالت میں کیا وہ اُن کی مدد کرنے کو تیار ہیں۔

انھوں نے جواب دیا:

خود ہمارے پاس بھی محدود پانی ہے جو شاید ہی منزل تک ساتھ دے اس لیے ہم آپ کو پانی نہیں دے سکتے۔ صحرا کا قہر تھا، اور سورج کی نامہرباں تپش جس سے اگرچہ وہ عرب ناواقف نہ تھے جو صحرا کے بیچ اپنے خیموں کے سائے میں سمٹتے تھے۔ مگر سورج کچھ ہی دیر بعد اُن کو جگہ بدلنے پہ مجبور کر دیتا تھا۔ انھیں لگا کہ وہ آج صحرا کا آسان شکار بننے والے تھے۔ انھوں نے اس تلخ حقیقت کو قبول کر لیا تھا کہ موت صحرائی ٹیلوں اور آوارہ پھرتے بگولوں کی آوٹ سے انھیں جھانک رہی ہے۔

حضرت عبدالمطلب نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا:

اس صورت حال میں تم کیا کہتے ہو۔

لوگوں نے کہا!

ہمیں اس بات کی کوئی پشیمانی نہیں کہ صحرا ہمیں چاٹ جائے گا بلکہ ہمیں اس بات پہ فخر ہے کہ ہم اپنے سردار کے ساتھ موت کی طرف رواں ہیں۔

آپ حکم کریں ہم عمل کریں گے۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ موت قریب آ گئی ہے۔

حضرت عبدالمطلب نے کہا! اس لیے میری رائے یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی قبر کھود لے کیونکہ ابھی ہم میں اتنی توانائی باقی ہے کہ ہم اپنی اپنی قبر کھود لیں اس طرح ہم میں سے جو ساتھی رخصت ہو گا دوسرے اس پہ مٹی ڈال دیں گے اس طرح آخر میں صرف ایک آدمی ہو گا جس کی لاش صحرائی درندوں کی ضیافت کا باعث بنے گی مگر اتنے سارے لوگوں کی بے گور و کفن لاشوں سے ایک لاوارث لاش بہتر ہے۔

حضرت عبدالمطلب کے ساتھیوں نے کہا: آپ نے کیا ہی عمدہ رائے دی ہے۔اس کے بعد وہ لوگ آہستہ آہستہ اُٹھے اور اپنی قبریں کھودنے لگے۔اور یہ بھی صحرا کا ایک انوکھا منظر تھا جو چشم فلک نے شاید ہی دیکھا ہو کہ زندہ لوگ اپنی قبروں کو سنوار رہے ہیں۔کچھ دیر بعد سب لوگوں نے اپنی قبریں کھود لیں اور اُن کے کنارے بیٹھ کر اس گھڑی کا انتظار کرنے لگے جو ہر شخص کو ناگوار محسوس ہوتی ہے۔

پھر کئی گھنٹے اسی طرح گزر گئے کہ اچانک اُن کے سردار نے عربوں کو پکارا!

اس نے کہا! میں نے فیصلہ کیا ہے کہ یوں نامردوں کی طرح موت کا انتظار کرنے سے بہتر ہے کہ ہم زندگی کے لیے اُس سے لڑیں۔

اٹھو اور اپنے اونٹوں پہ سوار ہو جاؤ"۔

لوگوں نے سردار کے اس فیصلے پہ آمین کہا اور خیموں کے گرنے کی آوازیں آنے لگیں۔

انھوں نے خیمے سمیٹے اور اپنی سواریوں کی طرف لپکے۔

ادھر اہل قریش کا پانی بھی ختم ہو چکا تھا اور وہ دیکھ رہے تھے کہ حضرت عبدالمطلب اس صورت حال کا سامنا کس طرح کرتے ہیں۔وہ جانتے تھے کہ حضرت عبدالمطلب اُن سے زیادہ عقلمند ہیں اس لیے وہ ان کے ہر عمل کا باریک بینی سے جائزہ لے رہے تھے۔

عربوں کے سردار حضرت عبدالمطلب نے بھی اپنی اونٹنی کو اٹھایا۔

جب حضرت عبدالمطلب کی اونٹنی کھڑی ہوئی تو انھوں نے دیکھا کہ اس کے ایک پاؤں کے نیچے زمین کچھ گیلی ہے۔

انھوں نے اونٹنی کو اس کی جگہ سے ذرا ہٹایا تو اونٹنی کے پاؤں کے نیچے سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔

حضرت عبدالمطلب نے تکبیر کہی اور ساتھیوں سے کہا مدد آ گئی ہے۔

لو پانی پی لو۔لوگ تیزی سے پانی کی طرف لپکے اور انھوں نے سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے مشکیزے بھر لیے۔

اہل قریش دور کھڑے اس حیرت انگیز منظر کو دیکھ رہے تھے اور اللہ کے اس فیصلے پہ ششدر تھے۔اس دوران حضرت عبدالمطلب اُن کے خیموں کی طرف تشریف لے گئے اور اُن سے کہا! اللہ نے ہم کو پانی دیا ہے آؤ اور اپنی پیاس بجھالو۔

اہل قریش بھی تیزی سے پانی کی طرف لپکے اور اپنی پیاس بجھانے لگے۔

انھوں نے اپنے جانوروں کو بھی سیراب کیا اور اپنی مشکوں کو بھی بھرا جب دونوں طرف کے سب لوگ اپنی پیاس بجھا چکے تو اہل قریش کا ایک سرکردہ آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا:

ہم نے عبدالمطلب کی عظمت کا نظارہ دیکھ لیا ہے اس لیے اب ہم کبھی اُن سے زم زم کے کنویں پر جھگڑا نہ کریں گے۔ چنانچہ اس طرح اہل قریش اور حضرت عبدالمطلب کے ساتھیوں نے شام کی کاہنہ کے پاس جانے کی بجائے مکہ کا رخ کیا۔

ایک عرب نے حضرت عبدالمطلب سے روایت کی ہے کہ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ جب اُن کو زم زم کا کنواں کھودنے کا حکم دیا گیا تو اس وقت ہاتف سے یہ اشعار سنے"۔

ثُمَّ ادعُ بِأ لْمَاءِ الرَّوِيِّ غَيْرِ الْكَدِرْ
يَسْقِى حَجِيْجَ اللّٰهِ فِى كُلِّ مَبَرِّ
لَيْسَ يُخَافُ مِنهُ شَئٌ مَا عَمَرْ

پھر شفاف پانی کے کثیر ہونے کی دعا کرو وہ تمام مناسک میں اللہ کے حاجیوں کو سیراب کرتا ہے اور کرتا رہے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ آبِ زمزم تو ہمیشہ رہے گا تو اس سے کسی اذیت کا کوئی خوف نہ ہوگا"۔

چنانچہ حضرت عبدالمطلب قریش کی طرف گئے اور اُن کو اس امر سے آگاہ کیا۔

اہل قریش نے اُن سے پوچھا؟

کیا تم کو زمزم کا پتا بتا دیا گیا ہے"۔

تو حضرت عبدالمطلب نے کہا کہ ابھی نہیں!

اس پہ قریش نے اُن سے کہا:

کہ آپ دوبارہ اسی جگہ سو جائیں اگر تو یہ خواب بھی اللہ کی طرف سے ہوا تو آپ کو دوبارہ دکھائی دے

گا اور اگر شیطان کی جانب سے ہوا تو وہ دوبارہ اس طرف آنے کی جرأت نہیں کرے گا۔

حضرت عبدالمطلب دوبارہ اپنے بستر کی طرف چل دیئے۔

وہ خبر دینے والا پھر اِن کے خواب میں آیا اور کہا:

آپ زمزم کو کھودیں آپ کو کوئی ندامت نہ اٹھانا پڑے گی یہ آپ کے جدِ امجد کی میراث ہے یہ نہ تو کبھی ختم ہو گی اور نہ کبھی اس کی مذمت کی جائے گی۔

بڑے بڑے حاجی اس سے سیراب ہوں گے، یہاں نذر ماننے والے اپنی نظریں پورا کریں گے یہ آپ کے لیے میراث اور پورا تعلق ہو گا یہ اِن اشیاء کی طرح نہیں جن سے آپ آشنا ہیں۔

بنی خزاعہ سے معاہدہ

حضرت عبدالمطلب نے جب آب زمزم دریافت کرلیا تب اہل عرب میں اُن کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی۔ لوگ کی اُن دانش اور حکمت سے آگاہ ہو چکے تھے۔ وہ عربوں کے حکم بھی تھے اور صاحبِ امر بھی۔ وہ بیت اللہ کے متولی بھی تھے اور قریش کے سردار بھی۔ اس لیے اہل خزاعہ نے حضرت عبدالمطلب سے کہا اے سردارِ قریش:

ہم گھر کے اعتبار سے آپس میں ہمسایہ و ہم جوار ہیں اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ہم آپس میں باہمی امداد و نصرت کا عہد و پیماں کرلیں۔

حضرت عبدالمطلب نے اُن کی درخواست قبول کرلی۔

حضرت عبدالمطلب اپنے ساتھ قریش کے سرداروں کو ساتھ لے کے نکلے جن میں اولادِ عبدالمناف و ارقم و نضلہ بن ہاشم وضحاک و عمرو فرزندانِ ابو صیفی بن ہاشم تھے۔

دوسری طرف سے خزاعہ کے سردار آئے۔

مگر اس معاہدے میں نوفل اور عبد مناف کی اولادوں نے شرکت نہ کی۔

دونوں قبائل دارالندوہ میں پہنچے اور اُن کے مابین باہمی امداد و نصرت کا معاہدہ طے پایا جسے ضبط تحریر میں لایا گیا اور کعبہ شریف میں لٹکا دیا گیا۔

حضرت عبدالمطلب اپنی زندگی میں بنو خزاعہ سے کیے گئے اس وعدے پہ قائم رہے اور اپنی موت کے

وقت انھوں نے اپنے بیٹے زبیر بن عبدالمطلب سے کہا کہ خزاعہ سے کیے گئے عہد و پیاں پہ قائم رہنا ۔حضرت زبیر نے اپنی موت کے وقت حضرت ابوطالب سے یہی عہد لیا اور حضرت ابوطالب نے یہی وصیت عباسؓ بن عبدالمطلب کو کی۔

اسی معاہدے کے متعلق یہاں حضرت عبدالمطلب کے کچھ اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

سَاُوصِیْ زبیرا ان توافت منّیتی
بامساك ما بینی و بین بنی عمرو

اگر میری موت آئی تو میں زبیر کو وصیت کر جاؤں گا کہ میرے اور فرزندانِ عمرو و خزاعی کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا وہ اس پہ قائم رہیں اور اس کو کسی قیمت پہ ٹوٹنے نہ دیں۔

وان یحفظ الحلف الذی مسین شخُهُ
ولا یَلحدین فیہ بظلم ولا عذر

میں وصیت کر جاؤں گا کہ اِن کے بزرگ نے جو عہد کیا ہے اس کی حفاظت کی جائے اور ایسا نہ ہو کہ کسی ظلم اور عذر کے باعث اس کی خلاف ورزی ہو۔

هَم حَفظو الآ ل القديم و حا لفوا

اباك فكانو ا دون قومك من فهر

اے زبیر! خاندانِ فہر کہ وہی تیری قوم والے ہیں اِن سب میں سے یہی لوگ ہیں کہ انھوں نے پرانی قسموں کی حفاظت کی ہے اور وہ تیرے باپ کے حلیف بنے ہیں۔

مسور بن مخرمہ الزہری کہتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب جب کبھی یمن جاتے تو قوم حمیر کے ایک سرکردہ اور صاحبِ امر شخص کے ہاں فروکش ہوتے۔ایک دفعہ جب وہ اس یمنی دوست کے ہاں اترے تو اس کے ہاں ایک اور یمنی بھی مقیم تھا جو طویل العمر تھا اور اُس نے قدیم کتابیں پڑھ رکھی تھیں۔

اس شخص نے جب حضرت عبدالمطلب کو دیکھا تو وہ چونک اٹھا۔

اس نے حضرت عبدالمطلب سے سوال کیا کہ کیا وہ اِن کے جسم کے کسی حصے کو ٹٹول سکتا ہے۔

حضرت عبدالمطلب نے اس شخص کو جواب دیا:

اب میں تجھے اپنے جسم کی ہر جگہ ٹٹولنے کی اجازت تو نہیں دے سکتا کہ اس میں شرم مانع ہے۔

وہ طویل العمر شخص مسکرایا اور اس نے آپ سے کہا میں تو صرف آپ کے نتھنے کے بال دیکھنا چاہتا ہوں۔اس میں تو کوئی حرج نہیں۔حضرت عبدالمطلب نے اُس شخص کو اجازت دے دی۔

اس نے آپ کے نتھنوں میں جھانکا اس کے بعد وہ مسکرایا اور کہا:

میں پہلی نظر میں ہی اس بات کو بھانپ گیا تھا کہ آپ کوئی عام شخص نہیں ہیں اور کوئی خاص بات ہے جس کی مجھے تلاش تھی اور اب میں نے اس امر کا کھوج لگا لیا ہے۔حضرت عبدالمطلب اس شخص کی باتیں سن کر حیران ہو رہے تھے۔

آپ نے اُس شخص سے کہا: کیا ہمیں بھی کچھ بتاؤ گے۔

اس نے کہا: ضرور۔

میں نے دیکھا کہ نبوت ملک اور حکومت آپ کا مقدر ہے مگر اس کا ایک انگ مجھے قبیلہ بنی زہرہ میں نظر آتا ہے تمھیں اِن سے رشتہ استوار کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس سفر سے واپسی پر حضرت عبدالمطلب نے اپنا نکاح نبی زہرہ میں کیا اور اپنے عبداللہ بیٹے کا نکاح بھی اسی نشست میں بنوزہرہ ہی کے ہاں کیا۔

آپ نے ہالہ بنت وہیب بن عبدمناف کو اپنے عقد میں لیا اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کا نکاح آمنہ بنت وہب بن عبدمناف سے کیا۔

تب حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کے ہاں رسول اللہ ﷺ نے جنم لیا جس کے بعد اس یمنی کا قول پورا ہوا کہ بنو ہاشم کو پہلے بنوت ملی پھر ملک اور حکومت اِن کے ہاتھ میں آ گئی۔

طبقات ابن سعد میں محمد بن سعد نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب ہی قریش کے وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے وسمہ سے خضاب کیا تھا۔اور آپ نے یہ طریقہ اپنے اسی یمنی دوست سے سیکھا تھا جس کے ہاں آپ یمن جاکے اترا کرتے تھے۔

ایک بار جب آپ اس کے گھر جاکے اترے تو اس نے کہا:

اگر میں آپ کے سفید بالوں کا رنگ بدل دوں اور آپ کو جوان کردوں تو کیسا رہے گا۔

حضرت عبدالمطلب نے اپنے دوست کو اس امر کی اجازت دے دی۔

چنانچہ اُن کے بالوں پر پہلے مہندی سے خضاب چڑھایا گیا اور اس کے بعد وسمہ کیا گیا۔

جب حضرت عبدالمطلب نے یمن سے واپسی کی راہ پکڑی تو آپ نے اپنے اس دوست سے بہت خضاب سا حاصل کرلیا جسے وہ مکہ پہنچ کر استعمال کرنا چاہتے تھے۔جب وہ مکہ پہنچے تو اُن کے بال ایسے سیاہ تھے جیسے کوے کے پر ہوتے ہیں۔

لوگوں نے انھیں پہچانا تک نہیں اس پہ حضرت عبدالمطلب مسکرا دیئے۔

آپ کی ایک بیوی جو حضرت عباس کی ماں تھیں اور جن کا نام نتیلہ بنت خباب تھا نے کہا: شیبۃ الحمد اگر یہ ہمیشہ رہ جائے تو کیا خوب ہو جس کے جواب میں حضرت عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے!

لو دام لی هذا السّواد حَمِدته
فكان بديلا من شبابٍ قد انصرم

یہ سیاہی اگر میرے لیے ہمیشہ رہتی تو میں اس کی تعریف کرتا اور اس صورت میں یہ اس جوانی کا بدلہ ہوتی جو ختم ہو چکی ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

تمتّعُت دام لی والحیاة قصیرة
ولا بدمن موتٍ نتیلَه اوهوم

میں نے اس سے فائدہ تو اٹھایا ہے مگر زندگی تھوڑی ہے اور اے نتیلہ آخر کار مرنا یا بوڑھا ہونا ضروری ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

وما ذالذی یجد علی المرُ حفظهٗ
ونعمة یوماً اذا عرشه الهدم

انسان کو اس کی فراغی اور نعمت بھلا کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے جب کہ ایک دن اس کے تخت کو منہدم ہی ہونا ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

فموتٌ جهیزٌ عاجلٌ لاشوی لهٗ
احب الیّ من مقالهم حکم

اِن حالات میں لوگوں کی دانش آرائی سے زیادہ محبوب میرے نزدیک وہ موت ہے جو آراستہ ہو، جلد آئے، چاہے اس میں آسانی ہو۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

مفاخرت

محمد بن صائب الکلبی کہتے ہیں کہ مجھ سے عرب کے دو شخصوں نے بیان کیا کہ ایک بار جب حرب بن امیہ اور حضرت عبد المطلب بن ہاشم حبشہ کی طرف محو سفر تھے تو اِن کے درمیان مفاخرت کی بنا پڑی اور وہ دو اشخاص جنھوں نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا ہے اُن میں سے ایک تو بنی کنانہ کا ایک شخص ابن ابی صالح تھا اور دوسرا شخص بہت صاحب علم تھا جو مقام رفعہ میں مقیم تھا۔ پہلے وہ قبیلہ بن اسد کا غلام تھا بعد میں اسے آزاد کر دیا گیا تھا۔

اس نے کہا کہ وہ صحرا عرب کے بیچ تھے جب حرب اور حضرت عبد المطلب میں اس مفاخرت کی بنا پڑی اور ہمارے ساتھ تجارتی سامان تھا۔

یہ ایک بڑا قافلہ تھا جو حبشہ کی طرف رواں تھا۔

جب یہ طے پا گیا کہ وہ دونوں مفاخرت کے بنا نہ رہیں گے تب حکم چننے کا مرحلہ آیا مگر دونوں فریق کسی ایک حکم پہ رضامند نہ ہوتے تھے۔

وہ شاید رات کا آخری پہر تھا جب کسی نے تجویز پیش کی کہ ہم چونکہ حبشہ کی طرف جا رہے اس لیے شاہ حبشہ ہی کو حکم چن لو۔ دونوں فریق اس بات پہ راضی ہو گئے اور لوگ اطمینان سے سو گئے۔

پھر کئی دن کے سفر کے بعد جب ہم حبشہ پہنچے تو تجارت کے بعد اپنے اس قضیئے کو لے کر شاہ حبشہ کی طرف گئے۔ ہم میں سے کچھ لوگ شاہ حبشہ کے دربار میں پہنچے۔

وہ ہم سے باری باری ملا۔ حتیٰ کہ اُس نے حرب بن امیہ کو بھی کوئی اہمیت نہ دی حالانکہ وہ قریش کا

سردار تھا۔ تاہم جب حضرت عبدالمطلب اُس کی طرف بڑھے تو بادشاہ غیر ارادی طور پہ تخت سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے حضرت عبدالمطلب کا والہانہ استقبال کیا۔ خود حضرت عبدالمطلب کہتے ہیں کہ انھیں اس امر کی توقع نہ تھی مگر دراصل یہ نبوت کا جلال تھا جس سے عرب ابھی بے خبر تھے۔

بادشاہ اپنے معاملات میں بہت مصروف تھا اور وہاں ماحول ایسا تھا کہ ہم اسے مفاخرت پہ آمادہ نہ کر سکے اور اس لیے بھی کہ شاہ حبشہ نے جس گرم جوشی سے حضرت عبدالمطلب کا استقبال کیا تھا اسے دیکھ کر حرب بن امیہ اب اسے حکم بنانے سے گریزاں تھا۔ چنانچہ وہ دربار سے غائب ہو گیا تھا۔ اور ہم لوگ بادشاہ کے پاس کچھ دیر بیٹھ کر واپس آ گئے۔

اس کے بعد دونوں فریقوں کی رضامندی سے یہ طے پایا کہ اس مفاخرت کا فیصلہ مکہ واپس جا کر نفیل بن عبدالعزیٰ سے کرایا جائے گا۔ چنانچہ ہم لوگ اپنے وطن کی طرف چل نکلے۔ مکہ واپس پہنچ کر ہم نے یہ معاملہ نفیل بن عبدالعزیٰ کے سامنے رکھا۔

اس نے کہا:

میں مکہ کے ہر باشندے سے خوب واقف ہوں اس لیے مجھے فیصلہ کرنے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔

اس نے پل بھر میں حضرت عبدالمطلب کو امیہ بن حرب پہ فضیلت عطا کر دی۔ حرب نے اس فیصلے پہ اعتراض کیا تو نفیل بن عبدالعزیٰ نے اسے ڈانٹ دیا اور کہا :

اتنافر رجلاً هو اطول منك قامة و اعظم منك هامة و اوسم منك وسامة و اقل منك لامة و اكثر منك و لدا اجزل منك صفداً و اطول منك مذودًا۔

ترجمہ:

کیا تو ایک ایسے شخص سے مفاخرت کرتا ہے جو تجھ سے زیادہ بلند و بالا ہے، تجھ سے زیادہ بڑے سر والا ہے، تجھ سے زیادہ وجیہہ ہے، موجباتِ ملامت میں تجھ سے دور ہے، جو تجھ سے زیادہ کثیر الاولاد ہے، جو تجھ سے زیادہ جزیل العطاء و کریم و جواد ہے اور جو تجھ سے زیادہ زبان آور ہے۔

****

اس طرح نفیل بن عبدالعزیٰ نے حرب بن امیہ کے مقابلے میں حضرت عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ دیا جس سے بنوہاشم بہت خوش تھے اس دن انھوں نے صحن کعبہ میں بہت سے اونٹ ذبح کیے جن کا گوشت ہر کسی کے لیے تھا۔

****

اسی قبیل کی ایک اور روایت محمد بن سعد نے طبقات ابن سعد میں درج کی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب اور جندب بن الحارث کے درمیان بھی مفاخرت کی بنا پڑی تھی۔ واقعہ یوں تھا کہ طائف میں ایک کنواں تھا جو مدتوں سے بنی ثقیف کے قبضے میں تھا۔اس کنویں یا چشمے کا نام الہزم تھا جو دراصل کبھی حضرت عبدامطلب ہی کی ملکیت تھا مگر جب حضرت عبدالمطلب نے بنوثقیف سے اس کنویں کی واپسی کا مطالبہ کیا تو وہ انکاری ہوگئے اور جندب بن الحارث حضرت عبدالمطلب سے جھگڑا کرنے لگا۔ چنانچہ اس دوران دونوں طرف سے اپنے اپنے خاندان اور قبیلے کے فضائل بیان کیے گئے اور یوں اِن دونوں کے درمیان مفاخرت کی بنا پڑ گئی۔

اور شرط یہ طے پائی کہ جیتنے والے کو سو اونٹ دیۓ جائیں گے۔

شام کی ایک کاہنہ عزی سلمیٰ کو حکم چن لیا گیا۔

دونوں قبیلوں کے لوگ شام کی طرف روانہ ہوگئے۔شام کی کاہنہ نے دونوں فریقوں کے موقف کو غور سے سنا اور حضرت عبدالمطب کو جندب بن حبیب الحارث پہ فوقیت عطا کر دی۔حضرت عبدالمطلب نے شرط کے اونٹ لیے اور اپنے قریشی ساتھیوں سمیت وطن واپس لوٹ آئے۔

عبدالرحمان بن موہب بن رباح العشری قبیلہ بنی زہرہ کے حلیف تھے ان کے لڑکے ولید بن عبدالرحمان سے روایت کرتے ہوئے مخزمہ بن نوفل الزہری نے یہ کہا کہ میں نے اپنی ماں رقیہ بنت ابی صیفی سے سنا کہ اہل قریش پر ایک بار ایسی خشک سالی آئی جو قریش کی تمام آسودگی اپنے ساتھ بہا لے گئی سب مال ومنال تباہ ہو گئے ہر وقت ریت اڑتی رہتی اور دور دور تک منہ میں ڈالنے والی کوئی شئے دستیاب نہ تھی۔ قحط کی ایسی خوفناک صورت عربوں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ جانور مر گئے اور لوگ مرنے کے قریب تھے کہ انھیں دنوں میں یعنی رقیہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا اس سے کچھ کہہ رہا ہے۔ میں نے غور سے کہنے والے کی بات سنی کہ وہ کہہ رہا تھا کہ:

” یامعشر قریش ! انّ ھذا النّبی المبعوث منکم و ھذا اِیّان خروجہ و بہ یاتیکم الحیاء والخصُب فانظر وار جلا من اسطکم نسباً طوالاء عظا ما ابیض ، مقرون الحاجین اھدب الشفار جعداسھل الخدّین، رفیق العرنین ، فلیخرج ھو و جمیع و ندہ و لیخرج منکم من کل بطن رجل فتطھورا وتطیبوا ، ثم استلموا الرکن ثم ارقوا راس ابی قبیس، ثم یتقدم ھذا الرجل فیتسقی و تؤمنون، فانکم ستسقون۔

ترجمہ:

''یہ پیغمبر جو مبعوث ہونے والا ہے تم ہی لوگوں میں سے ہوگا اس کے ظہور کا زمانہ یہی ہے اور اس کے طفیل تمھیں فراغی اور کشائش نصیب ہوگی۔ دیکھو! تم ایسا شخص تلاش کرو جو تم میں سب سے اوسط النسب ہو۔ یعنی نہایت شریف خاندان سے ہو، اس کا قد لمبا ہو، بھاری بھر کم ہو، اس کا رنگ سفید ہو، اس کی بھویں جھٹی ہوں، پلکیں دراز ہوں، بال گھونگھریالے ہوں، رخسار بھرے بھرے اور ناک پتلی ہو، جب تم اس کو تلاش کر لو تو وہ نکلے۔ ساتھ میں اس کی اولاد نکلے اور تم میں سے ہر گھرانے کا ایک ایک شخص نکلے اور تم سب کے سب طہارت کر لو خوشبو لگاؤ رکن حرم کو بوسہ دو اور اس کے بعد کوہ قبیس کی چوٹی پر چڑھ جاؤ اس کے بعد وہ شخص جس کو تم نے کھوجا ہے وہ استسقاء کے لیے دعا کرے اور تم سب لوگ آمین کہو اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ کی مدد سے سیراب کیے جاؤ گے۔

****

اہل مکہ قحط سے بری طرح پریشان تھے اس لیے جب رقیہ نے لوگوں سے اپنے اس خواب کا تذکرہ کیا تو لوگ اس حلیے کے شخص کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے جس کو رقیہ بنت صیفی بن ہاشم نے بیان کیا تھا۔

ان لوگوں کو اس شخص کو تلاش کرنے میں زیادہ دقت پیش نہ آئی اس لیے کہ جب وہ حرم میں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ اُن کے حلیہ سے ملتا جلتا ایک شخص طواف میں مصروف ہے۔ انھوں نے تھوڑا توقف کیا اور انتظار کیا کہ وہ شخص فارغ ہو لے تب وہ اس کا قریب سے جائزہ لیں۔

پھر وہ شخص فارغ ہو گیا تو لوگ اِن کے قریب آ گئے۔

وہ اسے چاروں طرف سے گھوم گھوم کر دیکھ رہے تھے اور انھیں یقین آ گیا تھا کہ یہی اِن کا مطلوبہ شخص ہے اور وہ شخص حضرت عبدالمطلب تھے۔

حضرت عبدالمطلب نے اُن لوگوں سے پوچھا کہ انھیں کیا پریشانی ہے؟

اس پہ انھوں نے حضرت عبدالمطلب سے تمام ماجرہ کہہ سنایا۔

حضرت عبدالمطلب تو اپنی قوم کی اس بری حالت سے پہلے ہی بہت پریشان تھے اس لیے وہ فوراً ہی دعا کے لیے تیار ہو گئے۔

اگلی صبح حضرت عبدالمطلب تیار ہو کر گھر سے نکلے انھوں نے خوشبو لگا رکھی تھی پھر وہ لوگوں کو ساتھ لے کر حرم کی طرف گئے۔طواف کیا، رکن کو بوسا دیا اور کوہ ابوقبیس کی طرف چل دیئے۔اُن کے ساتھ اُن کے بیٹے تھے اور پوری قوم تھی اور قوم کی نظریں اِن پہ لگیں تھیں'۔

حضرت عبدالمطلب پہاڑ پہ چڑھ گئے اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

انھوں نے اپنے رب کو پکارا اور کہا:

" الھلم ھولاء عبیدك و بنو عبیدك و اماء ك و بنات امئاك و قد نزل بنا ما تری و تتابعت علینا ھذہٖ السنون فذھبت بالظلمت و الخفّ و اشف علی الانفس فاذِھب عنا الجدب و ائتنا بالحیاً و الخِصب"۔

اے اللہ:

یہ تیرے بندے ہیں، یہ تیری لونڈیاں ہیں، تو دیکھ رہا ہے کہ ہم پہ کیا مصیبت نازل ہوئی ہے۔یہ خشک سالیاں ایسی پڑی ہیں کہ اُن تمام جانوروں کو ہلاک کر ڈالا جو بچے اور سم رکھتے تھے۔اب تو جانوں پہ آبنی ہے۔یا اللہ ہم کو اس قحط سے بچالے اور ابر رحمت برسا اور ہم کو فراغی عطا فرما۔

****

بیان کیا گیا ہے کہ لوگ ہنوز ابھی اپنے ٹھکانوں کو نہ پہنچے تھے کہ ہر طرف سے اللہ کی رحمت کے بادل امڈ امڈ کر آئے اور اس قدر مہینہ برسا کہ ہر طرف جل تھل ہو گیا۔وادیاں جاری ہو گئیں نالے بہنے لگے اور یہ ساری سیرابی رسول اللہ ﷺ ہی کے طفیل تھی۔رقیقہ بنت ابو صیفی بن ہاشم بن عبد مناف جنھوں نے وہ خواب دیکھا تھا اور کہا تھا کہ یہ سب کچھ تو رسول اللہ ﷺ ہی کے طفیل تھا۔بعد میں

اس نے بنو ہاشم کی مدح میں یہ اشعار کہے۔

بشيبة الحمد اسقى اللّه بلدنا

وقد فقدنا الحياء واجلود المطر

عبدالمطلب کے طفیل ہی اللہ تعالیٰ نے ہمارے شہر کو سیراب کیا حالانکہ کیفیت یہ تھی کہ ہم ابر باراں کو کھو چکے تھے اور مینہ بسرعت روانہ ہو چکا تھا۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

فجاد بالماء جونیّ له سَبَلٌ

دانٍ فعا شت به الانعام والشجر

آخر ایک ایسے ابر تاریک نے پانی برسایا جو مینہ سے لبریز تھا اور اس بارش کے باعث حیوانات اور نباتات جی اٹھے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

منّاً من اللّه بالميون طائرهٗ

دُختر من بُشرّت يوما به مضر

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان تھا اور اس بابرکت اور نیک طالع کے باعث یہ احسان ظہور پذیر ہوا جو اِن سب لوگوں سے بہتر ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

مبارك الامر يُستَقَى انعام بہ

مافی الانام لہ عدلٌ ولا خطر

وہ کہ خود مبارک ہے اس کے امور مبارک ہیں اور اس کی بدولت بارانِ رحمت نازل ہوتا ہے وہ بے نظیر ہے اور خلائق میں کوئی اس کا عدیل و سہیم نہیں۔

ابرہہ سے ملاقات

مورخین نے بیان کیا ہے کہ نجاشی فرمانروائے حبشہ نے ابو صحم اریاط کو چار ہزار کا لشکر دے کر یمن بھیجا کہ وہ اِن کی سرکوبی کرے۔اریاط نے یمن کو فتح کر لیا اور اہل ملک کو ذلیل کر ڈالا جیسا کہ اُس دور کے فاتحین کا وطیرہ تھا۔لوگ اس کے خلاف ہو گئے اور وہ اُس ظلم سے نالاں تھے جو اس نے لوگوں سے روا رکھا ہوا تھا۔ اس لیے کہ اس نے بادشاہوں کو محتاج بنا دیا تھا اور فقیروں کو بادشاہ۔چنانچہ اِن حالات کے نتیجے میں لوگوں نے ابو یکسوم ابرہتہ الاشرم کی بات کو سنا اور اس کی مدد کی۔اس نے اریاط کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور لوگ اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔اس طرح ابرہہ نے اہل یمن کی مدد سے اریاط کو قتل کر دیا اور عنانِ حکومت خود سنبھال لی۔لوگ اریاط سے تنگ آ چکے تھے اس لیے ابرہہ کامیاب ہو گیا۔اُس نے نہایت ہوشیاری سے شاہ حبشہ کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیا اور شاہ حبشہ نے اس کے اقتدار کی توثیق کر دی۔شاہ کی حبشہ کی پشت پناہی کے بعد ابرہہ یمن پر متصرف ہو گیا تھا۔

حج کے موسم میں اس نے لوگوں کا جوش خروش دیکھ کر پوچھا؟

یہ لوگ کہاں جاتے ہیں۔

اسے بتایا گیا کہ مکہ میں اللہ کا گھر ہے اور یہ لوگ اس کے حج کو جاتے ہیں۔

ابرہہ نے دریافت کیا؟ وہ گھر کس چیز سے بنایا گیا ہے“۔

لوگوں نے کہا! ان گھڑے پتھروں سے!

اور اس پہ یمن سے جانے والی چادروں کا غلاف چڑھایا جاتا ہے۔

ابرہہ نے کہا:

مجھے مسیح کی قسم ہے کہ میں تمھارے لیے اس سے اچھا گھر تعمیر کروں گا۔

چنانچہ اُس نے اہل یمن کے لیے سفید سرخ زرد اور سیاہ پتھروں سے منقش ایک گھر تعمیر کرایا۔اس گھر کے کئی دروازے تھے جن پہ سونے کے پترے چڑھائے گئے تھے اور زریں گل میخیں جڑی گئی تھیں اور بیچ بیچ میں جواہر تھے اس مکان میں ایک بڑا یاقوت لگایا گیا جس کا نام احمر تھا۔بڑے بڑے اور قیمتی ریشمی پردے تھے۔عود منڈلی بنائی گئی تھی جہاں ہر وقت لوبان عود اور اگر جیسی خوشبویات سلگائی جاتیں اور اس کی دیواروں پر اس قدر مشک ملا جاتا کہ جواہر تک اس کی سیاہی میں چھپ جاتے۔

اس نے لوگوں کو اس گھر کے حج کا حکم دیا۔

اگر چہ کچھ لوگوں نے اس گھر کا حج کیا مگر وہ عرب نہ تھے۔

وہ بے شمار دولت خرچنے کے باوجود لوگوں کے دلوں سے بیت اللہ کی محبت نہ کم نہ کر سکا عرب اب بھی اسی جوش وخروش اور ذوق وشوق کے ساتھ بیت اللہ کے حج کے لیے مکہ کا رخ کرتے جس کا ابرہہ کو دکھ تھا۔

پھر ایک دن ابرہہ کے اس مقدس گھر میں ایک عرب نے گندگی پھیر دی۔

ابرہہ سیخ پا ہو گیا۔

اس نے کہا:

میں جانتا ہوں کہ یہ حرکت اُن عربوں کی ہے جو بیت اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔

چنانچہ اس نے قسم کھائی کہ وہ بیت اللہ کو گرا دے گا اور اس کا ایک ایک پتھر وہاں سے اٹھا لائے گا۔

پھر اُس نے مکہ پر چڑھائی کر دی اس کی فوجوں نے اہل مکہ کے جانور لوٹ لیے۔اہل مکہ میں اس کے لشکر جرار کا مقابلہ کرنے کی قوت نہ تھی اس لیے وہ ایک طرف ہو گئے اور اللہ کے گھر کا معاملہ اللہ پہ چھوڑ دیا۔

تاہم حضرت عبدالمطلب ابرہہ سے ملاقات کے لیے پہنچے کہ اُن کے سینکڑوں اونٹ ابرہہ کے فوجی لوٹ کر لے گئے تھے۔

ابرہہ کو بتایا گیا کہ ایک ایسا شخص اُس سے ملنا چاہتا ہے جو تمام عرب کا سردار ہے۔وہ فضل عظمت و شرف میں سب سے ممتاز ہے۔وہ تب تک کھانا نہیں کھاتا جب تک کہ وہ کوئی مہمان نہ کھوج لے۔

اگر کسی روز اس کو کوئی مہمان نہ ملے تو وہ کھانا نہیں کھاتا۔ وہ تو اپنے پہاڑوں کے طیور وحیوش پہ بھی مہربان ہے اور اُن کی خوراک کا اہتمام کرتا ہے۔ وہ لوگوں کو عمدہ گھوڑوں پہ سوار کراتا ہے۔ کھانا کھلاتا ہے، عطیات دیتا ہے اور جب تک ہوائیں چلتی رہیں اس کا دسترخوان بچھا رہتا ہے۔ یہی اس کا وطیرہ اور شیوہ ہے اور اس کا نام عبدالمطلب ہے۔

ابرہہ نے حضرت عبدالمطلب سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

حضرت عبدالمطلب جب اُس کے سامنے پہنچے تو وہ بہت مرعوب ہوا۔

اس نے غور سے حضرت عبدالمطلب کی بات سنی۔

حضرت عبدالمطلب نے اس سے کہا:

تیرے لشکری میرے سینکڑوں اونٹوں کو ہانک لائے ہیں وہ مجھے واپس کردو۔

کیا تو بیت اللہ کے بارے میں بات نہیں کرے گا۔

ابرہہ نے حضرت عبدالمطلب سے سوال کیا؟

حضرت عبدالمطلب نے اس کے استفار پہ کہا:

جس طرح میں اِن اونٹوں کا مالک ہوں اسی طرح اُس گھر کا بھی ایک مالک ہے مجھے میرے اونٹ چاہییں، رہا اُس گھر کا معاملہ تو اس کا مالک تیری ہر حرکت پہ نظر رکھے ہوئے ہے اور وہ اپنے گھر کی حفاظت کرنے پہ قادر ہے۔

ابرہہ نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ اِن کے اونٹ واپس کردو۔

حضرت عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر واپس آ گئے اور انھوں نے تمام اونٹوں کو علامت زدہ کر دیا ۔یعنی اِن کو بیت اللہ کی قربانی کے لیے مختص کر دیا اور وہ جانتے تھے کہ اب اگر کسی نے اِن اونٹوں کو چھوا تو اللہ تعالیٰ اس سے برا سلوک کریں گے۔ اس کے بعد وہ حرم شریف میں آئے اور اس کے پردے پکڑ کر اللہ سے بیت اللہ کی حفاظت کرنے کی دعا کی۔

اور اس موقع پر اُن کے ساتھ دیگر عرب بھی شامل تھے۔

آپ نے کہا:

اللھم ان المَر ء یمنعُ رَحْلَہ مامنَع حلالك۔

اے اللہ انسان اپنے سامان کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے متاع و سامان یعنی اس گھر کی حفاظت کر۔

****

لا یَغلَبَنَّ صلیبھم مخالھُم غدوا محالِك

اوران کی صلیبیں اوران کے فریب و حیلے تیری قدرت پہ حاوی نہیں ہو سکتے۔

****

اِن کُنتَ تارکھم و قبلتنَافامرٌ مابدالك

اگر تو انھیں چھوڑ دینے والا ہے کہ وہ ہمارے قبیلے اور تیرے گھر کے ساتھ جو سلوک چاہے کریں تو اس کا اختیار بھی تجھے حاصل ہے۔

****

اس کے بعد حضرت عبدالمطلب اپنے ساتھیوں کو لے کر کوہ حرا پہ چڑھ گئے اور اس موقع پہ آپ کے بیٹوں سمیت سب اہل قریش آپ کے ساتھ تھے۔ پھر جب ابرہہ نے بیت اللہ کے بارے میں اپنی نیت بد کو عملی جامع پہنانے کی کوشش کی تو اللہ نے اسے نشان عبرت بنا دیا سمندر کی طرف سے ابابیلوں کا ایک غول آیا ہر پرندے کے پاس تین تین سنگریزے تھے سمندر سے آنے والی چڑیوں یا ابابیلوں نے یہ سنگریزے ابرہہ کے لشکر پہ برسانے شروع کر دیئے۔ یہ سنگ ریزہ جس کو بھی لگتا اس کا جسم چھید دیتا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور ابرہہ کا لشکر بکھر گیا۔ اگر چہ کوئی لشکر اس کے مقابلے پر نہ اترا تھا اس کے باوجود اس کو ایسی شکست کا سامنا تھا جس کی مثال عرب کی جنگی

تاریخ سے نہ دی جاسکتی تھی۔

خود ابرہہ کا نہایت برا حال تھا۔اس کو کئی سنگریزے لگے تھے وہ اب واپسی کے سفر میں تھا۔مگر نہیں جانتا تھا کہ اس نے کہاں جانا ہے اس کا جسم گلنا شروع ہو گیا تھا۔اس کی انگلیاں اس کے جسم سے الگ ہو کر گر چکی تھیں اور اس کے جسم سے ہر طرف سے پیپ بہہ رہی تھی۔اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اب نہیں بچے گا اس لیے وہ اپنے اللہ سے موت مانگ رہا تھا مگر موت اس سے دور بھاگ رہی تھی۔ دراصل اللہ تعالیٰ اس کو نشان عبرت بنانا چاہتا تھا تین یا چار دن وہ اسی اذیت میں دوچار رہا۔پھر اس کی آنکھوں کے سامنے ہی اس کا سینہ پھٹ گیا اور جگر باہر لٹکنے لگا جس کے بعد کہیں اُس کو اِس عذاب سے نجات ملی۔

محمد بن صائب جن کو ہم امام کلبی کے نام سے جانتے ہیں عربوں کے مشہور مورخ تھے نے لکھا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے ہاں بارہ لڑکے اور چھ لڑکیاں پیدا ہوئیں جس کی تفصیل ذیل میں درج کی جارہی ہے۔

****

☚ حارث بن عبدالمطلب (یہ اُن کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور انھیں کے نام سے اُن کی کنیت ابو حارث مقبول تھی۔ اِن کی والدہ کا نام صفیہ تھا اور وہ حضرت عبدالمطلب کی زندگی ہی میں وفات پا گئے تھے)۔

****

☚ عبداللہ بن عبدالمطلب (یہ ہمارے پیارے رسول محمد ﷺ کے والد ہیں۔انھوں نے بھی حضرت عبدالمطلب کی زندگی میں ہی وفات پائی)۔

****

- زبیر بن عبدالمطلب (زبیر ایک شریف شاعر تھے حضرت عبدالمطلب نے انھیں کو اپنا وصی بنایا تھا)۔

****

- ابوطالب بن عبدالمطلب (اِن کا اصل نام عبدمناف تھا انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی ساری زندگی اعانت کی)۔

****

- ام حکیم بنت عبدالمطلب (جن کا نام البیضاء تھا)

****

- عاتکہ بنت عبدالمطلب (حضرت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں)

****

- برہ بنت عبدالمطلب (حضرت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں)

****

☚ امیمہ بنت عبدالمطلب (حضرت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں)

****

☚ اروی بنت عبدالمطلب (حضرت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں)

****

☚ حمزہؓ بن عبدالمطلب (شیر خدا تھے اور شیر رسول اللہ ﷺ تھے بدر میں شریک تھے، احد میں شہید ہوئے۔

****

☚ حجل بن عبدالمطلب (اِن کا اصل نام مغیرہ تھا)

****

☚ صفیہ بنت عبدالمطلب (حضرت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں)

****

☚ عباسؓ بن عبدالمطلب (ایک شریف دانشمند اور رعب وہیبت والے انسان تھے)

****

☚ ضرار بن عبدالمطلب (بہت خوبصورت تھے اہل قریش میں اِن کے حسن کا چرچا تھا)۔

****

☚ قثم بن عبدالمطلب (یہ نتیلہ کے بیٹے تھے اور لاولد ہی وفات پا گئے تھے)۔

****

☚ ابولہب بن عبدالمطلب (اس کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا اور کنیت ابو عتبہ تھی ۔وہ بہت خوبصورت تھا۔فیاض اور سخی تھا اس کے سرخ وسفید رنگ کی وجہ سے عربوں نے اس کو ابولہب کہہ کر پکارا۔نبی اکرم ﷺ کا بدترین دشمن تھا اس لیے ہم نے اس کے لیے واحد کا سیغہ استعمال کیا ہے اور اس کو کسی ادب کے قابل نہیں جانا۔اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ کسی مومن کی دشمنی اور دوستی میری ہی محبت کی وجہ سے ہوتی ہے)۔

****

☚ الغیداق بن عبدالمطلب (ان کی ماں میمنہ تھی وہ عوف بن عوف کے بھائی تھے۔عوف رسول اللہ ﷺ کے مشہور صحابی عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے والد تھے۔امام کلبیؒ لکھتے ہیں کہ تمام عرب میں فرزندان عبدالمطلب کی طرح کسی ایک باپ کی اولاد نہ تھی اور نہ کوئی ایسا تھا جو اُن سے زیادہ شریف وجسیم وبلند بینی،روشن پیشانی والا ہو۔

چنانچہ ایک عرب شاعر فرہ بن عجل اولادعبدالمطلب کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

اعدد ضراراً عدددت فتٰی ندًا

واللّیث حمزۃ و اعدد العباسا

اگر کسی فیاض نوجوان کوشمار کرنا ہے تو ضرار کوشمار کر شیر مرد حمزہؓ کوشمار کر اور عباسؓ کوشمار کر۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وعد زبیراً وا لمقوم بعدہٗ

والصتم حجلا و الفتی الرّاسا

اور زبیر کے بعد عجل کو اور عجل کے بعد مقوم کوشمار کر جو کہ نوجوانوں کے سردار ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

والقومَ عیدناً نعد حجا حجا

سادوا علی رغم الدِوِّ الناسا

پھر بہادر غیراق کوشمار کر یہ سب عظمائے قوم ہیں اور بررغم دشمن اِن کو سرداری حاصل ہو چکی ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

والحارث الفیاض ولیّ ماجدا

ایّام نازعہ ا لھُمام الکا سا

پھر فیاض حارث کوشمار کر جو ایسا بہادر تھا کہ جام مرگ پینے کے دنوں میں بھی اس نے دنیا سے مجد وشرف کے ساتھ منہ موڑا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

مافی الانام عُمومۃ کعمومتی

خیراً و لا کانا سِناً اُناسا

جیسے میرے چچا ہیں تمام مخلوق میں ویسے چچا کسی کے نہیں ہو سکتے اور نہ جیسے لوگ ہم ہیں ویسے کسی اور خاندان میں ہیں۔[20*]

✪✪✪✪✪✪✪✪

حضرت عبدالمطلب نبی اکرم ﷺ کے دادا تھے اور اُن سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ اہل قریش کے سردار تھے۔ اُن کے حکم تھے اور اِن کا شمار عربوں کے صاحبِ دانش افراد میں کیا جاتا تھا۔ چونکہ لوگ اُن کی کثرت سے تعریف کرتے تھے اس لیے انھیں شیبۃ الحمد کہا جانے لگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مصائب کے وقت قریش کے فریادرس تھے اور مشکل معاملات میں اُن کی پناہ گاہ تھے۔ اپنے کمال اور نیک افعال کی وجہ سے وہ بالاتفاق قریش کے سردار مانے جاتے تھے۔ اُن کی دعا قبول ہوتی تھی اور بے پناہ سخاوت کی وجہ سے اِن کی تکریم کی جاتی تھی۔ چونکہ جب وہ اپنے دستر خوان پہ بیٹھتے تب وہ کوہ فاران میں رہنے والے پرندوں اور دیگر جانوروں کے لیے بھی کچھ خوراک الگ کر دیتے تھے اس لیے لوگ انھیں " **مطعیم طیر السماء** " بھی کہتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب کا شمار حلیم الطبع اور دانا انسانوں میں کیا جاتا تھا۔ وہ اِن لوگوں میں سے تھے جنھوں نے زمانہ جاہلیت میں ہی خود پہ شراب حرام کر لی تھی۔ بیان کیا گیا کہ ابو سفیان کے والد حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف آپ کے ندیم تھے۔ ایک یہودی حضرت عبدالمطلب کی پناہ میں آ گیا تھا۔ حرب نے کسی شخص کو اکسایا جس نے اُس یہودی کو قتل کر دیا۔ جب اس بات کا علم حضرت عبدالمطلب کو ہوا تو انھوں نے حرب کو اپنا ندیم بنانا چھوڑ دیا اور جب تک اس سے ایک سو اونٹنیاں لے کر اس یہودی کے چچا کے بیٹے کو نہیں دے دیں اس وقت تک حرب کا پیچھا نہ چھوڑا اور یہ کام انھوں نے پاس جوار کی خاطر کیا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے عبداللہ بن جدعان کو اپنا ندیم بنا لیا۔ حضرت عبدالمطلب اپنی اولاد کو ظلم اور سرکشی سے باز رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ وہ انھیں مکارم اخلاق

کی ترغیب دیتے اور کمینے کاموں سے دور رہنے کی نصیحت کرتے۔ وہ فرمایا کرتے کہ دنیا سے نکل جانے سے پہلے ہی ظالم سے بدلہ لے لیا جاتا ہے اور اسے اس کے کیے کی سزا مل جاتی ہے۔ پھر شام کا ایک ظالم شخص اُن کے سامنے اس حالت میں مرگیا کہ اسے اس کے ظلم کا بدلہ نہ ملا تھا۔ تب آپ نے فرمایا اللہ کی قسم اس گھر کے بعد یقیناً ایک گھر ہے جس میں نیکوکاروں کو اِن کی نیکی اور بدکاروں کو اِن کی بدی کا بدلہ دیا جائے گا۔ اپنی آخری عمر میں وہ بت پرستی سے بے زار ہو گئے تھے اور وہ اللہ واحد کی پرستش کرنے لگے تھے۔ اس لیے اُن کی فہم ودانش نے اِن کو بہت سی ایسی باتوں سے آگاہ کر دیا تھا جن کو بعد میں قرآن وسنت کی تائید حاصل ہوئی۔ جیسا کہ نذر کا پورا کرنا، محرم عورتوں سے نکاح سے منع کرنا، چور کے ہاتھ کاٹنا لڑکیوں کو قتل کرنے سے منع کرنا، شراب اور زنا کو حرام قرار دینا اور اس بات کا حکم دینا کہ کوئی شخص برہنہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ عبداللہ بن عباسؓ نے اپنے گھر والوں سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب کی وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ آٹھ سال کے تھے۔ ابن اسحاقؒ نے محمد بن سعید بن المسیب سے اور اس نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت عبدالمطلبؓ اس بیماری میں تھے جس میں اُن کی موت ہوئی تو انھوں نے اپنی بیٹیوں کو اپنے پاس بلایا اور اُن سے کہا! میں جانتا ہوں کہ میرا وقت اب پورا ہونے والا ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تم مجھ پہ کیسے روؤں گی۔ اس لیے میرا نوحہ میری زندگی میں میرے سامنے ہی کرو۔ چنانچہ اُن کی بیٹیوں نے اپنے باپ کی خواہش کے مطابق اُن کے سامنے ہی اُن کا نوحہ کہا۔ حضرت عبدالمطلب نے ۵۷۹ء میں ایک سو دس سال کی عمر میں وفات پائی اُن کی بیٹیوں کا نوحہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

صفیہ بنت عبدالمطلب نے اپنے باپ کا ماتم کرتے ہوئے کہا!

اَرِقْتُ لِصَوْتِ نَائِحَةٍ بِلَيْلٍ
عَلٰى رَجُلٍ بِقَارِعَةِ الصَّعِيْدِ

رات میں ایک رونے والی کی آرزو سے میری نیند اچاٹ ہوگئی جو ایک بالکل راستے پر کھڑی

ہوئی رو رہی تھی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

فَفَاضَتْ عِنْدَ ذٰلِكُمْ دُمُوْعِی
عَلٰی خَدّٰی كَمُنْحَدِرِ الْفَرِيْدِ

اس وقت میرے آنسو میرے رخساروں پہ ڈھلکنے والے موتیوں کی طرح بہنے لگے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

عَلٰی رَجُلٍ كَرِيْمٍ غَيْرِ وَغْلٍ
لَهُ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ عَلَی الْعَبِيْدِ

اس شریف شخص پر جو دوسروں کے نسب میں ملنے کا جھوٹا دعویدار نہ تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

عَلَی الْفَيَّاضِ شَيْبَةَ ذِی الْمَعَالِیْ
أَبِيْكِ الْخَيْرِ وَارِثِ كُلِّ جُوْدِ

شیبہ پر جو بڑا فیاض تھا اور بلند مرتبے والا تھا اپنے اچھے باپ پر جو ہر قسم کی سخاوت کرنے والا تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

صَبُدْقٍ فِی الْمَوَاطِنِ غَيْرِ نِكْسٍ
وَلَا اَشْخَتِ الْمَقَامِ وَلَا سَنِيْدِ

اس پر جو جنگ کے میدانوں میں خوب لڑنے والا تھا اور اپنے ہمسروں سے پیچھے نہ رہنے والا تھا وہ نہ کم رتبہ تھا اور نہ اس کے نسب میں کوئی شک تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

طَوِيْلِ الْبَاعِ اَرْوَعَ شَيْظَمِيٍّ
مُطَاعٍ فِی عَشِيْرَتِہٖ حَمِيْدٍ

اس پر جو بہت ہی کشادہ دست عجیب حسن وشجاعت والا بھاری بھرکم اوراپنے گھرانے کا قابل تعریف سردار تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رَفِيْعِ الْبَيْتِ اَبْلَجَ ذِی فُضُوْلٍ
وَغَيْثِ النَّاسِ فِی الزَّمَنِ الْحُرُوْرِ

اس پر جو عالی خاندان، روشن چہرہ، قسم قسم کے فضائل اور قحط سالی میں لوگوں کا فریادرس تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

كَرِيْمِ الْجَدِّ لَيْسَ بِذِی وُصُوْمٍ
يَرُوْقُ عَلَى الْمَسَوَّدِ وَالْمَسُوْدِ

اس پر جو اعلیٰ شان والا، ننگ وعار سے بری، سرداروں اور خادموں پہ فضل وانعام کرنے والا تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

عَظِيْمِ الْحِلْمِ مِنْ نَفَرٍ كِرَامٍ
خُضَارِمَۃٍ مَلَا وِثْرٍ اُسُوْدِ

اس پر جو علم والا تھا اور سخی تھا جو دوسروں کا بوجھ اٹھاتا تھا سردار اور شیروں کے لیے پشت پناہ تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

فَلَوْ خَلَدًا اِمْرَؤٌ لِقَدِيْمِ مَجْدٍ
وَلٰكِنْ لَا سَبِيْلَ اِلَى الْخُلُوْدِ

اگر کوئی شخص اپنی دیرینہ عزت اور شان کے سبب زندہ رہ سکتا تو ہمارا باپ کبھی نہ مرتا۔

لَكَانَ مُخَلَّدًا اُخْرَى اللَّيَالِى
لِفَضْلِ الْمَجْدِ وَالْحَسَبِ التَّلِيْدِ

تو ضرور وہ اپنی فضیلت وشان اور دیرینہ خاندانی وقار کے سبب زمانے کی انتہا تک رہتا لیکن بقاء کی طرف تو کوئی راستہ نہیں جاتا۔

برۃ بنت عبدالمطلب نے اپنے باپ کا مرثیہ کہا!

اَعَيْنَيَّ جُوْدَا بِدَمْعٍ دُوْرٍ
عَلٰى طَيِّبِ الْخِيْمِ وَالْمُعْتَصَرْ

اے میری آنکھو! نیک سیرت اور سخی پر موتیوں جیسے آنسوؤں سے سخاوت کرو۔

عَلٰى مَاجِدًا الْجَدِّ وَارِى الزِّنَادِ
جَمِيْلِ الْمُحَيَّا عَظِيْمِ الْخَطَرْ

اعلیٰ شان والے پر لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے والے پر حسین چہرے اور بڑے رتبے والے پر۔

عَلٰی شَیْبَۃِ الْحَمْدِذِی الْمُکْرُمَاتِ
وَذِی الْمَجْدِ وَالْعِزِّ وَا لْمَفْتَخَرْ

بزرگیوں والے قابل ستائش شیبہ پر عزت وشان والے اور افتخار والے پر۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَذِی الْحِلْمِ وَالفَضَلِ فِیْ النَّائِبَاتِ
کَثِیْرِ المَکَارِمِ جَمَّ الفَجَرْ

آفتاب میں فضل وعطا وحلم والے پر بہت خوبیوں والے اور بہت بڑے سردار پر۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

لَہٗ فَضْلُ مَجْدٍ عَلٰی قَوْمِہٖ
مُنِیْرٌ یَلُوْحُ کَضَوْءِ الْقَمَرْ

اپنی قوم پر اسے بڑی فضیلت حاصل تھی۔ وہ ایسا نور والا تھا کہ چاند کی طرح چمکتا رہتا تھا۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

اَتَتْہُ الْمَنَایَا فَلَمْ تَشْوِہٖ
بِصَرْفِ اللّیَالِیْ وَرَیْبِ الْقَدَرْ

زمانے کی گردشوں اور مکروہاتِ تقدیر کو لیے ہوئے موتیں اِن کے پاس آئیں اور اس پہ کاری وار کیا۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا نوحہ!

اَعَیْنِیَّ جُوْدُا وَلَا تَبْخَلَا
بَدِ مُوْکُمَا بَعْدَ نَوْمِ النَّیَامُ

اے میری آنکھ! سونے والوں کے سو جانے کے بعد اپنے آنسوؤں کی سخاوت کر اور بخل نہ کر۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

اَعَیْنِیَّ وَاسْحَنْفِرَا وَاسْکُبَا
وَشُوْبَا بُکَاءِ کُمَا بِالْتِدَامُ

اے میری آنکھ! خوب تیزی سے جھڑی لگاؤ اور بہہ جاؤ اور رونے کے ساتھ ساتھ اپنے گال بھی پیٹ لو۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

اَعَیْنِیَّ وَاسْتَخْرِ وَاسْجُمَا
عَلٰی رَجُلِ غَیْرِ نِکْسِ کَھَامُ

اے میری آنکھو! خوب جم کر رو لو اور ایسے شخص پہ آنسو بہاؤ جو نہ پیچھے رہنے والا تھا نہ کمزور۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

عَلٰی شَیْبَۃِ الْحَمْدِ وَارِی الزِّنَادِ
وَذِیْ مَصْدَقٍ بَعْدَ ثَبْتَ الْمَقَامُ

بزرگ سردار پر! آفات میں اپنے احسانات ڈبو لینے والے پر بزرگانہ کوششوں والے پر اور ذمہ داری کو پورے کرنے والے پر۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَسَیْفٍ لَدَی الْحَرْبِ صَمْصَامَۃٍ
وَمُرْدِی الْخَاصِمِ عِنْدَ الْخِصَامُ

مہمان نواز قابل ستائش شیبہ پر اور اپنے مقام پر جمے رہ کر سخت حملہ کرنے والے پر۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَسَھْلِ الْخَلِیْقَۃِ طَلْقِ الْیَدَیْنِ
وَفِی عُد مُنِیٍّ صَمِیْمٌ لُھَامُ

نرم سیرت والے، کشادہ ہاتھوں والے، سخت پختہ ارادے والے کثیر الخیر شخص پر۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

تَبَنَّکَ فِیْ بَاذِخٍ بَیْتُہٗ
رَفِیْعُ الذُّؤَابَۃِ صَعْبِ الْمَرَامُ

اس پر جس کے گھر کی اساس علوشان پر مستحکم تھی۔ بلند طرے والے اور اعلیٰ مقاصد والے پر۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اُم حکیم البیضاء بنت عبدالمطلب کے اشعار!

اَلَا یَا عَیْنُ جُوْدِی وَاسْتَھِلِّیْ
وَبَکِّیْ ذَا النَّدَی وَالْمَکْرُمَاتِ

ہاں! اے آنکھ؛ سخاوت اور آہ وفغاں کر اور بزرگیوں والے اور سخاوت والے پہ رو۔

اَلَا یَاعَیْنُ وَیْحَکِ اَسْعِفِیْنِیْ
بِدَمْعٍ مِنْ دُمُوْعٍ ھَاطِلَاتِ

ہاں! اے کم بخت آنکھ؛ لگا تار برسنے والے آنسوؤں سے میری مدد کر۔

وَبَکِّیْ خَیْرَ مَنْ رَکِبَ الْمَطَایَا
اَبَاکِ الْخَیْرَ تَیَّارَ الْفُرَاتِ

سواریوں پہ سوار ہونے والوں میں جو سب سے اچھا تھا اپنے اچھے باپ پر جو میٹھے پانی کا موجزن دریا تھا۔

طَوِيْلَ الْبَاعِ شَيْبَةَ ذَا الْمَعَالِىْ
كَرِيْمَ الْخِيْمِ مَحْمُوْدَ الْهِبَاتِ

شیبہ پر جو بڑا سخی اور بلند رتبوں والا نیک سیرت اور سخاوت میں قابل مدح وستائش تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَصُوْلاً لِلْقَرَابَةِ هِبْرِزِيًّا
وَغَيْثًا فِى السِّنِيْنَ الْمُحِلاَتِ

صلہ رحمی کرنے والے پر، اس پر جس کے چہرے سے شرافت و جمال ظاہر ہوتا تھا جو قحط سالیوں میں برستا ہوا بادل تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَلَيْثًا حِيْنَ تَشْتَجِرُ الْعَوَالِىْ
تَرُوْقُ لَهٗ عُيُوْنُ النَّاظِرَاتِ

جو نیزوں کے ایک دوسرے سے مل کر جھاڑی کی طرح بن جانے کے وقت کا شیر تھا جس کے لیے دیکھنے والوں کی آنکھیں بہ جاتی تھیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

عَقِيْلُ بَنِىْ كِنَانَةَ وَالْمُرَجّٰى
إِذَا مَا الدَّهْرُ أَقْبَلَ بِالْهَنَاتِ

جو بنی کنانہ کا سردار تھا اور زمانے کے اقسام کی آفتیں سر پر پڑنے کے وقت امیدوں کا آسرا تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَ مَفْزَعًا اِذَا مَا هَاجَ هَيْجٌ
بِدَا هِيَةٍ وَخُصْمُ الْمُعْضِلَاتِ

جب کوئی سخت آفت آتی تو اس کا خوف وہ دور کر دینے والا اور مشکلات کا مقابلہ کرنے والا تھا۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

فَبَكِّيهِ وَلَا تَسْمِیْ بِحُزْنٍ
وَبَكِّی مَا بَقِيْتِ الْبَاكِيَاتِ

پس تو ایک ایسے شخص پر آہ وفغان کر، غم کرنے میں سستی نہ کر اور دوسری رونے والیوں کو اس وقت تک رلاتی رہ جب تک کہ تیری آنکھ میں آنسو ہیں۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

امیمہ بنت عبدالمطلب کے اشعار!

اَلَا هَلَكَ الرَّاعِی الْعَشِيْرَةَ ذُوالْفَقْدِ
وَسَاقِی الْحَجِيجَ وَالْمُحَامِی عَنِ الْمَجْدِ

لوگو سن لو کہ! خاندان کا محافظ، خاندان والوں کو ڈھونڈنے والا حاجیوں کا ساقی، اور عزت و شان کی حفاظت کرنے والا وہ سردار آج چل بسا ہے۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

وَمَنْ يُؤْلِفُ الضَّيْفَ الْغَرِيبَ بُيُوتَهُ
إِذَا مَا سَمَاءُ النَّاسِ تَبْخَلَ بِالرَّعْدِ

جس کا گھرانہ مہمانوں کو اس وقت جمع کر لیتا تھا جب لوگوں کا آسمان گرج و چمک کے باوجود بخل کرتا تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

كَسَبْتَ وَلِيدًا خَيْرَ مَا يَكْسِبُ الْفَتَى
فَلَمْ تَنْفَكُ تَزْدَدُ يَا شَيْبَةَ الْحَمْدِ

جو خوبیاں ایک جواں مرد حاصل کرتا ہے اے قابل ستائش شیبہ وہ تو تُو نے کم سنی ہی میں حاصل کر لی تھیں اور ان میں ہمیشہ ترقی کی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

أَبُو الْحَارِثِ الْفَيَّاضُ خَلَّى مَكَانَهُ
فَلَا تَبْعَدَنَّ فَكُلُّ حَيٍّ إِلَى بُعْدٍ

ایک فیاض شیر نے اپنی جگہ خالی کر دی ہے پس تو اسے اپنے دل سے دور نہ کر کہ ہر زندہ دور ہونے والا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

فَإِنِّي لَبَاكٍ مَا بَقِيتُ وَمُوجَعٌ
وَكَانَ لَهُ أَهْلًا لِمَا كَانَ مِنْ وَجْدِي

میں تو جب تک رہوں گی، آبدیدہ اور غمگین ہی رہوں گی اور میری محبت کے لحاظ سے وہ اسی کا سزاوار تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سَقَاكَ وَلِيُّ النَّاسِ فِي الْقَبْرِ مُمْطِرًا

فَسَوْفَ أُبَكِّيهِ وَإِنْ كَانَ فِي اللَّحْدِ

قبر میں تمام لوگوں کی سرپرستی کرنے والا خدا تجھے اپنی رحمت کی بارش سے سیراب رکھے میں تو اس پہ روتی رہوں گی اگرچہ وہ قبر میں ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

فَقَدْ كَانَ زَيْنًا لِلْعَشِيرَةِ كُلِّهَا

وَكَانَ حَمِيدًا حَيْثُمَا كَانَ مِنْ حَمَدِ

وہ اپنے گھرانے کی زینت تھا اور جہاں کہیں جو تعریف بھی ہو وہ اس کا سزاوار تھا۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

یہ اروی بنت عبدالمطلب کا نوحہ ہے!

بَكَتْ عَيْنِي وَحَقٌّ لَهَا الْبُكَاءُ

عَلَى سَمْحٍ سَجِيَّتُهُ الْحَيَاءُ

میری آنکھ سرتاپا سخاوت اور حیا شعار پہ روتی ہے اور اس آنکھ کے لیے رونا ہی سزاوار ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

عَلَى سَهْلِ الْخَلِيقَةِ اَبْطَحِيٍّ
كَرِيمَ الْخِيمِ نِيَّتُهُ الْعَلَاءُ

نرم خواور وادی بطحاء کے رہنے والے بزرگانہ سیرت والے پر جس کی نیت عروج حاصل کرنے کی تھی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

عَلَى الْفَيَّاضِ شَيْبَةَ ذِي الْمَعَالِي
اَبِيكَ الْخَيْرِ لَيْسَ لَهُ كِفَاءُ

بلند رتبوں والے فیاض شیبہ پر جو تیرا بہترین باپ تھا جس کا کوئی ہمسر نہ تھا۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

طَوِيلِ الْبَاعِ اَمْلَسَ شَيْظَمِيٍّ
اَعَزَّ كَأَنَّ غُرَّتَهُ ضِيَاءُ

کشادہ اور نرم ہاتھ والے بھاری بھرکم سفید پیشانی والے پر جس کی سفیدی ایسی تھی گویا کہ ایک روشنی ہو۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

اَقَبَّ الْكَشْحِ اَرْوَعَ ذِي فُضُولٍ
لَهُ الْمَجْدُ الْمُقَدَّمُ وَالثَّنَاءُ

پتلی کمر والے عجیب حسن والے شجاعت والے سخاوت والے اور بہت سی فضیلتوں والے پر جو قدیم زمانے سے عزت وشرف کا مالک ہے۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

اَبِیَّ الضَّیْمِ اَبْلَجَ هِبْرِزِیٍّ
قَدِیْمُ الْمَجْدِ لَیْسَ بِهٖ خَفَاءُ

ظلم برداشت نہ کرنے والے پر، روشن چہرے والے پر جس کی شرافت کا جمال اس کے چہرے پہ تھا جس کی بزرگی اور شرافت قدیم ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَمَعْقِلِ مَالِكٍ وَرَبِیْعِ فِهْرٍ
وَفَاصِلَهَا اِذَا الْتُمِسَ الْقَضَاءُ

جو بنی مالک کے لیے پناہ کی جگہ، بنی فہر کے لیے بہار کی بارش تھا اور جب جھگڑوں کے لیے فیصلے کی تلاش ہوتی تو اسے کھوجا جاتا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَكَانَ هُوَ الْفَتٰی كَرَمًا وَجُوْدًا
وَبَاْسًا حِیْنَ تَنْسَكِبُ الدِّمَاءُ

وہ جودوسخا میں جوانمرد تھا اور رعب ودبدبے میں بھی یکتا تھا جب کہ خون بہتے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اِذَا هَابَ الْكُمَاةُ الْمَوْتَ حَتّٰی
كَاَنَّ قُلُوْبَ اَكْثَرِهِمْ هَوَاءُ

اور جب زرہ پوش بہادر موت سے یہاں تک ڈرتے کہ اُن میں سے اکثر کے دلوں کا یہ حال ہوتا کہ وہ ہوا میں ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

مَضَى قُدُمًا بِذِى رُبَدٍ خَشِيْبٍ
عَلَيْهِ حَيْنَ تُبْصِرُهُ الْبَهَاءُ

قدیم زمانے سے اس کا یہ حال رہا ہے کہ جب تو اسے جوہر والی صقیل تلوار کے ساتھ دیکھتا تو اس کے چہرے پہ رونق ہوتی[21*]

✡✡✡✡✡✡✡✡

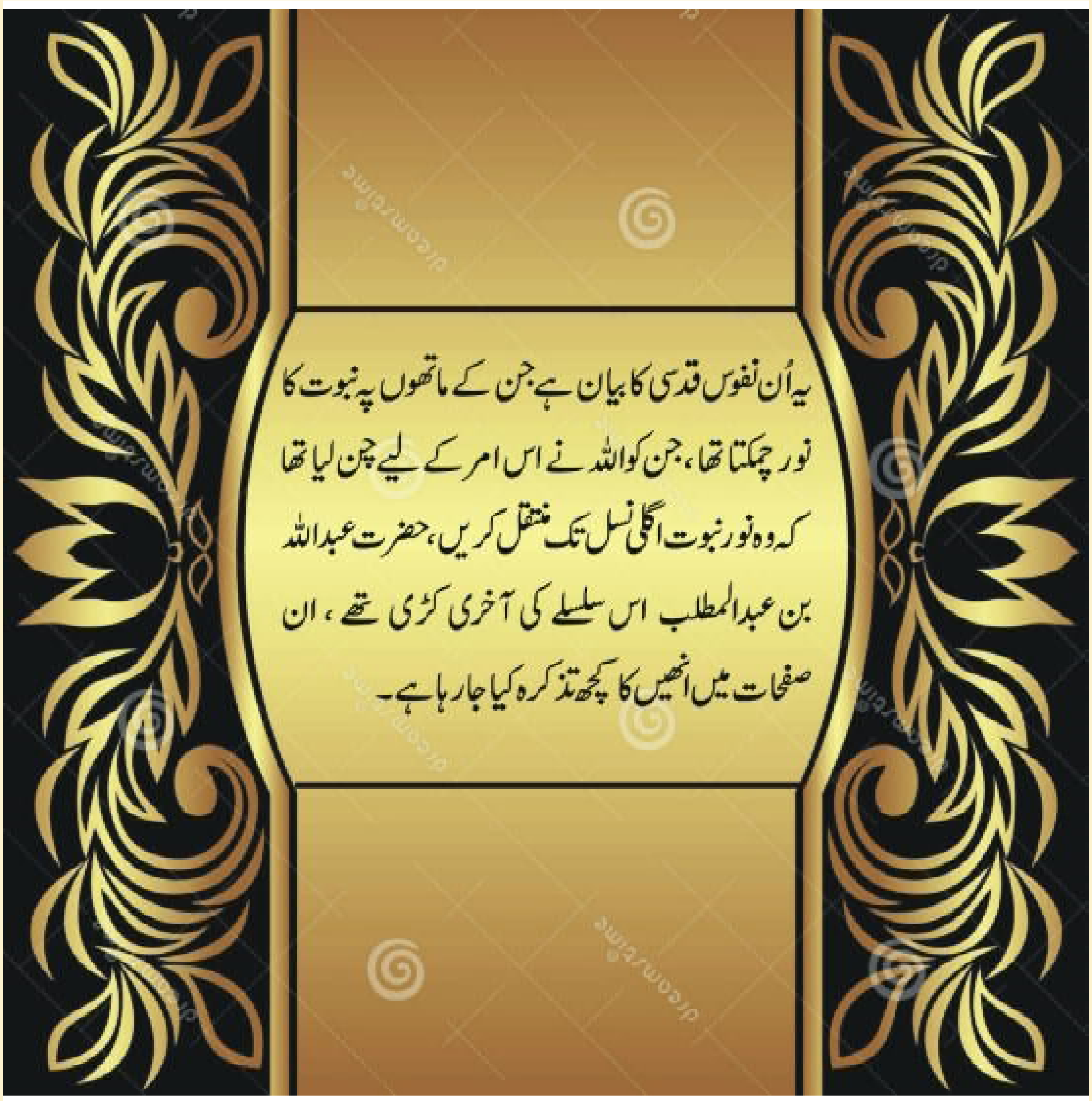
یہ اُن نفوس قدسی کا بیان ہے جن کے ماتھوں پہ نبوت کا
نور چمکتا تھا، جن کو اللہ نے اس امر کے لیے چن لیا تھا
کہ وہ نور نبوت اگلی نسل تک منتقل کریں، حضرت عبداللہ
بن عبدالمطلب اس سلسلے کی آخری کڑی تھے ، ان
صفحات میں انھیں کا کچھ تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

حضرت عبداللہ اپنے باپ حضرت عبدالمطلب کے سب سے محبوب بیٹے تھے وہ اِن تمام اعلیٰ صفات سے مزین تھے جو اُن کے آباء کا طرۂ امتیاز رہی ہیں۔حضرت عبداللہ وجیہ تھے، شجاع تھے، سخی تھے، ملنسار تھے، نرم خو تھے، باحیا تھے، محبت کرنے والے تھے لوگوں کے دکھ بانٹنے والے تھے، وہ اندھیری رات میں چمکنے والے ستارے کی مانند تھے۔اللہ تعالیٰ نے اُن کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ وہ کائنات کی سب سے عظیم شخصیت کے والد بنے اُن کے گھر رونق وجہ کائنات سید المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ نے جنم لیا۔وہ شہر مکہ کی گلیوں کی رونق تھے۔حضرت عبدالمطلب کے چمن کا وہ گل ہائے ناز تھے جن کی محبت میں ہر کوئی دیوانہ تھا۔وہ اپنے سردار باپ کی آنکھ کا تارا تھے تو اہل قریش کا فخر تھے۔وہ حضرت آمنہ کے دل کا سکون تھے تو اپنے بھائیوں اور چچاؤں کی محبتوں کا محور بھی تھے۔اُن کے چہرے پہ اِک نور تھا جو دیکھنے والی آنکھ کو خیرہ کرتا تھا۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ جب حضرت عبدالمطلب زم زم کے کنویں کی کھدائی کر رہے تھے تب قریش

کی جانب سے اُن کو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اُن کے اکیلے بیٹے حضرت حارث اُن کو روکتے تھے۔

تب حضرت عبدالمطلب نے اللہ تعالیٰ سے اپنی اس کمزروی کو دور کرنے کی استدعا کی تھی اور کہا اے اللہ مجھے بیٹے عطا فرما جو میری مدافعت کریں۔

انھوں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اُن کو دس بیٹے عطا فرمائیں اور وہ اُن کے سامنے جوان ہو جائیں تو اِن میں سے ایک کو وہ اللہ کی راہ میں قربان کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دُعا قبول فرمائی اور اُن کو بارہ بیٹے عطا فرمائے جو اُن کی نظروں کے سامنے جوان ہوئے۔

حضرت عبداللہ اُن کے سب سے محبوب بیٹے تھے وہ بہت حسین وجمیل تھے اور لوگ اُن سے محبت کرتے تھے۔ جب حضرت عبدالمطلب نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دُعا قبول فرمالی ہے اور اُن کے بیٹے اُن کے سامنے جوان ہوگئے ہیں تو انھوں نے اپنی نذر پوری کرنے کے متعلق سوچا!

انھوں نے اپنے بیٹوں کو اکٹھا کیا اور اُن کو اپنی نذر سے آگاہ کیا۔

بیٹوں نے اُن سے کہا: آپ شوق سے اپنی نذر پوریں کریں ہم میں سے کوئی نہیں جو آپ کے حکم کے خلاف جائے۔

حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹوں کے اس جواب سے بہت خوش ہوئے۔ وہ انھیں لے کر بیت اللہ شریف آئے اور ہبل کے پجاری سے کہا:

تیر نکالو اور قرعہ ڈالو!

اس موقع پر حضرت عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے۔

عَاهَدْتُہٗ وَاَنَا مُوْفٍ عَھْدَہٗ
وَاللّٰہِ لَا یُحْمَدُ شَیْئٌ حَمْدَہٗ

میں نے اللہ سے عہد کیا تھا اور میں اس عہد کو پورا کروں گا اللہ کی قسم حمد باریٰ تعالیٰ جیسی قابل تعریف اور کوئی شئے نہیں۔

اِذْ کَانَ مَوْلَایَ وَکُنْتُ عَبْدَہٗ
نَذَرْتُ نَذْرًا لَا اُحِبُّ رَدَّہٗ

کیونکہ وہ میرا آقا ہے اور میں اس کا غلام ہوں میں نے ایک نذر مانی تھی جسے بھولنا میں پسند نہیں کرتا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَلَا اُحِبُّ اَنْ اَعِیْشَ بَعْدَہٗ

اور اس کے بعد شاید میں زندہ بھی نہیں رہنا چاہتا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اس دوران بہت سے عرب حضرت عبدالمطلب کے گرد اکٹھے ہو چکے تھے اس لیے کہ اس سے قبل لوگ بیٹوں کی قربانی سے ناواقف تھے اور عربوں میں اس طرح کی کوئی مثال نہ ملتی تھی۔ جب حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں کے ناموں پہ مشتمل تیر ہبل کے امین کے ہاتھ میں دیئے تو لوگوں میں شور مچ گیا کہ حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے والے ہیں اور حضرت عبدالمطلب اس کو قربِ خداوندی کا ایک ذریعہ جانتے تھے کیونکہ اُن کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال موجود تھی جنھوں نے اللہ رب العزت کا قرب حاصل کرنے کے لیے اُن کے حضور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنا چاہا تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے تیر قرعہ اندازی کرنے والے کے حوالے کیے اور اس سے کہا:

جلدی نہ کر اور ان کو آپس میں خوب ملا لے۔

دراصل حضرت عبدالمطلب کے دل میں کہیں خوف تھا کہ تیر حضرت عبداللہ کے نام نکلے گا اور حضرت عبداللہ اُن کو اپنے سارے بیٹوں سے زیادہ محبوب تھے۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ قریش کے نوجوانوں میں سب سے زیادہ حسین تھے اور

آنحضرت محمد ﷺ کا نور اُن کے چہرے میں اس طرح چمکتا تھا جس طرح کہ کوئی روشن ستارہ ہو اور اِن کے حسن و جمال کی وجہ سے قریش کی نوجوان لڑکیاں اِن کی خواہاں تھیں۔ حضرت عبداللہ پہ اپنی جان قربان کر دینا چاہتی تھیں۔ علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ نے سیرت حلبیہ میں لکھا ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی شادی حضرت آمنہؓ بنت وہب سے ہوئی تو خاندانِ قریش، بنو مخزوم، بنی عبد شمس اور بنو عبد مناف کی کوئی ایسی حسینہ نہ تھی جو اس خبر کے غم میں بیمار نہ پڑی ہو۔

پھر قرعہ ڈالا گیا۔

اور قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔

حضرت عبدالمطلب نے تیرانداز سے کہا! پھر ڈالو اور اپنی تسلی کر لو۔

قرعہ پھر ڈالا گیا مگر اب کے بھی قرعہ حضرت عبداللہ ہی کے نام کا نکلا۔

حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور اُن کے دوسرے ہاتھ میں چھری تھی وہ انھیں ساتھ لے کر اس جگہ آئے جہاں اصاف اور نائلہ کے بت رکھے تھے۔ انھوں نے حضرت عبداللہ کو لٹا لیا اور وہ انھیں اللہ کی راہ میں قربان کرنا چاہتے تھے۔

اس موقع پر انھوں نے رجز کے یہ اشعار پڑھے“۔

عَاهَدْتُّهٗ وَاَنَا مُوفٍ نَذْرَهٗ
وَاللّٰہِ لَا یَقْدِرُ شَئیٌ قَدْرَهٗ

میں نے اس سے عہد کیا ہے اور اپنے عہد کو بہر صورت پورا کروں گا اور خدا کی قسم لوگ نہیں جانتے کہ اس امر کی قدر و قیمت کیا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

هٰذَا ابْنِیَّ قَدْ أُرِیْدَ نَحْرُهٗ
وَاِنْ یُؤَخِیّرْهٗ یُقَبِّلْ عُذْرَهٗ

یہ میرا بیٹا ہے جسے میں نے قربان کرنے کا ارادہ کیا ہے اگر اللہ اس امر میں تاخیر کردے تو یہ اس کا فیصلہ ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

جب حضرت عبدالمطلب حضرت عبداللہ کو قربان گاہ کی طرف لے جارہے تھے جو اصاف اور نائلہ کے درمیان تھی تو حضرت ابوطالب آگے بڑھے کہ حضرت عبداللہ اِن کے سگے بھائی تھے اور دونوں کی ماں فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ تھی۔ حضرت ابوطالب نے اپنے باپ کے ہاتھ سے حضرت عبداللہ کا ہاتھ چھڑا لیا اور اپنے ماموؤں کو آواز دی۔

اس موقع پر حضرت ابوطالب نے رجز کے یہ اشعار پڑھے۔

كَلّاوَ رَبِّ البَيْتِ ذِی الأَنْصَاب،

مَاذَبْعُ عَبْدِ اللّٰہِ بِا لتَّلْعَاب،

اس بتوں والے رب کے گھر کی قسم ایسا ہرگز نہ ہوگا عبداللہ کا ذبح کرنا کوئی کھیل نہیں ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

يَا شَيْبَ اِنَّ الرِّيْحَ ذُوْعِقَاب،

اِنَّ لَنَا مُرَّةَ فِی الخُطاب،

اے شیبہ! ہوا عذاب والی ہے اور ہمارے لیے چاہنے والوں میں قبیلہ مرہ بھی ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

اَخوالُ صدقٍ کأ اُسُودِ الغَابِ

جوشیران بیشہ کی طرح ہمارے سچے ماموں ہیں

چنانچہ حضرت ابوطالب کے ماموں جو بنومخزوم سے تھے اپنے بھانجے کی پکار پہ آ پہنچے اور انھوں نے حضرت عبدالمطلب سے کہا:

ہمارا بھانجا سچ کہتا ہے اے ابوالحرث:

ہم اپنے بھانجے عبداللہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے ذبح نہ ہونے دیں گے۔ اگر آپ نے اللہ کی راہ میں اپنے بیٹے کی قربانی ہی کرنی ہے تو اپنے کسی اور بیٹے کو قربان کرلیں۔

حضرت عبدالمطلب نے اُن سے کہا مگر عبداللہ کا نام تو قرعہ میں نکلا ہے۔

مگر حضرت عبداللہ اور حضرت ابوطالب کے ماموں جو بنی مخزوم سے تھے حضرت عبدالمطلب کی بات ماننے کو تیار نہ تھے۔

انھوں نے کہا:

جب تک ہم میں سے ایک ذی روح بھی زندہ ہے خدا کی قسم ہم یہ ظلم نہ ہونے دیں گے اور اگر آپ اس کا فدیہ لینا چاہیں تو ہمارا سارا مال حاضر ہے۔

چنانچہ بنومخزوم کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں میں سے مغیرہ بن عبداللہ بھی تھا جس نے اس موقع پر رجز کے یہ اشعار پڑھے۔

یَا عَجَبًا مِنْ فِعْلِ عَبْدِالمُطَّلب

وذِبْحِہ اِبْنًا کَتِمْثَالِ الذَّھَب

اے عبدالمطلب ! تجھ پہ تعجب ہے کہ تو سونے کی مورتی جیسے بیٹے کو ذبح کرنے کو تلا ہوا ہے۔

كَلاَّ وَرَبِّ الْبَيْتِ مَسْتُورِ الْحُجُبْ
مَا ذَبْحُ عَبْدِاللّٰهِ فِيْنَا بِاللَّعِبْ

اس چھپے ہوئے پردوں والے گھر کی قسم ایسا ہر گز نہ ہوگا ہمارے ہوتے عبداللہ کو ذبح کرنا کوئی کھیل نہیں ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اس کے بعد اہل قریش کے سردار جو بیت اللہ کے گرد اپنی مجالس سجائے بیٹھے تھے آگے بڑھے اور حضرت عبدالمطلب کو اس امر سے باز رکھنا چاہا۔

انھوں نے حضرت عبدالمطلب سے کہا:

اے ابوالحرث۔

تو نے جس کام کا عزم کیا ہے وہ تو بہت ہی ہیبت ناک ہے کیونکہ اگر تجھ جیسے درجے کے شخص سے یہ رسم چل پڑی تو پھر رکنے میں نہ آئے گی اور لوگ اپنے بیٹوں کو قربان کرنا شروع کردیں گے اور نہ تو خود اس امر کے بعد آرام کی زندگی بسر کر سکے گا اس لیے تو جلدی نہ کر اور اس معاملے میں ہمیں نبی اسد کی کاہنہ کی رائے لے لینی چاہیے۔[22*]

حضرت عبدالمطلب قریش کے بے پناہ دباؤ اور بنو مخزوم کی ضد کی وجہ سے خاموش ہو رہے۔اس کے بعد وہ سب لوگ اس کاہنہ کی تلاش میں نکلے۔عرب کہانت کو حق جانتے تھے اور اس پہ اُن کو گہرا اعتماد تھا۔

بنی اسد کی اس کاہنہ کا ٹھکانہ بہت دور شام کے رستے میں کہیں خیبر کی پہاڑیوں میں تھا۔چنانچہ بنو مخزوم اہل قریش اور حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹوں کو ساتھ لے کر نکلے۔پھر وہ نبی اسد کی کاہنہ کے پاس پہنچے اور اسے اپنے مقصد سے آگاہ کیا۔

اور اس موقع پر حضرت عبدالمطلب نے رجز کے یہ اشعار پڑھے۔

يَا رَبِّ اِنِّی فَاعِلٌ لِمَا تُرِدُ
اِنْ شِئتَ الصَّوَابَ وَالرَّشَدُ

اے میرے رب ! میں وہی کروں گا جو تیری مرضی ہوگی اگر تو چاہے تو میرے دل میں صحیح اور درست بات ڈال دی جائے گی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

يَا سَائِقَ الْخَيْرِ اِلَى كُلِّ بَلَدْ
قَدْ زِدتَّ فِی الْمَالِ وَاَكثَرْتَ العَدَدْ

اے ہر شہر کی طرف بھلائی لے جانے والے تو نے مجھے مال بھی بہت دیا اور تعداد بھی کثیر کر دی ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

بنی اسد کی کاہنہ نے اُن سے کہا:

آج میرا موکل حاضر نہیں اس لیے تم لوگ کل آنا میں تمھارے مسئلے کا حل اس سے پوچھ لوں گی۔ دوسرے دن جب وہ لوگ بنو اسد کی اس کاہنہ کے پاس پہنچے تو اس نے کہا:

میں نے اپنے موکل سے تمھارے بارے میں بات کر لی ہے۔ تم ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمھارے ہاں مقتول کی دیت کیا ہے۔

اہل عرب نے کاہنہ کو بتایا کہ اُن کے ہاں مقتول کی دیت دس اونٹ ہے۔

کاہنہ نے کہا اپنے بیٹے کو لے جاؤ اور ایک طرف دس اونٹ رکھو اور دوسری طرف اپنے بیٹے کو بٹھاؤ اور پھر قرعہ ڈالو۔ جب قرعہ اونٹوں پہ نکل آئے تب اِن اونٹوں کو اللہ کی راہ میں قربان کر دو۔

اہل قریش کاہنہ کی اس بات سے بہت خوش ہوئے تھے اس لیے کہ اُن کی نگاہ میں وہ ایک بہت بڑے نقصان سے بچ گئے تھے اور اہل قریش کی نگاہوں کا چین اب ذبح نہیں ہوگا۔ حضرت عبداللہ

کی جگہ اب انھیں اونٹ قربان کرنے تھے“۔

راستے میں عربوں نے حضرت عبدالمطلب سے کہا: اے ابوالحرث۔

تیرے سامنے حضرت ابراہیمؑ کی مثال موجود ہے کہ انھوں نے اللہ کی راہ میں اس کی قربت کے حصول کے لیے اپنا بیٹا قربان کرنا چاہا تھا مگر اللہ نے اُن کے بیٹے کے بدلے میں مال کی قربانی قبول فرمائی تھی اور تو اولادِ اسماعیل کا سردار ہے اس لیے اٹھ اور پنے بیٹے کے بدلے اپنا مال پیش کر تیرا اللہ یقیناً تجھ سے راضی ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ سارا قافلہ بیت اللہ میں پہنچا:

بنی مخزوم اور قریش کے بہت سے لوگ اس موقع پر بیت اللہ میں جمع تھے۔

انھوں نے ایک طرف دس اونٹ کھڑے کیے اور دوسری طرف حضرت عبداللہ تھے۔

پھر قرعہ ڈالا گیا قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔

اونٹوں کی تعداد بیس کر دی گئی اور پھر سے قرعہ ڈالا گیا۔

قرعہ اب بھی حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔

اونٹوں کی تعداد تیس کر دی گئی اور پھر سے قرعہ ڈالا گیا۔

قرعہ ایک بار پھر حضرت عبداللہ ہی کے نام نکلا۔

اونٹوں کی تعداد بڑھتے بڑھتے سو ہو گئی تب قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔

لوگوں نے تکبیر کہی جس سے اللہ کا گھر کا گونج اٹھا۔

لوگوں کی خوشی دیدنی تھی۔

حضرت عبدالمطلب نے امین سے کہا!

ایک بار اور قرعہ ڈالو تا کہ میری تسلی ہو جائے۔

دوسری بار قرعہ ڈالا گیا تو وہ اونٹوں ہی کے نام نکلا۔

تیسری بار پھر قرعہ ڈالا گیا اور قرعہ پھر اونٹوں کے نام نکلا اور حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں کو اشارہ کیا۔ اور وہ اِن اونٹوں کی کونچیں کاٹنے لگے۔ اِن اونٹوں کا گوشت ہر کسی کے لیے تھا کسی پہ کوئی پابندی نہ تھی حتیٰ کہ گدھ اور گوشت خور جانور بھی کئی روز تک اس ضیافت سے لطف اندوز ہوتے رہے ۔اونٹوں کو قربان کرنے کے بعد حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹوں کو ساتھ لے کر چلے گئے خود انھوں

نے اِن قربان کیے گئے اونٹوں کے گوشت سے فائدہ نہ اٹھایا تھا۔لوگوں نے حضرت عبدالمطلب کو مبارک دی کہ انھیں اللہ کی رضا حاصل ہوگئی ہے اور حضرت عبدالمطلب اپنے آنگن کے چاند کو اپنے ہمراہ لے کر لوٹے کہ انھیں کون ذبح کر سکتا تھا جب کہ اُن کی صلب میں نبی اکرم ﷺ کا نطفہ موجود تھا اور وہ اس امانت کو کسی کے سپرد کیے بغیر اس دنیا سے کس طرح رخصت ہو سکتے تھے۔

حضرت عبدالمطلب بے انتہا خوش تھے اور اسی خوشی میں اِن کی زبان پہ یہ اشعار جاری ہوئے۔

دَعَوْتُ رَبِّیْ مُخْلِصًا وَّ جَهْرًا
يَا رَبِّ لَا تَنْحَرْ بُنَیَّ نَحْرًا

میں نے اپنے رب کو اخلاص سے اور بلند آواز سے پکارا کہ اے میرے رب میرے بیٹے کو ذبح نہ ہونے دینا۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَفَادِ بِالْمَالِ تَجِدْ لِیْ وَفْرًا
اُعْطِيْكَ مِنْ كُلِّ سَوَامٍ عَشْرًا

مال کی صورت میں فدیہ قبول کر لے کہ میرے پاس بہت سا مال ہے میں ہر چرنے والے ریوڑ میں دس جانور قربان کروں گا۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

عَفْواً وَلَا تُشْمِتْ عُيُوْنًا خَزْرًا
بِالْوَاضِحِ الْوَجْهِ الْمُغَشَّی بَدْرًا

میں اپنا مال خوشی سے دوں گا اور میرے دشمنوں کو میرے بیٹے کے ذبح ہونے پہ خوش نہ کرنا۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الْأَجَلِّ شُکْرًا
فَلَسْتُ وَالْبَیْتِ الْمُغَطّٰی سِتْرًا

میں شکر کے طور پہ خدائے بزرگ و برتر کی تعریف کرتا ہوں قسم ہے اللہ کے گھر کی جس پہ پردے پڑے ہوئے ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

مُبَدِّلًا نِعْمَۃَ رَبِّیْ کُفْرًا
مَادُمْتُ حَیًّا أَوْ أَزُوْرَ قَبْرًا

میں اپنے رب کی نعمت کو ناشکری میں نہیں بدلوں گا جب تک کہ میں زندہ رہوں حتیٰ کہ اپنی قبر میں جا اتروں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

بنوعبدمناف کی ایک حسین عورت کا نام فاطمہ تھا جس کا تعلق قبیلہ خثعم سے تھا مورخین نے کہا ہے کہ وہ ورقہ بن نوفل کی بہن تھی اور کتاب کے علم سے واقف تھی اس لیے وہ جانتی تھی کہ عربوں کے ہاں ایک نبی کے نزول کا زمانہ قریب آ لگا ہے۔ فاطمہ بنت مر ایک حسین عورت تھی اس لیے قریش کے نوجوان اس سے شادی کے خواہش مند تھے۔ وہ عفیف اور پاکدامن تھی اور سابقہ کتب میں سے اس نے نبی اکرم ﷺ کے متعلق بشارتیں پڑھ رکھی تھیں اس لیے ایک دفعہ جب اُس کا سامنا حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب سے ہوا تو اُس نے اُن کی پیشانی میں چمکتے اُس نور کو محسوس کر لیا تھا جس کی جانے اس کو کب سے تلاش تھی اس لیے اُس نے حضرت عبداللہ سے پوچھا؟

اے نوجوان تو کون ہے؟

میں سردارِ قریش عبدالمطلب کا بیٹا عبداللہ ہوں''۔

حضرت عبداللہ نے فاطمہ بنت مر الخثعمیہ کے سوال کے جواب میں کہا:

فاطمہ نے حضرت عبداللہ سے کہا کیا تو مجھ سے متمتع ہونے پہ راضی ہے جس کے بدلے میں تمھیں سو سرخ اونٹ دوں گی یا یوں کہا کہ اتنے ہی اونٹ دوں گی جتنے کے تیرے فدیے میں دیئے گئے تھے۔

تاہم حضرت عبداللہ نے اس امر سے انکار کر دیا اور کہا!

اما الحرام فالموت دونہٗ

والحِلُّ لاَحِلَّ فاستبینہ

فعل حرام تو ممکن نہیں اس کے بجائے تو مجھے مرجانا قبول ہے اور حلال کی کوئی صورت نہیں کہ اس کی سبیل نکلے۔

فکیف بالامر الذی تنوینہ

پھر وہ امر کیونکر ممکن ہے جو تیری نیت میں ہے

دیگر مورخین نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ یہ اُس روز کا واقعہ ہے جب حضرت عبداللہ اپنے باپ حضرت عبدالمطلب کے ساتھ بنو زہرہ کے ہاں اترے تھے جہاں حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کا نکاح آمنہ بنت وہب سے کیا تھا اور حضرت عبدالمطلب نے اپنا نکاح اسی محفل میں ہالہ بنت وہیب سے کیا تھا جن سے حضرت حمزہؓ شیر خدا نے جنم لیا تھا۔ چنانچہ عرب کے رواج کے مطابق حضرت عبداللہ تین دن تک اپنی سسرال ہی میں رہے اور اپنی بیوی حضرت آمنہ سے صحبت بھی کی اس کے بعد اُن کو فاطمہ بنت مر کی پیشکش کا خیال آیا تو حضرت عبداللہ اس کے ہاں گئے اور اسے کہا:

میں آ گیا ہوں تیری اُس پیشکش کا کیا ہوا۔

حضرت عبداللہ نے دیکھا کہ فاطمہ بنت مر کا رویہ سرد ہے۔

تو انھوں نے کہا!

میں تیری ہی خواہش پہ تیرے ہاں اترا ہوں"۔

فاطمہ بنت مر نے جواب دیا"۔

قد کان ذاک مرۃً فالیوم لا

"وہ تب کی بات تھی اب کی نہیں"

اور اُس کا یہ فقرہ عربوں کی زبان میں محاورہ بن گیا۔

کیا میں تیرے اس انکار کی وجہ جان سکتا ہوں۔

حضرت عبداللہ نے سوال کیا ہاں۔فاطمہ بنت مر نے جواب دیا۔

پھر ساتھ ہی حضرت عبداللہ سے پوچھا؟

جب میں نے تمھیں وہ پیشکش تھی تب اس کے بعد تم کہاں گئے تھے"۔

حضرت عبداللہ نے جواب دیا"۔

اس کے بعد میں بنوزہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف کے ہاں اترا جہاں میرا نکاح اُن کی بیٹی آمنہ سے ہوا۔

کیا تو نے اپنی بیوی سے صحبت کر لی ہے۔

ہاں!

حضرت عبداللہ نے جواب دیا۔

تبھی تمھارے چہرے میں وہ بات نہیں جس نے مجھے وہ پیشکش کرنے پہ مجبور کیا تھا۔

کیا تم مجھے سستی عورت سمجھتے ہو،خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہے۔

بلکہ ماجرا یہ ہے کہ اُس روز میں نے تیرے ماتھے میں ایک نور دیکھا تھا جو آج تیرے ماتھے پہ نہیں ہے جس کا صریح مطلب یہ ہے کہ تو اس نور کو جو نبوت کا نور تھا اپنی بیوی کو سونپ آیا ہے۔جس کا دکھ رہتی زندگی تک میرا ساتھ دے گا میری تمنا تھی کہ وہ نور تجھ سے میں حاصل کر لوں مگر آمنہ کے نصیب مجھ پہ غالب آگئے اور اس نے وہ سعادت حاصل کر لی اور میرے حصے میں صرف محرومی آئی۔

اس دکھ کا تذکرہ فاطمہ کے اشعار میں بھی ملتا ہے۔

فاطمہ بنت مر کے اِن دکھ بھرے اشعار کا تذکرہ اکثر مورخین نے کیا ہے ہم یہاں اس کے کچھ اشعار آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

الی رایت مخلۃ عرضت

فتلالأت بحناتم القطر

میں نے دیکھا کہ ایک گھٹا سامنے ہے جو تیرہ تاریعنی بابرکت ابر باراں سے روشن ہو رہی ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

فلمائھا نورٌ یضی لہ

ماحولہٗ کاضاءۃ الفجر

اس کے پانی میں ایک ایسا نور ہے جس سے اس کے اردگرد اس طرح روشنی ہو رہی ہے جس طرح صبح صادق کی روشنی ہوتی ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

ورأیتہ ُ شرفًا ابوءُ بِہ،

ماکّل قادح زندہ یُوری

میں نے دیکھا کہ یہ ایک ایسی عزت ہے جو مجھے حاصل کرنی چاہیے لیکن ہر شخص چقماق جھاڑتا ہے ضروری نہیں کہ وہ کامیاب بھی ہو۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

للّٰہ ما رھریۃٌ سلبت

ثوبیک ما استلبت وما تدری

قبیلہ بنی زہرہ کی وہ خاتون کیسی خوش نصیب ہے جس نے عبداللہ سے یہ دولت حاصل کر لی اور تجھے خبر تک نہ ہوئی۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

بنی هاشم قد غادرت من اخِیکُم

اُمَیْنَۃُ اذ للباہ یعتلجان

اے بنی ہاشم ! تجھے خبر بھی ہے کہ تمھارے بھائی کا نور اس آمنہ نے لے لیا ہے جس کا اقبال بلند ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

کما غادر المصباح بعُد خُبوّہٖ

فتائلُ قد میث لہ بدھان

اس کی مثال ایسی ہے جس طرح چراغ کے بجھ جانے کے بعد بتیاں اس کے روغن سے تر رہتی ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وما کل یحوی الفتی من تلاوۃٖ

بخرمٍ ولا فاتَہٗ لتوان

انسان جو کسی کی متاع کہن پہ حاوی ہو جائے تو یہ ہمیشہ اس کے حزم اور دور اندیشی کا نتیجہ نہیں ہوتا اور نہ اس کی سستی کا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

فاحبل اذا طالبتَ امرًا فانّہٗ

سیکفیکہٗ جدن ایصطرعان

جب تو کسی امر کا طلبگار ہو تو اس میں خوبی اور خوش اسلوبی کو ملحوظ رکھ کہ تیرے نصیب ہی تجھے کفایت کریں گے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سیکفیکہ' امّا ید ٌ مقضِولّہ'

وَا مّا ید ٌ مبسوطّۃ ببنان,

جو مٹھی بند ہے یا جو ہاتھ کھلے ہوئے ہیں ان میں سے کوئی نہ کوئی تیرے لیے کافی ہوگا اور عنقریب کافی ہوگا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ولمّا قضت منہ اُمَیْنَۃ ٌ ما قضت

نَبَا بصرِی عنہ وَ کُل لسانی

چھوٹی سی آمنہ نے جب فراغت حاصل کرلی تو پھر اس نوجوان کی جانب سے میری بصارت کنداور میری زبان گونگی ہوگئی کہ اس کے بعد مجھے اس سے کوئی رغبت نہ تھی [23*] ۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت آمنہ اور حضرت عبداللہ کی شادی کو کچھ ہی ماہ ہوئے تھے کہ حضرت عبداللہ عربوں کے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے جب وہ وہاں کی تجارتی سرگرمیوں سے فارغ ہوئے تب وہ علیل ہو چکے تھے جب وہ غزہ تک پہنچے تو شدید بیمار تھے۔ اس دوران اُن کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی تو وہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ قافلے کو مکہ جانا تھا اور حضرت عبداللہ کی صحت اس قابل نہ تھی کہ وہ صحرا کا یہ دشوار گذار سفر کر سکیں اس لیے انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: میں اپنے ننھال بنی نجار کے ہاں رک جاتا ہوں۔ اس طرح قافلہ حضرت عبداللہ کے بغیر مکہ پہنچا۔ حضرت عبدالمطلب نے جب اس قافلے میں حضرت عبداللہ کو نہ پایا تو وہ سخت پریشان ہوئے۔ قافلے والوں نے جو خبر حضرت عبدالمطلب تک پہنچائی وہ بھی کوئی اچھی خبر نہ تھی۔ انھوں نے حضرت عبدالمطلب کو بتایا تھا کہ حضرت عبداللہ کی طبیعت سخت خراب تھی جس کی وجہ انھیں اُن کو بنی عدی بن نجار کے ہاں چھوڑنا پڑا۔

حضرت عبدالمطلب کے دن کا چین اور رات کی نیند اچاٹ ہو گئی تھی۔

چند دِنوں بعد انھوں نے اپنے بڑے بیٹے حارث بن عبدالمطلب سے کہا:

مجھے اس وقت تک سکون سے سانس نہ آئے گا جب تک کہ میں اپنے بیٹے کے متعلق اصل بات نہ جان لوں۔

تم مدینہ جا کر اپنے بھائی کو لے کیوں نہیں آتے۔حارث بن عبدالمطلب مدینہ کو روانہ ہوئے مگر حضرت عبداللہ سے اُن کی ملاقات نہ ہو سکی اس لیے وہ اُن کے پہنچنے سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ انھیں نابغہ کے گھر دفن کیا گیا تھا۔

حضرت حارث جب اکیلے واپس پہنچے تو اُن کے والد نے اُن سے کچھ نہ پوچھا، نہ کوئی سوال کیا نہ واویلہ کیا کہ وہ سب جان گئے تھے۔ وہ سوچتے تھے کہ وہ تو شاید اس دکھ کو جھیل جائیں مگر اُن کی نوجوان بہو پہ کیا گزرے گی جس کے ہاتھوں کی مہندی بھی ابھی تازہ تھی۔

مگر اس طرح کی خبر چھپائے بھلا کب چھپتی ہے۔

حضرت آمنہ کو جو دکھ ہوا ہوگا اس کا احاطہ الفاظ میں کرنا ممکن ہی نہیں اس لیے کہ احساسات اور جذبات کو بیان نہیں کیا جاتا اُن کو صرف محسوس کیا جاتا ہے۔ جوان بیٹے کے دکھ نے جہاں حضرت عبدالمطلب کی کمر توڑ دی تھی وہیں حضرت آمنہ بھی کسی بجھے ہوئے چراخ کی راکھ بن کے رہ گئی تھیں۔

دکھ اگر چہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے مگر اس کا حقیقی ادراک انھیں کو حاصل ہوتا ہے جو دکھ کی اندھی کی غار میں جا گرتے ہیں۔

اور حضرت آمنہ کا دکھ تو ایسا تھا کہ جسے بیان کرنا بھی دشوار ہے کہ اُن کی زندگی کے تمام سپنے اور تخیلات جس ذات سے وابستہ تھے وہ اِن سے روٹھ کر اتنی دور جا چکی تھی جہاں سے کوئی واپس نہیں آ تا۔صرف سانس چلنے کا نام اگر زندگی ہے تو حضرت آمنہ زندہ تھیں مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ کے بعد اُن کو اس زندگی سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اگر اُن کا سانس چل رہا تھا تو وہ بھی شاید اس لیے کہ انھیں حضرت عبداللہ کے بیٹے محمد ﷺ کی ماں بننا تھا اور اس عظیم منصب پہ فائز ہونا تھا جس کی مثل اس دنیا میں کوئی اور نہ ہو سکتا تھا کہ فیصلے بھی اللہ کے ہیں اور انتخاب بھی اسی کا ہوتا ہے اس لیے انھیں بہر حال سانس کی اس ڈوری کو بحال رکھنا تھا تا کہ دنیا کی گمراہی کا سد باب ہو سکے۔ دنیا سے جہالت کے اندھیرے دور ہو سکیں اور دنیا کو فلاح کی ابدی منزل کا ادراک صرف اسی صورت حاصل ہو سکتا تھا جب نبی اکرم ﷺ حضرت آمنہ کے گھر جنم لیں۔

چنانچہ انھوں نے زندگی کی اِن گزرتی ساعتوں کو اپنے بیٹے کے لیے وقف کر دیا جن کا وجود سراپا

رحمت تھا اور جن کے تشریف لائے بغیر دنیا کی تکمیل نہ ہو سکتی تھی۔ حضرت آمنہؓ نے اپنے محبوب شوہر کی اس ناگہاں موت پہ ایک عمدہ مرثیہ کہا تھا جس کے کچھ اشعار یہاں درج کیے جا رہے ہیں۔

حفا جانب البطحاء من ابن هاشم
وجاور لحدًا اخارجًا فِی الغماغم

ہاشم کے اُس فرزند کی موت اتنا جانکاہ حادثہ تھا کہ اس کے بعد بطحاء کا نام و نشان تک مٹ گیا نوحہ و بکا وگریہ و غوغا کے غیر متمیز شور میں باہر نکل کے وہ ایک لحد کا مجاور ہو گیا۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

دعته المنايا دعوة فا جا بها
وماتركت فِی النَّاس مثل ابن هاشم

موت نے اسے دعوت دی اور اُس نے وہ دعوت قبول کر لی اور انسانوں میں کسی ایک کو بھی موت نے ایسا نہ چھوڑا جو فرزند ہاشم جیسا ہوتا۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

عَشِيَّةً راحوا يحملون سريره‘
تَعَاوَرَهٗ اصحابُه‘ فی التراحم

جب اُس رات وہ اس کا تابوت لے کے چلے تو اس کے ساتھیوں نے اس تابوت کو دست بدست لیا۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

فِان يک غالته المنا يا وَريببهُا
فَقد كان عطاء كثيرَ التزاحم

اگر وہ مرگیا تو کیا ہوا اس کے آثارِ خیر تو نہیں مرے کیونکہ وہ نہایت درجہ فیاض اور بہت ہی رحم دل تھا

[*24]

✡✡✡✡✡✡✡✡

اللهم صل علی محمد و آل محمد

۱۲ ربیع الاول ۵۲ قبل ہجرت 21 اپریل 571ء

سحرِ انقلاب

تب عرب کے سلگتے ریگذاروں کے ہر ذرے میں اِک اضطراب تھا......اور صحرا در صحرا اِک وحشت تھی...... اور اس شب زمین و آسمان کے تیور بھی الگ سے تھے...... ستارے یوں چمکتے تھے کہ جیسے پھٹ ہی جائیں گے...... آج پرندوں کا لحن و سوز بھی الگ سا تھا......ہوا کسی نازک اندام حسینہ کی طرح دبے پاؤں مگر شوخی سے گذرتی تھی......اس لیے کہ شاید انسان کے سوا کائنات کی تقریباً تمام مخلوقات کو یہ ادراک حاصل تھا...... کہ کوئی بڑا واقعہ ہونے کو ہے...... چاہے وہ اس کی حقیقت سے آگاہ نہ ہوں...... مگر اس بڑے واقعہ کے پیش منظر میں چھپے خیر کا احساس ان کو بہر حال حاصل تھا . . . . . .اور شاید یہی وجہ تھی . . . . کہ شبنم عارضِ گُل پہ

لہرانا بھولی بیٹھی تھی...... تو دریا اپنی روانی کھونے لگے تھے...... سار بانوں کے قافلے راستے بھولنے لگے تھے...... تو دشت کی خامشی سحر انگیز نغموں میں بدلنے لگی تھی...... سرِ چمن خزاں کو شکست کا سامنا تھا...... تو بہار اپنا تسلط قائم کرنے سے گریزاں تھی...... کہ زمین و آسمان کے بدلتے فیصلوں میں اس کا مقام کیا ہوگا...... تب وحشت اپنے بال کھولے نئی پناہ گاہوں کی تلاش میں تھی...... تو شیطان اپنے سر پہ ردائے خاک اوڑھے اپنے شکستہ نصیب پہ نوحہ کناں تھا...... جو اَب اس کا مقدر ٹھہرنے والا تھا...... تب پوری دنیا اخلاقی سماجی اور عقائدی اندھیرے کے اس دور میں تھی جہاں انسانیت کی سسکیوں پہ شجر و حجر...... دریا و سمندر...... زمین و آسمان...... پستیاں اور بلندیاں...... گُل و باغبان...... پہاڑوں کے چشمے...... کوہساروں کی وادیاں...... بادلوں کے لشکر...... سورج کی کرنیں...... چاند کی متانت...... سمندروں کا اضطراب...... ستاروں کی استقامت...... ہواؤں کی روانی...... صحراؤں کے طوفان...... لہراتے بادبان...... دہکتے بیابان...... درختوں سے گرتے پتے...... صحراؤں میں بکھرے بگولے...... آتش فشانوں کے دھانے...... سمندروں کی گہرائیاں...... قوس قزح کے رنگ...... فطرت کی کرشمہ سازیاں...... برسات کی بوندیں...... وادیوں کے نغمے...... گلوں کی سرگوشیاں...... بہاروں کی مستیاں...... خزاؤں کی حسرتیں...... گلابوں کی نازکی...... سنگ و خار کی سختی...... دشت کی ویرانی...... چمن کی ہریالی...... نخلستانوں کی خنکی...... برف پوش چوٹیوں کی عظمت...... بادِ صرصر کی سرسراہٹ...... سات رنگوں کی دھنک...... بادِ صبا کا خمار...... کوئل کی نغمگی

......برکھا کی رت...... اُدھ کھِلی کلیوں کا حزن...... لمبے ہوتے سائے...... رعد کی پکار...... نیلے آسمان کی خامشی...... دھرتی کا سکوت...... پہاڑوں کا صبر...... تہذیب کے کھنڈرات...... تاریخ کے مدفن...... حسن کا سحر...... شاعر کا بانکپن...... لب گذیدہ دعائیں...... دستِ نارسا کی کسک...... چشم آہو کی حیرانی...... دیوار و در کی ویرانی...... اُدھ کھلے غنچوں کی پشیمانی...... سرِ مژگاں بکھرے موتی...... قدم قدم شکستگی...... موج خمار کی تشنگی...... ساحلوں کی اداسی...... راہگذاروں کی تپش...... جنوں کی منزلیں...... خرد کی پہنائیاں...... عرفان کے تقاضے...... شعور کی منزلیں ...... مسافتوں کے آزار...... ظلمتوں کے انبار...... بے یقینی کے دیار...... جہالت کے معمار...... قحط علم کے شاہکار...... نفس کے پیروکار...... نسب کے وقار...... ندامت کی روایت...... حیا کی نسبت...... وفا کی مہک...... جفا کی سختی پہ سب نوحہ کناں تھے...... سر بہ گریباں تھے...... چاک دامن سوئے فغاں تھے...... اور حیرت کے کتنے جہان تھے...... جو کسی جگنو کی ٹمٹماتی روشنی ہی کو منزل قرار دینے پر مصر تھے ...... کہ اُن کو اِس اُجلی سویر کا شعور ہی نہ تھا...... جو اپنے جلو میں نور و خیر کے انبار لا رہی تھی...... اور وہ خالق کے اس وعدے کو بھولے بیٹھے تھے...... کہ ہر شبِ دیجور کے بعد ......اِک صبح نور ہے...... ہر گمراہی کے بعد...... اِک شبِ طور ہے...... ہر اشک کے بعد......اِک درجہ عروج ہے...... ہر خزاں کے بعد......اِک منظر بہار ہے...... اور ہر جہد و سعی کے دوسرے سرے پہ اِک منزل طرب ہے ...... ہر سلگتے صحرا کے

بعد......اِک نخلستان ہے...... ہر شبِ فراغ پہ اِک سورج نگہبان ہے...... ہر موجِ لہر میں پوشیدہ کسی ساحل کا امکان ہے...... ہر دیوانہ کسی کھوئی منزل کا نشان ہے...... اور سلگتے ویرانوں میں ہی...... پنہاں رازِ شامِ زمستاں ہے......امید کی وسعت شاعرانہ تخیل کا جہان ہے...... فکر وشعور کا ہر سنگِ میل چھن چکی منزلوں کا نشان ہے...... اور انہی منزلوں کے متلاشی انسان کی تلاش اب ختم ہونے کو تھی کہ سرِ افلاک کسی اہم فیصلے کی گونج تھی...... کوئی موجِ رحمت لپکنے کو تھی...... کوئی تجلی تشنگی کے جہانوں کو نگلنے کو تھی کوئی ردائے خیر زخموں کو ڈھاپنے کو تھی...... کوئی احساس موسم....دل کو تھرتھرانے لگا تھا ...... کوئی آنچ عقائدی حبس کو راکھ بنانے کو تھی...... کوئی ساربان قافلوں کو نوید منزل بخشنے کو تھا...... اور کوئی چراغ اندھی راہوں پہ نور بکھیرنے کو تھا...... کسی دیار سے صدائے خیر گونجنے کو تھی...... کوئی مسیحا ہر درد مٹانے کو تھا...... کوئی موج نوید سحر لانے کو تھی...... کوئی بادل کھل کے برسنے کو تھا...... کوئی صدا اسلوبِ کہن کو بدلنے والی تھی...... کوئی آس لب پہ بکھرنے کو تھی...... ہر گل کو میسر تھی شبِ نازِ عروساں ...... ہر روشِ چمن پہ کوئی داستاں کھلنے کو تھی...... کائنات میں اِک شور بپا تھا...... ہر گلی کی ویرانی رونق سے بدلنے کو تھی...... ہر چند کہ ابھی دلوں میں سختی تھی...... مگر کوئی چارہ گر نسبتوں کو بدلنے کو تھا...... اِک چاند مہکتا رہا شب بھر بھر سرِ آسمان......اِک چاند مگر زمیں پہ بھی اترنے کو تھا...... ہر لب پہ ابھی تشنگی تھی...... مگر اِک احساسِ خنک ہر سو بکھرنے کو تھا...... ہر سلگتے سوال کا جواب زمیں آشنا ہونے کو تھا...... ہر دن کے طور ہر شب کا قانون اترنے کو تھا...... خیالوں کی وادئ خوابوں کا نگر آباد ہونے کو تھا......

جہالت کی گلیوں میں دریائے علم اترنے کو تھا......اِک احساسِ خنک تھا جس نے ریگزارِ عرب کے ہر ذرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا جو جانے کب سے اِک انجانے اضطراب و بے چینی کا شکار تھا......وہ معاشرہ جو عقائدی حبس کا شکار تھا......اس پہ رحمت کے گھنے بادل برسنے کو تھے......چاہتوں اور امنگوں کا اِک دریا چڑھنے کو تھا......حسرتوں اور یاس کے سائے چھٹنے کو تھے......فراغت اور آسودگی کے چشمے پھوٹنے کو تھے......چاند سورج اور ستارے آمنہ کے نصیب پہ ششدر تھے کہ اس کے آنگن میں کھلنے والے گُل کی خوشبو سے اِک جہاں معطر ہونے کو تھا......شاید اسی لیے اُس صبح سعید کو کائنات کا ذرہ ذرہ دم سادھے کھڑا تھا کہ اللہ کا وہ فیصلہ پورا ہو اور دنیا سے جہالت مٹ جائے......علم آ جائے......درد مٹ جائے......خوشی چھا جائے......دکھ جاتا رہے......سکھ آ جائے ظلمت مٹ جائے نور آ جائے......باطل مٹ جائے حق آ جائے......شرک مٹ جائے توحید آ جائے......خزاں رخصت ہو بہار آ جائے......بے چینی مٹ جائے قرار آ جائے کفر جاتا رہے اسلام آ جائے......وہم جاتا رہے یقین آ جائے......تقرار مٹ جائے قرآن آ جائے......شبِ ہجر پوری ہو......لمحہ وصال آ جائے......آنگن کی ویرانی جاتی رہے......میرا مہمان آ جائے......وحشت مٹ جائے......شبِ زمستاں آ جائے......بہمیت مٹ جائے......شرف کی پہچان آ جائے......بادِ صرصر سے ملے نجات......بادِ صبا آ جائے......کوئی ویرانی سی ویرانی ہے......رونق کائنات اب آ جائے......کوئی پکارے تو سہی طور سے......کہ دل کو

قرار آجائے...... لب پہ تشنہ خوابوں کے تذکرے ہیں...... کوئی چارہ گر کہیں سے آ جائے......اس سے پہلے کہ ٹوٹے پندارِ ظرف...... کوئی مسیحا چپکے سے آجائے...... شرفِ انسان کی بولی لگ رہی ہے دامنِ فاران میں...... کوہ حرا سے اب کوئی حکم آجائے ......مٹ جائیں دستورِ کہن سب...... جو جبرائیل کی صدا آ جائے...... شکستہ دامن میں زخموں کی داستانیں ہیں...... وہ مسیحا لیے مرہم اب آ جائے......جاگے ہیں جس کے انتظار میں شب بھر...... وہ صبح گُل اب آ بھی جائے...... کہ اسی صبح گل کے تذکرے میں کائنات کے سب رنگ محو ہیں اور ارض وسماء کا ذرہ ذرہ اسی امر کا منتظر ہے کہ کب دشتِ فاران سے وہ صدا بلند ہو جس سے شرفِ انسانیت کی تکمیل ہو...... بھٹکے مسافروں کو منزل ملے...... صحرا کے بگولوں کو راحت ملے...... وحشت سے تڑپے کو چاہت ملے...... پیاسوں کو زم زم کی آہٹ ملے...... کوئل کے نغموں کو ندرت ملے ......شاہین کو پرواز کی قدرت ملے...... سورج کو پھر سے نکہت ملے...... چاند کو منزلوں کی اجازت ملے...... لب گریزوں کو نئی ہمت ملے...... زیست کو پھر سے کوئی مقصد ملے...... بکھرے رستوں کو منزل کا عنواں ملے......بھٹکے قدموں کو راستی کا نشاں ملے...... حق کو پھر سے اذنِ اذاں ملے......تپتے صحراؤں کو رحمت کا سائباں ملے......خوابوں کو تعبیر سرِ مژگاں ملے......لبِ جاں آدمیت کو ساحلوں کا نشاں ملے ...... دیوار و در کی ویرانی کو کوئی مہمان ملے...... موسم حزن کو گل سرِ گلستاں ملے......

رت جگوں کو رنگِ شبستاں ملے......ویرانیِ دہر کو بزم تاباں ملے......زیست ہر پل

روبہ امکاں ملے ...... کعبے کو پھر سے درباں ملے ...... مدینے کو افلاک کا مہماں ملے ...... اور جب اللہ کا یہ فیصلہ پورا ہو پھر عبدالمطلب کے گھر کی ویرانی جاتی رہے گی اور جب آمنہ کی گود بھر جائے گی تب زمین وفلک پکاریں گے کہ ...... زخموں پہ رکھنے مرہم آ گیا ہے ...... مسیحا کوئی سر بزم آ گیا ہے ...... یتیموں کا رکھنے بھرم آ گیا ہے ...... کہ ابرِ جود وکرم آ گیا ہے ...... آسماں سے قانونِ حرم آ گیا ہے ...... چاہت کا اچھوتا نظم آ گیا ہے ...... تبدیلی کا لے کر عزم آ گیا ہے .... نبوت کا لے کر علم آ گیا ہے .... وہ دیکھو شاہ اُمم آ گیا ہے .... دامن میں لے کے قرآن آ گیا ہے ...... عربوں کا وہ مہمان آ گیا ہے ...... پھر سے جینے کا اب سماں آ گیا ہے .... در پہ آمنہ کے سارا جہاں آ گیا ہے ...... ظلم تھم گیا مہرباں آ گیا ہے ...... حکمتوں سے بھرا دیواں آ گیا ہے ...... زمانے کو پھر سے قرار آ گیا ہے ...... آسماں کو زمیں پہ پیار آ گیا ہے ...... یہ کون سر بلند میرے دیار آ گیا ہے ...... تورات وانجیل کا فرمان آ گیا ہے ...... ابراہیم کا مان آ گیا ہے ...... اسے دیکھا تو لب پہ ارمان آ گیا ہے ...... سلگتے صحراؤں کا نخلستان آ گیا ہے ...... وہ عرب وعجم کا والئی ...... وہ شاہ دوجہاں آ گیا ہے ...... باطل کے ایوان لرزنے لگے ہیں ...... کہ وہ صاحبِ عرفاں آ گیا ہے ...... بھری دوپہر میں وہ ...... بن کے شام زمستاں آ گیا ہے ...... لبوں پہ تالے ہیں ...... بت خانوں پہ حزن ...... جب سے وہ شوخ بیاں آ گیا ہے ...... راحت کے عنواں بدل گئے ہیں ...... جب سے وہ شاہ خوباں آ گیا ہے ...... بھٹکے قافلوں کو نوید ہو ...... کہ راہبر وراہنما آ گیا ہے ...... دیوار ودر کان لگاؤ ...... کہ وہ خوش نوا آ گیا ہے ...... بہار وچمن سجاؤ کہ کائنات پہ نکھار آ

گیا ہے...... اور کائنات پہ اس نکھار سے سے پہلے کیا تھا...... نبی اکرم ﷺ سے پہلے یہ کائنات ادھوری تھی......یوں کہ جیسے ...... گُل بغیر خوشبو کے ہو...... دن بغیر روشنی کے ہو...... ابر بغیر پانی کے ہو...... آنکھ بغیر نور کے ہو...... دل بغیر دھڑکن کے ہو ...... صبح بغیر سورج کے ہو...... علم بغیر دلیل کے ہو...... اِذن بغیر حکم کے ہو...... حکم بغیر عدل کے ہو......عدل بغیر قرآن کے ہو...... سحر بغیر اذان کے ہو...... چاند بغیر ستاروں کے ہو...... ستارہ بغیر رات کے ہو...... رات بغیر نیند کے ہو...... نیند بغیر تھکن کے ہو......دکھ بغیر سکھ کے ہو...... سکھ بغیر سکون کے ہو...... اشک بغیر درد کے ہو...... درد بغیر نصیب کے ہو...... چمن بغیر بہار کے ہو...... بہار بغیر صبا کے ہو...... صبا بغیر نرمی کے ہو...... شجر بغیر سائے کے ہو...... آسماں بغیر ستاروں کے ہو......زمیں بغیر ہدایت کے ہو...... ہجر بغیر فراق کے ہو...... فراق بغیر محبوب کے ہو...... شفاء بغیر دوا کے ہو...... مسیحا بغیر مرہم کے ہو......انسان بغیر عقل کے ہو...... عقل بغیر راہنما کے ہو......راہنما بغیر قافلے کے ہو...... قافلہ بغیر منزل کے ہو...... منزل بغیر فلاح کے ہو......فلاح بغیر رسول کے ہو...... صحرا بغیر ریت کے ہو ...... سمندر بغیر موج کے ہو...... موج بغیر بھنور کے ہو بھنور بغیر ہوا کے ہو...... ہوا بغیر سمت کے ہو...... سمت بغیر ساحل کے ہو......ساحل بغیر محبوب کے ہو...... محبوب بغیر عشق کے ہو...... عشق بغیر تڑپ کے ہو...... تڑپ بغیر درد کے ہو...... درد بغیر احساس کے ہو......احساس بغیر قلب کے ہو...... قلب بغیر ذکر کے ہو......ذکر بغیر

توجہ کے ہو...... توبہ بغیر معبود کے ہو...... رنگ بغیر شوخی کے ہو...... شوخی بغیر طرب کے ہو ...... طرب بغیر وصال کے ہو...... وصال بغیر تمنا کے ہو...... سانس بغیر آس کے ہو...... آس بغیر یاس کے ہو...... یاس بغیر خزاں کے ہو...... خزاں بغیر حزن کے ہو...... حزن بغیر فراق کے ہو...... کتاب بغیر لفظ کے ہو...... لفظ بغیر مدعا کے ہو...... مدعا بغیر التجا کے ہو...... التجا بغیر الٰہ کے ہو...... آنکھ بغیر اشک کے ہو...... اشک بغیر سوز کے ہو...... سوز بغیر فکر کے ہو...... فکر بغیر منزل کے ہو...... منزل بغیر ساتھی کے ہو...... ساتھی بغیر وفا کے ہو...... وفا بغیر جفا کے ہو...... جفا بغیر وجہ کے ہو...... وجہ بغیر دلیل کے ہو...... دلیل بغیر عقل کے ہو...... عقل بغیر علم کے ہو...... علم بغیر قرآن کے ہو...... تو کائنات کا جو نقشہ بنتا ہے وہ بہت ہی ہونق ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بغیر یہ کائنات بے رنگ تھی.... بے ڈھنگ تھی...... بے وجہ تھی...... مگر جب مکے کی گلیوں میں نبی اکرم ﷺ کے پاؤں کی چاپ ابھری تب کائنات کے سب رنگ نکھر گئے ...... گل کھل اٹھے ...... لب مسکرا دیئے...... ہوائیں جھوم اٹھیں ...... گل مہک اٹھے ...... چمن دہک اٹھے ...... منزلیں پکارنے لگیں ...... موجیں رقص کرنے لگیں ...... رحمت جوش مارنے لگی .... باطل کے ایواں لرزنے لگے ...... انقلابوں کی نوید گونجنے لگی ...... شیطان نوحہ کناں ہوا ...... جنت کی راہیں کھل گئیں ...... فلاح کی صدائیں بکھرنے لگیں ...... صبح کا نور برسنے لگا ...... جہل کے سائے بکھرنے لگے...... علم کے دریا چڑھنے لگے ...... خوشبو کی ردائیں لہرانے لگیں ...... ظلمت کا محل ٹوٹنے لگا

...... نور کے سائباں تننے لگے ...... ہدایت کی روشیں سجنے لگیں ...... قانون کا دفتر اترنے لگا ...... دلیل کو قوت ملنے لگی ...... توہم کے خیمے اکھڑنے لگے ...... یقین کے شاہکار دمکنے لگے ...... عربوں کی فصاحت بجھنے لگی ...... قرآن کی بلاغت چمکنے لگی...... وحی کی شمع پھڑ پھڑانے لگی ...... شرک کی مسندیں اجڑنے لگیں ......توحید کے ترانے گونجنے لگے ...... کفر کے فسانے بکھرنے لگے ......اِلہٰ کے تصور بدلنے لگے ...... قریش کے بت لرزنے لگے......دعاؤں میں اثر آتا گیا ...... آرزوں کے پیانے بدلنے لگے...... جنوں کے اسلوب بدلنے گے ...... خرد کے اسلوب بدلنے لگے ......صحراؤں میں بگولے مچلنے لگے ...... قیصر وکسریٰ کے ایواں لرزنے لگے ...... تکبر کا سر نیچا ہونے لگا ...... شرف کی صدائیں مچلنے لگیں ......اشک شکر کی منزل پانے لگے ...... دل راحت کے نغمے گانے لگے ...... کلفتوں کے نشاں سب مٹنے لگے ......زخم ایک ایک کر کے مٹنے لگے ...... گردِراہ سے مقدر سنورنے لگے ...... ذکرِ فردا سے چہرے نکھرنے لگے ......

‘‘‘‘‘‘

نبی اکرم ﷺ کی آمد پہ سرِ کائنات ایک ہلچل تھی، اِک بے چینی تھی جو نظم آخر کی تکمیل کی منظر تھی اور اسی لیے کُل کائنات کی نظریں سرِ افلاک ہوتے فیصلوں کی منتظر تھیں کہ انسانیت کی فلاح کا فیصلہ منظر عام پہ آئے اور نظم کائنات کی تکمیل ہو ...... قرآن کی تکمیل ہو ...... ایمان کی تکمیل ہو ...... اسلام کی تکمیل ہو ......انسان کی تکمیل ہو ...... سماج کی تکمیل ہو ...... رواج کی تکمیل ہو ...... روایت کی تکمیل ہو ......اخلاق کی تکمیل

ہو...... اعمال کی تکمیل ہو ......ہدایت کی تکمیل ہو ...... شہادت کی تکمیل ہو ...... عبادت کی تکمیل ہو ...... ریاضت کی تکمیل ہو ...... قیادت کی تکمیل ہو ......راہگذر کی تکمیل ہو ...... آرزو کی تکمیل ہو...... حکم کی تکمیل ہو...... علم کی تکمیل ہو ...... نظم کی تکمیل ہو ...... قانون کی تکمیل ہو ...... آئین کی تکمیل ہو ...... انقلاب کی تکمیل ہو......بہار کی تکمیل ہو...... ...... آرزو کی تکمیل ہو...... سکوں کی تکمیل ہو...... سفر کی تکمیل ہو...... شرف کی تکمیل ہو...... حرفِ ابراہیم کی تکمیل ہو...... تورات وانجیل کی تکمیل ہو...... تسلیم ورضا کی تکمیل ہو...... پیام حرا کی تکمیل ہو...... سوزِ اُحد کی تکمیل ہو...... معرکہ بدر کی تکمیل ہو...... آزارِ ہجرت کی تکمیل ہو...... حکم الا اللہ کی تکمیل ہو...... شکستِ باطل کی تکمیل ہو...... صبح نور کی تکمیل ہو...... آفتابِ رسالت کی تکمیل ہو...... رنگِ کائنات کی تکمیل ہو ...... شرف انسان کی تکمیل ہو...... ابوبکرؓ کی وفا کی تکمیل ہو ...... عمرؓ کی فراست کی تکمیل ہو............ عثمانؓ کی سخاوت کی تکمیل ہو ......علیؓ کی شجاعت کی تکمیل ہو ...... حسینؓ کی گواہی کی تکمیل ہو ...... بلالؓ کے جنوں کی تکمیل ہو...... صہیبؓ کے ذوق کی تکمیل ہو...... خدیجہؓ کے ایثار کی تکمیل ہو ......عائشہؓ کی محبت کی تکمیل ہو ...... انسؓ کی خدمت کی تکمیل ہو...... سلیمان فارسیؓ کے انتظار کی تکمیل ہو...... اور خود کائنات اس انتظار میں تھی کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لائیں اور اس کی تکمیل ہو کہ اُن کی آمد کے بغیر تو کائنات کا ہر پہلو تشنہ تھا تکمیل کا کیا سوال اور جب نبی اکرم ﷺ حضرت آمنہ کے آنگن کی

رونق بن گئے تو کائنات کا ذرہ ذرہ احساس تشکر سے جھوم اٹھا کہ اس کی تکمیل ہوگئی، اب منزلیں فروزاں تھیں کہ اُن کی راہیں روشن تھیں نور کا اِک سیل بیکراں تھا جو چارسو رواں تھا کہ اُن کے دامن میں قرآن تھا جس نے دنیا کے آئین کی تکمیل کرنی تھی، سبک خرام ہواؤں میں اِک مستی تھی کہ وہ اپنے کندھوں پہ اِک نرم ولطیف پیغام خیر اٹھائے انسانیت کو اس سے آگاہ کرنے نکلی تھیں کہ دامن کشا اُس گلی میں چلے آؤ جہاں سب سے بڑا سخی علم اور رحمت کی دولت ہاتھوں ہاتھ بانٹ رہا ہے تو کون ہے جو محبت کی اس راہ کو نکلے اور اپنے دامن کو اس دولت سے بھرلے جو صرف اسی در کی میراث ہے، خیر کا اِک تسلسل تھا جس سے لوگوں کی زندگیاں سنور رہی تھیں، حق اور سچ کی صدائیں مکہ کی گلیوں میں اِک نور بکھیر رہی تھیں اور بیت اللہ میں رکھے بت لرزاں تھے کہ اُن کی پرستش کرنے والے حق کو پہچان رہے تھے اور شیطان کو اگرچہ اختیار دیا گیا تھا مگر اس کے باوجود وہ خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا کہ قرآن کی آیات اسکے دھوکے کو لوگوں پر کھول رہی تھیں، بیت اللہ اگرچہ ہمیشہ سے آباد تھا مگر اس کے والئی آدابِ عبدیت بھول چکے تھے مگر اب اُن کو کچھ کچھ یاد آنے لگا تھا کہ اُن کے باپ حضرت ابراہیم بھی تو یہی کہتے تھے جو محمد ﷺ کہہ رہے ہیں اس لیے اُن کے دلوں پہ جمی راکھ بکھرنے لگی تھی اور ساتھ ساتھ اِن کے مقدر بھی سنورنے لگے تھے کہ میرے اِن لفظوں کی میلاد کے جلو میں وہ صبح امید وہ سحر انقلاب آ پہنچی تھی جب عبداللہ بن عبدالمطلب اور آمنہ بنت وہب کے گھر حضرت محمد ﷺ جلوہ افروز ہوئے اور کائنات فخر وانبساط سے جھوم اٹھی مورخین نے لکھا ہے کہ وہ ربیع الاول کی بارہ

تاریخ تھی اور 22 اپریل 571ء کی مبارک سپیدہ سحر تھی جس کے بعد دنیا بدلنے والی تھی

‘‘‘‘‘‘‘‘‘‘

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○

*1

مستشرکین کے متعلق یہ معلومات ضیا النبی سے تحریر کی گئیں۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری۔ ضیا النبیؐ (جلد ششم ؛ ص ۱۲۳)

****

*2

اہل مغرب کا ماضی جہالت اور قساوتِ قلبی کا مظہر تھا تو آج بھی اُن کا طرز زیست بہیمانہ ہی ہے جس کا عکس عراق افغانستان اور دیگر کئی ممالک میں دیکھا جا سکتا ہے جہاں انھوں نے ظلم و جبر کا بازار کر رکھا ہے۔

مؤلف ؛ سیرۃ المزملؐ ۔افتخار احمد افتخار

****

*3

علامہ شبلی نعمانی کے یہ خیالات اُس کتاب سے تحریر کیے گئے جس میں اُن کے شاگرد خاص سیّد سلمان ندوی نے اُن کے خطوط جمع کردیے تھے۔مکاتیب شبلی نامی یہ کتاب مطبع عارف نے اعظم گڑھ سے 1928ء میں شائع کی۔

****

*4 قبیلہ مستشرقین کے اُن لوگوں کے نام جنھوں نے خاص آنحضرت محمد ﷺ کی ذات کو ہدف قلم بنایا،اوراُن کی کتابوں کا مختصر تعارف ''نقوش'' سے تحریر کیا گیا۔

نقوش(رسول نمبر ﷺ) جلد گیارہ ۔ محمد طفیل

ادارہ فروغ اردو لاہور 1985ء

****

*5

چونکہ یہ آج کی بات ہے اس لیے شاید کل کوئی سوال کرے کہ لال مسجد کیا ہے؟

لال مسجد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے درالحکومت کے وسط میں ایک بڑی مسجد ہے جہاں کئی ہزار لڑکے لڑکیاں تعلیم حاصل کرتے تھے۔اپنے اساتذہ سے دین کا جو سبق انھوں نے حاصل کیا وہ اس کا عکس اپنے شہر میں کھوجتے مگر شہر میں انھیں حرام کی دولت سے پرورش پانے والی اُن لڑکیوں کا سامنا کرنا پڑھنا جو نیم برہنہ اپنے جسم کی نمائش کررہی ہوتیں۔اُن کا سامنا اُن سینکڑوں پیشہ ورعورتوں سے تھا جو معاشرے میں برائی پھیلانے میں اہم کردار ادا کررہی تھیں۔شہر میں جگہ جگہ شراب عام ملتی تھی۔تب اِن طالب علموں کے ذہنوں میں ایک ردعمل نے جنم لیا۔انھوں نے احتجاج کیا اور حکومت کی توجہ اِن امور کی طرف دلائی۔جس کے جواب میں اُس وقت کے فوجی آمر(صدر جنرل پرویز مشرف) نے فوج

کوحکم دیا کہ اِن طالب علموں کوسزادو جنھوں نے پاکستان کے سافٹ امیج کو مجروع کرنے کی کوشش کی ہے۔ پاکستانی فوج نے مسجد کوگھیرلیااور نہتے طالب علموں پہ توپوں اورٹینکوں سے بمباری شروع کر دی جس کے نتیجے میں سینکڑوں طالب علم شہید ہوگئے۔ جن میں عورتیں، بچے، مردلڑکےلڑکیاں اوراُن کے اساتذہ بھی شامل تھے۔

مؤلف ؛سیرۃ المزملؐ۔افتخاراحمدافتخار

****

*6

قدیم سیرت نگاروں کے حالات تحریر کرتے ہوئے علامہ شبی نعمانی کی ''سیرت النبیؐ' ہمارے مدنظر رہی۔

مؤلف ؛سیرۃ المزملؐ۔افتخاراحمدافتخار

****

*7

دوراول کے سیرت نگاروں کے حالات تحریر کرتے ہوئے علامہ شبی نعمانی کی ''سیرت النبیؐ' ہمارے مدنظر رہی۔ جلداول دیکھیں۔

مؤلف ؛سیرۃ المزملؐ۔افتخاراحمدافتخار

****

*8

اسمائے الرجال کی کتابوں کے نام علامہ شبلی نعمانی کی سیرت سیرۃ النبیؐ سے تحریر

کیے گئے۔

علامہ شبلی نعمانی ۔۔۔سیرۃ النبیؐ جلداول۔

****

*9

فن روایت کے اصول تحریر کرتے ہوئے علامہ شبلی نعمانی کی "سیرت النبیؐ" ہمارے مدنظر رہی۔جلداول دیکھیں۔

مؤلف ؛سیرۃ المزملؐ۔افتخاراحمدافتخار

****

*10

قرآنِ حکیم کی آیات سننے والے جنوں کے نام ہم نے علامہ عبداللہ سہیلی کی کتاب " الروض الانف " سے درج کئے ہیں۔

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف (جلد اول ص ؛462)

****

*11

حضرت عطا تابعی اور حضرت کعبؓ کی یہ روایت اور اللہ کے نبی اشعیا پہ اتاریں گئیں یہ آیات ہم نے تفسیر طبری سے درج کی ہیں۔

اور اِن آیات کی تفسیر کے لیے سیرۃ النبی سے مدد لی گئی۔

تفسیر طبری (امام ابن جریر طبری) سیرۃ النبی جلد سول (حضرت شبلی نعمانیؒ)

****

*12

سلمہ بن سلامہؓ اور عمرو بن عنبسہ کے واقعات سیرۃ حلبیہ سے تحریر کئے گئے ہیں اور طرح کے بہت سے واقعات ہیں سب کا تذکرہ ممکن نہیں۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛ ۵۸۴)

****

*13

برناباس قبرص کا باشندہ تھا وہ پہلے یہودی تھا اور اس کا نام Joses تھا تاہم بعد میں اس نے دین عیسوی کی ترقی و ترویج کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی اس کے حواریوں نے اسے برناباس کا نام دیا وہ بڑا کامیاب مبلغ اور جاذب نظر شخصیت کا مالک تھا وہ ایک مدت تک حضرت مسیح کی قربت میں رہا تھا۔

****

*14

حضرت طلحہؓ اور سعید ابن عاص ابن سعید کے حالات اور اسلام لانے کے واقعات سیرت حلبیہ سے درج کئے گئے۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛۵۹۲)

****

*15

ابن ہشام کہتے ہیں کہ انھوں نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ بنوقیلہ کا نسب یہ ہے۔ قیلہ بنت کاہل بن عذرہ بن سعد بن زید بن لیث بن سود بن اسلم بن الحاف بن قضاعہ اور یہ اوس وخزرج کی ماں تھی اس لیے جب یہودی اِن دونوں قبیلوں کو اکٹھا پکارنا چاہتے تو کہتے کہ بنوقیلہ کی فلاں بات۔

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف (جلد اول ص ؛487)

****

*16

حضرت ہاشم کی مدح میں کہے گئے یہ اشعار اہل قریش کے ایک شخص وہب بن عبد قصی ہیں جو عدی بن الخیار بن عدی بن نوفل بن عبد مناف کے گھرانے کا ایک شخص تھا اور ہم نے یہ اشعار طبقات ابن سعد سے نقل کئے ہیں۔

ابو عبداللہ محمد بن سعد البصری

طبقات ابن سعد (جلداول ؛ ص ۸۹)

****

*17

حضرت ہاشم کی مدح میں کہے گئے یہ اشعار ہم نے سیرۃ حلبیہ سے نقل کئے ہیں۔

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛۵۱)

****

*18

حضرت ہاشم کی وفات پہ اُن کی بیٹی خالدہ بنت ہاشم نے یہ مرثیہ لکھا جسے ہم نے طبقات ابن سعد سے درج کیا۔

محمدبن سعدؒ

طبقات ابن سعد (جلد اول ص ؛ ۹۵)

****

*19

مطرود بن کعب الخزاعی نے عبدمناف کے بیٹوں کی یکے بعد دیگرے موت کے حزن میں جو قصیدہ کہا اُسے ہم نے طبقات ابن سعد سے درج کیا۔

محمدبن سعدؒ

طبقات ابن سعد (جلد اول ص ؛ ۹۷)

****

*20

حضرت عبدالمطلب نے اولادِ عبدالمطلب کے متعلق یہ اشعار حجل بن عبدالمطلب کے بیٹے فرہ بن عجل نے اپنے چچاؤں کے بارے میں کہے تھے۔

محمدبن سعدؒ

طبقات ابن سعد (جلد اول ص ؛ ۱۱۴)

****

*21

اکثر مورخین نے حضرت عبدالمطلب کی بیٹیوں کے نوحے کو نظر انداز کیا ہے جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ زبان و بیان کے ماہرین کے نزدیک یہ اشعار کمزور ہیں تاہم علامہ ابن اسحاق سے ابن ہشام نے سیرۃ الکامل ابن اہشام میں یہ اشعار نقل کئے ہیں جہاں سے ہم نے آپ کے لیے درج کئے۔

علامہ ابن ھشامؒ

سیرت النبی الکامل (جلد اول ص ؛۱۹۶)

****

*22

علامہ عبداللہ سہیلیؒ نے روض الانف نے اور کئی دیگر مورخین نے لکھا ہے کہ وہ کاہنہ بنو اسد کی نہیں بلکہ حجاز کی کاہنہ تھی۔

امام ابو القاسم عبد الرحمان بن عبداللہ سہیلی

الروض الانف (جلد اول)

****

*23
فاطمہ بنت مرالمراخثمیہ کے یہ اشعار ہم نے قارئین کے لیے طبقات ابن سعد سے نقل کئے ہیں۔

ابو عبداللہ محمد بن سعد البصری

طبقات ابن سعد (جلداول ؛ ص ۸۹)

****

*24
حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی وفات پہ اُن کی بیوی حضرت آمنہ نے جو رسول اللہ ﷺ کی ماں تھیں اپنے شوہر کے دکھ میں یہ مرثیہ کہا جسے ہم نے آپ کے لیے طبقات ابن سعد سے نقل کیا۔

محمدبن سعدؒ

طبقات ابن سعد (جلد اول ص ؛ ۱۱۴)

****

ماخذ ومصادر ومراجع

القرآن الحکیم

سیرۃ النبی ﷺ ***** مولانا شبلی نعمانیؒ

سنن ابی داؤد ***** امام ابی داؤدؒ

موطا امام مالک ***** امام محمد مالکؒ

مشکواۃ شریف ***** امام محمد رازیؒ

صحیح مسلم شریف ***** امام مسلمؒ

جامع ترمذی	*****	امام ترمذیؒ
تاریخ ابن خلدون	*****	علامہ ابن خلدونؒ
تاریخ الامم والملوک	*****	امام ابن جریر طبریؒ
تاریخ اسلام	*****	اکبر شاہ نجیب آبادیؒ
تاریخ اسلام	*****	معین الدین شاہ ندویؒ
انسان کامل	*****	محمد منیر قریشیؒ
مسلمان امتیں	*****	ڈاکٹر اسرار احمدؒ
سیرت ابن ہشام	*****	ابن ہشامؒ
نقوش (رسول نمبر)	*****	ادارہ
مجموعہ مضامین	*****	پروفیسر احمد رفیق اختر

اسلام اور عصر حاضر	*****	مولانا وحید الدین خانؒ
ضیاالقرآن	*****	جسٹس محمد کرم شاہؒ
تفہیم القرآن	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
خلافت وملوکیت	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
سنت کی آئینی حیثیت	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
الجہاد فی الاسلام	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
خطبات	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
سیرت سرور کونین ﷺ	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
پردہ	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ
اسلام کے بنیادی تصورات	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

پیغمبر اعظم و آخرؐ	*****	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
محمد عربی ﷺ	*****	مولانا وحید الدین
محسن انسانیتؐ	*****	نعیم صدیقی
تدبر قرآن	*****	مولانا امین احسن اصلاحیؒ
کشت زر بار	*****	پروفیسر احمد رفیق اختر
خطبات بہاولپوری	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
بلوغ الارب	*****	علامہ محمود شکری آلوسیؒ
العقد الفرید	*****	ابن عبد ربہؒ
رویات تمدن قدیم	*****	سیّد علی عباس جلالپوری
الامینؐ	*****	محمد رفیق ڈوگر

سیرت الرسول ﷺ	*****	محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ
کائنات اور انسان	*****	علی عباس جلالپوریؒ
حجۃ البالغہ	*****	شاہ ولی اللہ دہلویؒ
تمدن ہند	*****	علی بلگرامیؒ
سیرت عائشہؓ	*****	سیّد سلمان ندویؒ
تحقیق ماللہند	*****	علامہ البیرونیؒ
کرم کی برسات	*****	ڈاکٹر محمد خالد عاربی
ابوسفیانؓ	*****	الطاف حسن گیلانی
تاریخ اسلام	*****	شیخ محمد رفیق
تاریخ مدینہ	*****	محمد صادق بہاولپوری

مقالات ***** سرسید احمد خان

تاریخ اسلام ***** حسن ابراہیم

جزیرۃ العرب ***** علامہ ہمدانی

تاریخ اسلام ***** ڈاکٹر حسن ابراہیم

المروج الذہب ***** المسودیؒ

تفصیل الازمنہ ***** یوسف بن عبد الملکؒ

العرب قبل از اسلام ***** علامہ جرجی زیدانؒ

الروض الانف ***** امام سہیلیؒ

شرح سنن ابی داوٗد ***** امام خطابیؒ

قانون اسلام ***** سرسید احمد خانؒ

عہد نامہ قدیم

عہد نامہ جدید

احکام القرآن	*****	امام رازیؒ
الاحکام السلطانیہ	*****	امام ماوردیؒ
کتاب المثالب	*****	ابن ہشام
اعلام النبوۃ	*****	امام ماوردیؒ
الطرق الحکمتیہ	*****	علامہ ابن قیمؒ
البیان والتبیان	*****	امام جاحظ
الکامل	*****	علامہ ابن کثیرؒ
کتاب البیان	*****	امام لیثیؒ

ضرب الامثال	*****	میدانیؒ
کتاب العمدہ	*****	علامہ ابن رشیقؒ
کتاب الاوائل	*****	اسماعیل بن عبداللہ موصلیؒ
الوفاء	*****	ابن جوزیؒ
مفردات القرآن	*****	علامہ راغب اصفہانیؒ
الجامع الصغیر	*****	امام سیوطیؒ
شرح المواہب اللدنیہ	*****	امام زرقانیؒ
البیان والتعریف	*****	ابراہیم بن محمد الحسینیؒ
الصحاح اللغۃ	*****	امام جوہریؒ
مقاتل الفرسان	*****	ابوعبیدہؒ

دیوان	*****	حضرت حسان بن ثابتؓ
الشفاء	*****	قاضی عیاضؒ
طبقات الکبری	*****	ابن سعدؒ
سیرت حلبیہ	*****	امام حلبیؒ
مدارج النبوۃ	*****	محدث دہلویؒ
جمع الوسائل	*****	ملا علی قاریؒ
المواہب اللدنیہ	*****	امام قسطلانیؒ
جواہر البحار	*****	امام بیہقیؒ
السیرۃ النبویہ	*****	ابن عساکرؒ
شعب الایمان	*****	امام بیہقیؒ

المعجم الصغیر	*****	امام طبرانیؒ
فتح الباری	*****	ابن حجر عسقلانیؒ
اخبار مکہ	*****	امام فاکہیؒ
الکفایہ فی العلم الراویہ	*****	خطیب بغدادیؒ
التمہید	*****	ابن عبد البرؒ
الثقات	*****	ابن حبانؒ
سبل الہدیٰ والرشاد	*****	امام صالحیؒ
المنصف	*****	ابن ابی شیبہؒ
شرح مسلم	*****	امام نوویؒ
شمائل الرسول	*****	امام ابن کثیرؒ

صفوۃ الصفوۃ ***** ابن جوزیؒ

امتاع الاسماع ***** امام طبرانی

میزان الاعتدال ***** امام ذہبیؒ

الاستیعا ب ***** ابن عبدالبرؒ

التفسیر الکبیر ***** امام رازیؒ

کتاب الزہد ***** ابن مبارکؒ

السنن ***** دارمیؒ

الآحادولمثانی ***** امام شیبانیؒ

المسند ***** ابن جعدؒ

السنن الکبریٰ ***** امام نسائیؒ

تہذیب الکمال	*****	امام مزیؒ
المسند	*****	اسحاق بن راہویہؒ
تہذیب الاسماء	*****	امام نوویؒ
الاصابہ	*****	ابن حجر عسقلانیؒ
الریاض النضرۃ	*****	امام زرقانیؒ
شرح المؤطا	*****	طبرانیؒ
معجم الاوسط	*****	عبدالرزاقؒ
الادب المفرد	*****	امام بخاریؒ
لسان المیزان	*****	ابن حجر عسقلانیؒ
تذکرۃ الحفاظ	*****	امام ذہبیؒ

المسند ***** ابو عوانہؒ

مسلمانوں کا ہزار سالہ اقتدار ***** پروفیسر ارشد جاوید

رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی ***** ڈاکٹر حمید اللہؒ

قرآن اور جدید سائنس ***** ڈاکٹر حشمت جاہؒ

رسول عربی اور عصر جدید ***** سیّد محمد اسماعیلؒ

علم کی اسلامی تشکیل ***** خورشید احمد ندیم

میزان ***** جاوید احمد غامدی

شرح الشفا ***** ملا علی قاریؒ

تاریخ الخمیس ***** دیار بکریؒ

الایمان ***** ابن مندہؒ

السنن	*****	ابن ماجہؒ
ترکۃ النبیؐ	*****	ابواسماعیل بغدادیؒ
الرسولؐ	*****	عبدالحلیم محمودؒ
روح المعانی	*****	علامہ محمود شکری آلوسیؒ
قیامت اور جدید سائنس	*****	ڈاکٹر حشمت جاہؒ
الدیباج	*****	امام سیوطیؒ
مکارم اخلاق	*****	ابن ابی الدنیاؒ
السنن الکبریٰ	*****	امام بیہقیؒ
الخصائص الکبریٰ	*****	امام سیوطیؒ
المسند	*****	امام احمد بن حنبلؒ

الطبقات	*****	ابن خیاطؒ
الجامع الصحیح	*****	امام ترمذی
السنن	*****	ابوداؤدؒ
شرح معنی الآثار	*****	امام طحاویؒ
مجمع الزوائد	*****	ہیثمیؒ
فیض القدیر	*****	منادیؒ
الترغیب والترہیب	*****	منذریؒ
مشکل الآثار	*****	امام طحاویؒ
اسلامی ریاست	*****	پروفیسر خورشید احمدؒ
کیمیائے سعادت	*****	امام غزالیؒ

البیان فی التفسیر القران	*****	ابن جریر طبریؒ
مشکوٰۃ المصابیح	*****	الخطیبؒ
الجوامع السیاسیہ	*****	امام ابن تیمیہؒ
بیان العلم و فضلی	*****	ابن عبدالبرؒ
تاریخ السلامی السیاسی	*****	حسن ابراہیم الدکتورؒ
النظم الاسلامیہ	*****	حسن ابراہیم الدکتورؒ
کتاب الخراج	*****	الامام ابو یوسفؒ
تحفۃ الاشراف	*****	المزیؒ
حسن المحاضرۃ	*****	امام سیوطیؒ
مقائس اللغۃ	*****	ابن فارسؒ

اعلام الموقین	*****	ابن قیمؒ
سنن الدارمی	*****	الدارمیؒ
الزھد	*****	امام احمد بن حنبلؒ
تفسیر ابن کثیر	*****	از ابن کثیرؒ
تاریخ الکامل	*****	ابن اثیرؒ
فتوح البلدان	*****	امام بلازریؒ
المذاہب الاربعہ	*****	عبدالرحمانؒ
کتاب النوبیہ	*****	ابن ہشامؒ
عیون الاخبار	*****	ابن قتیبہؒ
شذرات الذہب	*****	ابن عمادؒ

الشفاء	*****	قاضی عیاضؒ
غریب الحدیث	*****	امام ابن اثیرؒ
وفاالوفا	*****	امام سمہودیؒ
کتاب الاصنام	*****	ابن قتیبہ
لسان العرب	*****	ابن منظورؒ
الرسول القائد	*****	خطاب محمود شیثؒ
البدر الطالع	*****	امام شوکانیؒ
الاداب	*****	امام بیہقیؒ
دلائل النبوۃ	*****	ابن ندیمؒ
الشمائل	*****	امام ترمذیؒ

المنار	*****	رضا رشیدؒ
علم الراویہ	*****	خطیب بغدادیؒ
السنۃ قبل التدوین	*****	خطیب العجاجؒ
الکشاف	*****	زمخشریؒ
مسند الفردوس	*****	دیلمیؒ
معجم الکبیر	*****	طبرانیؒ
تفسیر در منثور	*****	امام جلال الدین سیوطیؒ
المبسوط	*****	شمس التامہؒ
المراسیل	*****	سجستانیؒ
غریب الحدیث	*****	خطابیؒ

صحیح ابن حبان	*****	ازابن حبانؒ
عمل الیوم ولیلۃ	*****	للنسائیؒ
تاریخ الادب الجاہلی	*****	شوقی ضیف الدکتورؒ
مفتاح الجنۃ	*****	امام سیوطیؒ
علوم الحدیث	*****	صبحی صالحیؒ
شرح معانی الاثار	*****	امام الطحاویؒ
تاریخ الادب الاسلامی	*****	شوقی ضیف الدکتورؒ
شرح مسلم	*****	شبیراحمد عثمانیؒ
فلسفہ التشریخ فی الاسلم	*****	صبحی صالحیؒ
الاحدیث المہشرہ	*****	شمس الدین سخاویؒ

انساب الاشراف	*****	امام بلاذری ؒ
ہدیۃ العارفین	*****	اسماعیل باشا ؒ
مناہل الصفاء	*****	امام سیوطی ؒ
مقاصد الحسنہ	*****	امام سخاوی ؒ
المصنف	*****	عبدالرزاق ؒ
جامع الصغیر للمنادی	*****	امام سیوطی ؒ
مفاتیح الغیب	*****	امام رازی ؒ
مسند احمد	*****	امام احمد ؒ
الشعر والشعرا	*****	ابن قتیبہ ؒ
العبقریات الاسلامیہ	*****	العقاد عباس محمود ؒ

حدیث دفاع	*****	میجر جنرل اکبر خانؒ
اسلامی طریق جنگ	*****	میجر جنرل اکبر خانؒ
الفیض القدیر	*****	المناویؒ
الکامل فی الضعفاء	*****	ابن عدیؒ
محاسن التاویل	*****	قاسمی جمال الدینؒ
مسلمانوں کا نظم مملکت	*****	حسن ابراہیمؒ
سود	*****	سیّد مودودیؒ
حیات محمدؐ	*****	محمد حسنین ہیکلؒ
الوثائق الساسیہ	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
تجدید احیائے دین	*****	سیّد مودودیؒ

الاحکام القرآن ***** محمد بن احمد قرطبیؒ

مسلم نشاۃ ثانیہ ***** ڈاکٹر محمد امین

مسلمان اور سائنس کی تحقیق ***** حبیب احمد صدیقیؒ

نامور مسلمان سائنس دان ***** حمید عسکریؒ

نظام الحکومت نبویہ ***** شیخ عبدالحیؒ

الاسلام والحضاوۃ العربیہ ***** کرد علیؒ

سائنس وطب میں مسلمانوں کا عروج ***** حفیظ الرحمٰن صدیقیؒ

فیض الباری ***** محمد انور شاہؒ

سو مسلم سائنس دان ***** رفیق انجمؒ

شاندار سائنسی کارنامے ***** زکریا ورقؒ

تخریج الحدیث	*****	مولانا محمد سعیدؒ
سنت کا تشریحی مقام	*****	محمد ادریس میرٹھیؒ
احادیث الموضوعہ	*****	ملا علی قاریؒ
ترجمان القرآن	*****	مولانا ابوالکلام آزادؒ
رسول عربیؐ	*****	مولانا ابوالکلام آزادؒ
رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
منصب امامت	*****	شاہ اسماعیل شہیدؒ
یورپ پر اسلام کے احسانات	*****	غلام جیلانی برقؒ
حسنت جمیع خصالہ	*****	طالب ہاشمیؒ
دعوت دین اور اس طریق کار	*****	امین احسن اصلاحیؒ

فی ظلال القرآن	*****	سیّد قطب شہید ؒ
احسن التفاسیر	*****	احمد حسن دہلوی ؒ
قصص الانبیاء	*****	محمد حفظ الرحمٰن ؒ
مدارج النبوہ	*****	معین فراحی ؒ
سیرت الرسول	*****	محمد بن عبدالواہاب ؒ
الرحیق المختوم	*****	صفی الرحمان مبارک پوری ؒ
محمد عربیؐ	*****	محمد احمد برانق ؒ
اسلامی ریاست	*****	امین احسن اصلاحی ؒ
ترجمان السنۃ	*****	بدر عالم میرٹھی ؒ
اسلام کا معاشرتی نظام	*****	خالد علوی ؒ

اسلام کا سیاسی نظام	*****	محمد اسحٰق سندیلوی ؒ
تفہیمات	*****	سیّد مودودیؒ
سیرت نبویؐ	*****	ڈاکٹر مصطفیٰ صباحیؒ
پیغمبر انسانیت	*****	شاہ محمد جعفر پھلواریؒ
سیرت رسول عربی	*****	علامہ نور بخش توکلیؒ
خطبات مدارس	*****	سید سلیمان ندویؒ
عہد نبوی نظام حکمرانی	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
سیرۃ المصطفیٰ	*****	محمد ادریس کاندھلویؒ
تاجدار دو عالمؐ	*****	عزائم عبدالرحمانؒ
اسلام کا اقتصادی نظام	*****	حفظ الرحمٰنؒ

معجزات سرورکونین	*****	طالب ہاشمیؒ
ارشادات دانائے کونین	*****	طالب ہاشمیؒ
منصب امامت	*****	طالب ہاشمیؒ
اخلاق پیغمبری	*****	طالب ہاشمیؒ
معارف الحدیث	*****	محمد منظور نعمانیؒ
فصاحت نبوی	*****	ڈاکٹر ظہور احمد اظہرؒ
رہبر کامل	*****	مولانا عبدالمجید خادمؒ
اسوہ رسول اکرمؐ	*****	ڈاکٹر محمد عبدالحئیؒ
اخلاق نبوی	*****	سیّد محمد اسحاقؒ
نبی رحمت	*****	سیّد ابوالحسن ندویؒ

محمد رسول اللہؐ ***** شیخ محمد رضا مصریؒ

محمد رسول اللہ ﷺ ***** توفیق الحکمؒ

پیغمبر انقلاب ***** مولانا وحید الدین خانؒ

عبقریت محمدؐ ***** عباس محمود العقادؒ

نبی اکرمؐ کی معاشی زندگی ***** ڈاکٹر نور محمد غفاریؒ

خاندان نبوت ***** محمد ادریسؒ

معرکہ اسلام اور جاہلیت ***** صدر الدین اصلاحیؒ

مغازی رسولؐ ***** حضرت عروہ بن زبیرؓ

تاریخ مکہ ***** منظور احمد شاہؒ

منصب نبوت ***** سیّد ابوالحسن ندویؒ

شمائل کبریٰ	*****	عبدالحکیم خانؒ
سیرۃ اکبریٰ	*****	مولانا ابوالقاسمؒ
راہ عمل	*****	مولانا جلیل احسنؒ
زادراہ	*****	مولانا جلیل احسنؒ
وفود عرب	*****	طالب ہاشمیؒ
سیرت سیّدہ فاطمہؓ	*****	طالب ہاشمی
معارف القرآن	*****	مفتی محمد شفیعؒ
ترجمہ قرآن	*****	سیّدابوالاعلیٰ مودودیؒ
البستان	*****	واثق باللہ
کتاب السماء ولغات	*****	امام نووی

محمد رسول اللہؐ	*****	محمد صادق ابراہیمؒ
رسول مبینؐ	*****	محمد احسان الحق سلیمانیؒ
سیرت محمدیؐ	*****	سرسید احمد خانؒ
سیرت سرور کونینؐ	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

WESTERN AUTHORS.

Dalbeer...Mater ,Eather,Motion.

J.G.Freezer... Man God and Immortalilty.

S. Hussan Naser... Islamic Science.

J.Heksely... Religion Without Revolation.

Philps Hitty... History of Arabs.

Springler...Fall of west.

Carbin... EN Iranien Islam.

Sir jamees jeen...Modren Islimic Thought.

Johan Wellosan...Philosophy of Reilgion.

R.I.Gulick..Muhammad The educator.

Cob..Islamic Contribution to word culture.

Briffault...The making of Humanity.

Bosworth... The Lagacy of Islam.

S, Charles Darwen...Origion of Species.

Mont Watt...History of Islamic Spain.

B.Russal...The Conquest of Happiness

Michael H Hart... The 100

M,White...The limitaaions of Sciens

Ameer Ali... The Spirit of Islam.

Edendton...The age of analysis.

James jeans...The Mysterious Univers.

Hanes Berg...Modren scientefec thought.

W Back...Modern Science & natur Life.

Zohansicy...Gentic and origen of Species.

Karal Marx...Das Kapital.

Lebon...The Erab Civilazation.

Genetic Code .... Issaac Asimov.

Trawleing...History of Religion.

B, Russiall History of civiliazation.

Freud... Toam and Tabuos.

Freud....Pleasure thinking.

Robert Semith....Religion of Erabs.

well deurant...The age of faith.

Walteare...The History of China.

Freud...His Dream & Sex Theories.

Pierre Lecomde... Human Destiny.

Pro, Brian..New Horizons in Psychology.

P.Nik... Fondamentals of Politics.

Glance at Historical Materialism.ASpirken.

Pro, Hageel... Wonder Of Life

Dr. Hehoom... Human Understanding.

Fraied.... Totam and Taboos

Fried.....Pleasure Thinking

Robert Smith...Religion of the semites.

RussallBurtrand ...The Conquest of Happiness.

JOHAN WILLSON ...Philosophy and Religion

Tyndall...Matter and Motion.

MORTEN WHITE....The Limitations of Science.

ARUTHOR ENDEKTAN...The age of Analysis

Sir Jameus Jeens...Modren Scitefic Thought.

Dob Zohans..Genetic and The origin of species.

Raney Grew...Civilization of the east.

Sir Leonard Woolley...Abraham.

Freazer...The Golden Bough.

Edward Mc Nall.... Westren Civilization.

Breufalt.... The Making of Humanity.

Dr, Dedat ... The Ultimate Miracle.

A. Curte...Discover Behind The iron Curtain.

Dr,Harwey Day...The Hidden Power of vibration.

Russal...History of Westren Philosophy.

Jon Stevens... Secred Calligraphy of east.

Dr,simith... Divin Origin.

B Russal...History of Arebs.

Dr,Zafar, Towards understandin Qurran.

DR, mir Aneesudin... The Holly Quran.

Dr M Taqi... The Noble Quran.

Asimov... Exploring the earth and cosmos.

S,Hawhing...A Brief History of Time.

Al,Gore ... Erth in Balance.

J.Sylvester... The Gene Age.

R.Hill.... Physical Methalogy.

David Burine... Micro Life.

STephen Jay Gold... The Panda Thumb.

Rachel Carson... Silent Spring.

Mir,Steween... Geodetic Survey.

J.Parker ... Erth Sciences.

Aavagardo.... Water Realities.

Lyantan Keith...Between Two Words.

Allan Baratan...Recovery and Recycil.

Oliver Owen... Natural Conservations.

A.J.Longly....Environment of Technology.

Richard Wedford....Envionmetel Management

Robert Raymond...Out of Fiery.

P.R.Trevidi....Energy Resources.

Dr.Shafi Hader... Four Tools for a Musilm.

Dr.Shafi Hader... Scince in Quraan.

M.A.Qazi.... Quranic Concept.

A.Ryabchikov....Changing Face of earth.

Dr.Shafi Hader... Deep Thinking.

S.Manzoor...Scientific Significance in Quraan.

Dr.Shafi Hader...Quraan and Miracle Life.

Dr.Shafi Hader...Quraan and Fate of Cosmos.

Muhammad Shihabuddin nadvi... Cloning.

Syed Mubarak... Quranic Phlosephy.

Ellisow Hawks...Mysteries Of Science.

E.L.Abel... Moon Madnes.

Abdul Mobin Khan... Basic Immunology.

Dr.Shafi Hader...Creation Of Life.

Dr.Shafi Hader...Creation Of Universe.

Barnaby Rogerson... The Prophet Muhammad

Ingird Mattson.... The Study of Qurran.

Dr, Mohammad Rana... History of Islam.

Adrinne Jansen... Asian Face Of Islam.

Thomos C,... Years of Innovation.

Erich.V, ... Miracles Of God.

I.A. Ibrahim... Understanding Islam.

Dr,Kazmi ...Guinness Concept.

Dr.Shafi Hader..Quraan and Quality Concepts

Judit Bower...Enviromental Systems.

Syed Mubarak...Quranic Therapy.

Shah Manzoor... Quranic Verses.

B.Person...History of Prophet Mohammad.